MAULANA MINNATULLAH RAHMANI

ANALYTICAL STUDY OF HIS LIFE AND RELIGIO-INTELLECTUAL CONTRIBUTIONS

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

SUNNI THEOLOGY

By

Mohd. Azhar

under the supervision of

Dr. Towqueer Alam Falahi

(Reader)

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2005

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلخیص

دنیا میں بہت سی نامور اور مقدس ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں علمی، دینی، سماجی اور سیاسی خدمات کا نذرانہ ملک وملت کو پیش کیا ہے۔ ایسی بزرگ شخصیتوں میں ایک شخصیت مولانا منت اللہ رحمانی کی ہے جو صوبہ بہار ضلع مونگیر کی سرزمین سے اُٹھے اور تقویٰ، خلوص، علم وفضل، انسانی ہمدردی اور حکمت عملی کے متاع بیش بہا سے متمتع ہوتے ہوئے تادم آخر قوم وملت کے لیے اپنے آپ کو نچھاور کردیا۔

مولانا رحمانی اپنی ذات میں ایک کارواں تھے اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے روح رواں تھے، سالہا سال تک آپ نے بے کم وکاست اور بغیر کسی حرص وطمع کے قلبی لگاؤ اور والہانہ وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے قوم وملت کے لاکھوں مسائل ومشکلات کا سامنا کیا اور اپنے علم وفراست سے ''امارت شرعیہ بہار واڑیسہ'' اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص شہرت ومقبولیت کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔

ایک طرف جہاں مولانا امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ سے جُڑتے ہوئے امیر شریعت اور جنرل سکریٹری کی حیثیت سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کو رفع کرتے رہے وہیں علمی حلقہ کو اپنی تالیفات سے

مستفیض کرتے رہے۔

آپ کا تعلق ایسے معزز خانوادے سے ہے جو برسوں سے علم کی شمع کو روشن کیے ہوئے ہے اور جو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک میں بھی احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری نور اللہ مرقدہ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، مولانا محمد علی مونگیری نے اپنے عہد پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے۔ ندوۃ العلماء کا قیام ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے تاریخ ہند میں ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔فرق باطلہ اور مذاہب باطلہ کی تردید میں ان کا جہد مسلسل آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ قادیانیوں اور آریوں کے خلاف ان کا لسانی اور قلمی جہاد اپنی اہمیت وافادیت کے اعتبار سے ناقابل فراموش ہے۔ آپ (منت اللہ رحمانی) انہی (مولانا محمد علی مونگیری) کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ظاہر ہے آپ نے خالص علمی اور نورانی خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت اور کردار سازی میں آپ کے خاندانی ماحول کا بالعموم اور والد محترم کا بالخصوص دخل تھا۔

آپ کا تعلق اس خاندان علم وفضل سے ہے جو سینکڑوں سال سے اپنے علم وفضل کے چراغ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے عالم میں کسی نہ کسی حیثیت سے روشن کیے ہوئے ہے۔سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کون نہیں جانتا ہے۔مولانا رحمانی کا سلسلہ نسب اسی طویل القامت بزرگ (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) سے جاملتا ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی ایک ممتاز عالم دین، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ اور قوم و ملت کے بے لوث خادم تھے۔ آپ مسلمانوں کی اصلاح وفلاح کی خاطر برابر فکر مند اور مساعی رہتے تھے۔ آپ کی توجہ، دلچسپی اور سرگرمی کا محور ہی یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا قومی وملی امتیاز وتشخص باقی وبرقرار رہے اور اپنے عقیدہ ومذہب پر مضبوطی سے ثابت قدم رہ کر وہ ملک میں باعزت اور باوقار زندگی گزاریں۔ ایسے مقدس اور پاکیزہ مقصد کے حصول کے لیے وہ عمر بھر جہد و جہد کرتے رہے اور نامساعد حالات میں بھی بڑی دلیری اور بے جگری سے حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ مصلحتیں کبھی آپ کو خاموش نہ کرسکیں، بلکہ آپ وقت کی آواز بنتے رہے اور ضرورتوں کو پہچانتے رہے، نیز پوری بصیرت، دانائی اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ علوم دینیہ کے احیاء، مسلمانوں کی شناخت، دینی تشخص کی حفاظت اور شریعت اسلامیہ کی پاس داری کی خاطر کمر بستہ رہے۔ آپ کی دینی، تعلیمی اور قومی وملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے اور آپ کے جذبہ خدمت اور انداز تربیت کے بہت سارے نمونے افراد اور اداروں کی شکل میں بھی موجود ہیں۔ ''امارت شرعیہ'' ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' ''جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر'' وغیرہ جیسے اہم ادارے آپ کی خدمات جلیلہ کے وہ روشن مظاہر ہیں جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔

آپ اس دنیا سے چلے گئے لیکن اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے۔ کام کرنے کا سلیقہ اور جینے کا طریقہ چھوڑ گئے جسے اختیار کرلیا جائے تو کامیابی قدم بوس ہوسکتی ہے۔ آپ جس کام میں لگ جاتے پایہ تکمیل تک پہونچا دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مونگیر جیسے مضافات شہر میں

رہ کر آپ نے ''جامعہ رحمانی خانقاہ'' کو ایسا متحرک کر دیا کہ مونگیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر مرجع خلائق بن گیا۔

اسی طرح امارت شرعیہ جیسی شرعی تنظیم اور باوقار دینی ادارہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور یوں آپ نے منصب امارت کو امیر رابع کی حیثیت سے زینت بخشی۔آپ کے اخلاص و جگر سوزی اور جہد مسلسل کے باعث آپ کے عہد میں یہ صوبائی ادارہ پورے ملک میں معتبر اور باوزن ہوگیا۔آپ نے اپنی بیش قیمت زندگی کے ۳۴؍سال اس ادارے کے لیے وقف کیے اور امیر شریعت رہتے ہوئے مسلمانوں کے جملہ دینی و ملی امور و معاملات میں ایک ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔

۱۹۷۳ء میں جب آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا تو آپ نے یہاں بھی اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اتنی دلچسپی ولگن اور دل جمعی و اخلاص کے ساتھ کام کیا اور ایسی حکمت عملی اپنائی کہ مسلم مسائل کے ایجنڈے میں یہ مسئلہ اولیت کے مقام کا حامل ہوگیا اور پڑھے لکھے لوگ جو مسلم پرسنل لاء سے واقف نہ تھے اس کے حدود اربعہ سے واقف ہوگئے۔آپ نے تقریباً ۱۸؍سال تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی نظامت کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے فتنوں اور سازشوں کو ناکام کیا۔

مولانا رحمانی نے اپنی دینی و ملی کاموں کی گوناگوں مصروفیتوں، تحریک تحفظ شریعت اور تعمیر ملک ملت وقوم کی قیادت وسیادت کے باوجود تصنیف وتالیف، مقالہ نگاری اور وعظ و

خطابت کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔حالاں کہ تصنیف و تالیف کے لیے سکون واطمینان اور یکسوئی کی ضرورت شدت سے درکار ہوتی ہے، وہ آپ کی اپنی دینی، روحانی، اصلاحی اور ملی و سیاسی خدمات کی مصروفیتوں کی وجہ سے میسّر نہ ہوسکی۔لیکن اس کے باوجود آپ نے اس میدان میں بھی جو کارنامے انجام دیے وہ قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے روح رواں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے متحرک و فعّال صدر، اصلاحی اور فلاحی کاموں کے بڑے نقیب وعلم بردار ہونے کے ساتھ ساتھ تصنیفات وتالیفات کے میدان میں تشخص وانفرادیت کی شان رکھنے والے مولانا منت اللہ رحمانی کی طویل القامت اور ہمہ گیر شخصیت کو تحقیقی مقالے کا موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ مقالہ چار اہم ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: مولانا منت اللہ رحمانی......حالات زندگی

باب دوم: مولانا رحمانی اور امارت شرعیہ

باب سوم: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مولانا رحمانی

باب چہام: مولانا کی علمی خدمات

باب اول مولانا کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

نام ونسب، خاندانی حالات، تعلیم وتربیت، آزادی کی خاطر آپ سہارنپور میں، تعلیم سے فراغت کے بعد، آپ کے اساتذہ کرام، مولانا کی زندگی کے چند اہم گوشے، آپ کے معاصر علماء، مولانا منت اللہ رحمانی کی ایک اہم یادگار- جامعہ رحمانی، مختلف ممالک کا

دورہ،مولانا رحمانی کی وفات، یہ سارے ذیلی عناوین اس باب کے اہم مشتملات و مباحث ہیں۔

باب دوم مولانا رحمانی اور امارت شرعیہ سے موسوم ہے۔

آپ کی خدمات جلیلہ کی ایک کڑی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ ہے جو آپ کی گرانقدر خدمات کی علامت بھی ہے۔اس باب میں سب سے پہلے امارت شرعیہ کا تعارف کرایا گیا ہے کہ امارت شرعیہ کیا ہے؟ اس کی اہمیت وضرورت اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد آپ کے عہد امارت میں امارت کے اندر جو ظاہری اور معنوی ترقیاں ہوئیں ان کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

شخصیت کا اجمالی تعارف، مولانا اورامارت شرعیہ، بنیادی مقاصد، امارت اور اس کے شعبے، امارت شرعیہ کی اہمیت وضرورت، بانی امارت شرعیہ، امراء امارت شرعیہ اور مولانا رحمانی، امارت شرعیہ آپ کے عہد امارت میں، خدمت خلق اور مولانا رحمانی، امارت کے شعبے اور آپ کی کارکردگی، یہ ذیلی مباحث اس باب کی زینت بنتے ہیں۔

باب سوم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مولانا رحمانی

مولانا منت اللہ رحمانی کی خدمات کا ایک اہم شعبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہے۔آپ اس کے بانیوں میں سے ہیں اور اس کے روح رواں بھی۔اس وجہ سے اس باب کے اندر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے محرکات و مقاصد اور پھر اس کے پلیٹ فارم سے تحفظ شریعت

کے سلسلہ میں جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز بابری مسجد کے تحفظ کے سلسلہ میں آپ کے موقف واقدام کا بھی اس کے اندر تذکرہ کیا گیا ہے۔

مولانا رحمانی کی ناقابل فراموش خدمت، مسلم پرسنل لاء کیا ہے؟ مسلم پرسنل لاء کی اہمیت، بورڈ کے قیام کا تاریخی پسِ منظر اور مولانا رحمانی، بورڈ کے اغراض و مقاصد، مسلم پرسنل لاء بورڈ کا دائرہ کار اور مولانا رحمانی، یکساں سول کوڈ اور مولانا رحمانی، متبنیٰ بل اور مولانا رحمانی، فیملی پلاننگ اور مولانا رحمانی، شاہ بانو کیس اور مولانا محترم، مساجد و مقابر کے تحفظ میں آپ کا کردار، اوقاف پر انکم ٹیکس اور اس کے خلاف آپ کی کاروائی، مولانا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے، بابری مسجد اور مولانا رحمانی کا کارنامہ، ان موضوعات پر قدرے شرح وبسط کے ساتھ اس باب میں گفتگو کی گئی ہے۔

باب چہارم **مولانا کی علمی خدمات** پر مشتمل ہے۔

اس میں مولانا رحمانی کی علمی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ آپ کے زور آور قلم کے ذریعہ بہت ساری قیمتی تحریریں منظر عام پر آئیں جو کتب و رسائل اور مقالات کی شکل میں آپ کے علمی کارناموں کی یادگار ہیں جو اپنی نوعیت اور موضوع کے لحاظ سے محدود و مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کی حامل اور علم و تحقیق کے میدان میں آپ کی نگاہ دوررس اور علمی استعداد کا مظہر ہیں۔

مولانا کی علمی حیثیت، تصنیفات و تالیفات ایک نظر میں، فتاویٰ نویسی - چند مثالیں،

قانون اسلامی کی تدوین، اس باب کے ذیلی عناوین ہیں۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ وعظ و خطابت میں بھی آپ نمایاں تھے۔ آپ کا خطاب وقیع، قیمتی اور وقت کے اہم تقاضوں کو پورا کرنے والا تھا اور ساتھ ہی اس میں حق و بے باکی کا انمول خزانہ بھی۔ اسی وجہ سے اس باب میں ان خطبات کے مجموعہ کا جسے زین العابدین صاحب نے (خطبات امیر شریعت) کے نام سے مرتب کیا ہے، ضمنی تعارف کرایا گیا ہے۔

ان چار ابواب پر مشتمل مولانا کی سوانحی تفصیلات امارت شرعیہ سے تعلق خاطر اور اسے بام عروج تک پہنچانے کے سلسلے میں مولانا کی شبانہ روز جدو جہد، اخلاص و ثبات قدمی کا اثاثہ لیے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پیغام و مشن کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کی جستجو و تڑپ اور تصنیفات و تالیفات کے ذخیروں کی روشنی میں ایک فرد اور ایک معاشرہ کو وہ سرمایہ ہاتھ آتا ہے جو روح کو تڑپادے اور قلب کو گرمادے۔

شعبۂ سنی دینیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

Off. : Ext. 2701166
Int. : 1780

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH-202 002, INDIA

Ref. No. ....

Dated 24/01/005

TO WHOM IT MAY CONCERN

Certified that Mr. Mohd. Azhar enrolment No. BB- 2934, a research scholar in the Department of Sunni Theology, has completed his doctoral Thesis entitled,

مولانا منت اللہ رحمانی
شخصیت اور ان کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی تجزیہ

under my supervision. The work embodying findings and results is original.

Forwarded

CHAIRMAN
Department of Sunni Theology
A.M.U., ALIGARH

Dean
F/o Theology

DEAN
Faculty of Theology
A.M.U., Aligarh

(Dr. Towqueer Alam)
Reader
&
Supervisor

فہرست

باب دوم......مولانا رحمانی اور امارت شرعیہ..۶۲

باب سوم......آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مولانا رحمانی..............۱۲۱

مقدمہ

دنیا میں بہت سی نامور اور مقدس ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں علمی ، دینی، سماجی اور سیاسی خدمات کا نذرانہ ملک وملت کو پیش کرتی ہیں لیکن اپنے کارہائے نمایاں کے باوجود گوشۂ گمنامی میں پڑی رہتی ہیں۔ ایسی بزرگ شخصیتوں میں ایک شخصیت مولانا منت اللہ رحمانی کی ہے جو صوبہ بہار کے ضلع مونگیر کی سرزمین سے اُٹھے اور تقویٰ، خلوص، انسانی ہمدردی، علم وفضل اور حکمت عملی کے متاع بیش بہا سے متمتع ہوتے ہوئے تادم آخر قوم وملت کے لیے اپنے آپ کو نچھاور کردیا۔

مولانا منت اللہ رحمانی اپنی ذات میں ایک کارواں تھے اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے روح رواں تھے۔ سالہا سال تک آپ نے بے کم وکاست اور بغیر کسی حرص وطمع کے قلبی لگاؤ اور والہانہ وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے قوم وملت کے لاکھوں مسائل ومشکلات کا سامنا کیا اور اپنے علم وفراست سے ''امارت شرعیہ بہار واڑیسہ'' اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص شہرت ومقبولیت کی شاہراہ پر لاکھڑا کیا۔

ایک طرف جہاں مولانا امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ سے جُڑتے ہوئے امیر شریعت اور جنرل سکریٹری کی حیثیت سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کو رفع کرتے رہے تو وہیں علمی حلقہ کو بھی اپنی تالیفات سے مستفیض کرتے رہے۔

ایسی بزرگ شخصیتوں اوران کی خدمات کو اس لیے بھی منظر عام پر آنا چاہیے کہ یہ عوام وخواص تمام کے لیے شب تاریک میں ایک قندیل ثابت ہوتی ہیں، جن سے قوم وملت کو حوصلہ ملتا ہے اور مختلف النوع مسائل ومشکلات میں نقوش راہ فراہم ہوتے ہیں۔

یہی وہ اہم پہلو تھا جس کے پیش نظر میں نے مولانا مرحومؒ کی شخصیت اور ان کی دینی وعلمی خدمات کو اپنے ریسرچ کا موضوع بنانا مناسب سمجھا۔ میں بورڈ آف اسٹڈیز کا شکر گزار ہوں کہ انھوں

نے میرے موضوع کے انتخاب کو قبول کیا۔

اس موضوع کے تحت حسب ذیل ابواب شامل کیے گئے ہیں۔

باب اول	:	مولانا منت اللہ رحمانی......حالات زندگی
باب دوم	:	مولانا رحمانی اور امارت شرعیہ
باب سوم	:	آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مولانا رحمانی
باب چہارم	:	مولانا رحمانی کی علمی خدمات

باب اول:

یہ باب مولانا رحمانی کے سوانح حیات پر مشتمل ہے جس میں مولانا کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ بالاختصار آپ کے خاندانی حالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے، نیز اس میں آپ کے ان چند اساتذہ کا بھی ذکر ہے جو آج بھی اپنے علم وفن اور خدمات جلیلہ کی وجہ سے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور ساتھ ہی آپ کے ان معاصرین کا بھی تذکرہ ہے جنھیں مولانا کی معاصرت کا شرف حاصل رہا اور گاہے بگاہے ایک دوسرے کو کہنے اور سننے کے مواقع بھی ملتے رہے۔

باب دوم:

اس میں امارت شرعیہ کی اہمیت، ضرورت، شرعی حیثیت اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ نیز ان مقاصد کو بروئے کار لانے کی خاطر آپ نے جو اقدام کیا، اس سے متعلق جو خدمات انجام دیں اور اسے جس نہج پر چلایا اس باب میں ان چیزوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس کی ترقی میں جو توازن باقی رکھا اس کو بھی اس میں ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ آپ کے دور امارت میں ہی امارت نے معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہری ترقی بھی کی۔ آپ کے دور امارت میں دفتری نظام اور شعبہ جات میں جو ترقیاں حاصل ہوئیں، استحکام آیا اور پھر عملی طور پر جو وسعت حاصل ہوئی ان ساری چیزوں کو اس باب میں قلم بند کیا گیا ہے۔

باب سوم:

اس باب میں تحفظ شریعت کے سلسلہ میں آپ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے جو خدمات اور کارنامے انجام دیے ہیں، کس طرح اور کن حالات میں آپ نے اس کی داغ بیل رکھی اور پیش آمدہ مسائل میں آپ کو تاریخی کردار کی حامل کامیابی کیسے حاصل ہوئی ان کا تذکرہ اس کے اندر کیا گیا ہے۔ نیز بابری مسجد کے تحفظ کے سلسلہ میں آپ کے موقف اور اقدام کو بھی اس میں جگہ دی گئی ہے۔

باب چہام:

اس میں مولانا رحمانی کی علمی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود مختلف اوقات و حالات میں مختلف عنوان پر بوقت ضرورت قلم بند کیا ہے جو نہ صرف مخالف گروپ کے لیے مسکت جواب ہے بلکہ اسلام کے احکامات کی واضح ترجمان بھی ہے۔ ساتھ ہی اس باب میں آپ کے چند اہم افتاء کے جوابات کو شامل کر دیا گیا ہے، کیوں کہ آپ فقہ اور فتاویٰ نویسی میں مہارت رکھتے تھے۔ قارئین ان کی روشنی میں آپ کی فتاویٰ نویسی اور فقہی بصیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان باتوں کو سپرد قلم کرنے کے بعد مقالے کی تکمیل کے مراحل کو بھی ذکر کرتا چلوں کہ یہاں تک پہونچنے کے لیے بہت سارے مراحل اور دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تحقیقی و علمی کام کے لیے جہاں ایک اچھے نگراں کی ضرورت پڑتی ہے جو تحقیقی میدان میں تجربہ کار ہو تو دوسری طرف عنوان کی تحقیق میں مآخذ اور مراجع کا مرحلہ بھی بڑا اہم ہوتا ہے۔

میں اس لحاظ سے بڑا خوش نصیب ہوں کہ جہاں مقالے کی تکمیل کے لیے اچھے نگراں کی حیثیت سے مجھے اپنے مخلص اور مشفق استاذ و سپروائزر جناب ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی صاحب کی نگرانی میں کام کرنے کا موقع ملا جو اس میدان میں ممتاز ہیں وہیں مآخذ و مراجع اور مقالے کے متعلق اہم معلومات میں حضرت مولانا ولی رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ مونگیر (صاحب زادہ گرامی مولانا منت اللہ

رحمانی) کی مرجعیت حاصل ہوئی۔

سب سے پہلے میں اپنے استاذ محترم (سپروائزر) جناب ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی صاحب کا احسان مند اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہمہ وقت شفقت ومحبت سے مجھے نوازا اور موضوع سے متعلق تمام پیش آمدہ مسائل ومشکلات کی عقدہ کشائی کی اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود مقالہ کے ایک ایک پہلو اور ایک ایک لفظ کو بغور دیکھا تب جا کر میں اس لائق ہو سکا کہ اپنے اس مقالہ کو وقت پر آپ کے سامنے پیش کر سکا۔ میں مولانا ولی رحمانی صاحب مدظلہ کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے جس طرح سے خلوص کے ساتھ اپنا دست تعاون میرے لیے دراز فرمایا اور جب بھی میں آپ کے پاس اس سلسلہ میں گیا آپ نے مواد کی فراہمی میں پورا تعاون کیا۔ وہ لائق صد شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) کیوں کہ بغیر ان کی اعانت و رہبری کے میں اس کام کو پایہ تکمیل تک نہ پہونچا پاتا۔

میں اپنے چیر پرسن شعبہ دینیات (سنّی) محترمہ ڈاکٹر نسیم منصور صاحبہ کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ آپ وقتاً فوقتاً مادرانہ شفقت سے نوازتی رہیں اور مقالے کی تکمیل میں میری ہر طرح کی اعانت فرمائی۔

میں شعبہ دینیات کے اساتذہ کرام جناب ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مفتی زاہد علی خان، ڈاکٹر عبد الخالق، ڈاکٹر عبد الاحد، اور دیگر تمام اساتذہ کرام کا بھی تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں، جنہوں نے موضوع سے متعلق قیمتی مشورے دیے۔

اسی طرح ان اداروں، کتب خانوں کے ذمّہ داروں کا بھی شکریہ ادا کرنا میرا حق بنتا ہے جہاں جا کر میں نے قیمتی معلومات حاصل کیں جن میں کتب خانہ رحمانی خانقاہ مونگیر، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خدابخش خاں لائبریری پٹنہ، کتب خانہ امارت شرعیہ پٹنہ، سمینار لائبریری شعبۂ دینیات سنّی، سیمنیار لائبریری ادارہ علوم اسلامیہ اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں۔

یہ انتہائی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے مشفق چچا (جناب محمد مجتبیٰ صاحب) کا شکریہ ادانہ کروں۔ بلاشبہ میں مشیت یزدی کے مطابق عہد طفولیت سے ہی والدین کے سایۂ شفقت سے محروم رہا لیکن چچا محترم کی بے لوث شفقت ومحبت نے والدین سے محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور انھیں ثواب دارین سے نوازے، آمین۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اساتذہ کرام کی عنایتوں کی بدولت میں پورے اعتماد کے ساتھ اس مقالے کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

محمد اظہر

باب اول

حالاتِ زندگی

ہندوستان قدیم زمانہ سے ہی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے اور اس میدان میں اس کو افضلیت حاصل ہے۔ جب مسلمانوں نے اس ملک میں قدم رکھا تو یہاں انھوں نے اسلامی علوم وفنون کی بنیاد ڈالی۔ فقہاء، محدثین، مشائخ اور صوفیہ نے جگہ جگہ علم دین کے چراغ کو جلایا، اسلامی ماحول تیار کیا، اس کے خاطر محنت کی، لوگوں کو علوم دینیہ سے روشناس کرایا اور اسلامی چلن کو عام کیا ایسے ہی لائق و فائق شخصیتوں میں سے ایک نام ''مولانا منت اللہ رحمانیؒ '' کا ہے، جو صوبہ بہار کے ضلع مونگیر کی سرزمین سے اُٹھے اور تقویٰ، خلوص، انسانی ہمدردی، علم وفضل اور حکمت عملی کے متاع بیش بہا سے متمتع ہوتے ہوئے تادم آخر قوم وملت کے لیے اپنے آپ کو نچھاور کردیا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں علوم دینیہ کی اشاعت اور تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں بعض خانوادوں نے بڑی شہرت وعظمت حاصل کی ہے، ایسے ہی معزز خانوادوں میں مولانا منت اللہ رحمانی کا خانوادہ بھی ہے، جہاں برسوں سے علم کی شمع روشن ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک کو بھی روشن کیے ہوئے ہے۔

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری نور اللہ مرقدہ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، مولانا محمد علی مونگیری نے اپنے عہد پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے، ندوۃ العلماء کا قیام ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے تاریخ ہند میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ فرق باطلہ اور مذاہب باطلہ کی تردید میں ان کا جہد مسلسل آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ قادیانیوں اور آریوں کے خلاف ان کا لسانی اور قلمی جہاد اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ناقابل فراموش ہے۔ آپ (مولانا منت اللہ رحمانی) انہیں (مولانا محمد علی مونگیری) کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ ظاہر ہے آپ نے خالص علمی اور نورانی خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت اور کردار سازی میں آپ

کے خاندانی ماحول کا دخل تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندانی حالات کا اجمالی تذکرہ بایں طور کیا جائے کہ آپ کے خاندانی وجاہت، نسبی شرافت اور علمی وراثت کا اندازہ ہو اور لوگوں کو مولانا کی فقید المثال شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

نام ونسب:

آپ کا نام ''منت اللہ'' اور کنیت ''ابوالفضل'' ہے، جو آپ کے والد ماجد قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری نے خود رکھا تھا۔ آپ حضرتؒ کے سب سے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کی نگاہوں میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ آپ کا بچپن ماں کی گود سے زیادہ آغوش پدری میں گزرا یہاں تک کہ طویل المسافت اسفار میں بھی آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے نقشِ قدم پر ہے۔ [1]

خاندانی حالات:

آپ کا تعلق اس خاندانِ علم وفضل سے ہے جو سینکڑوں سال سے اپنے علم وفضل کے چراغ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے عالم میں کسی نہ کسی حیثیت سے روشن کیے ہوئے ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کون نہیں جانتا ہے، مولانا رحمانی کا سلسلہ نسب اسی طویل القامت بزرگ (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) سے جاملتا ہے۔ [2]

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک پوتے اپنا وطن چھور کر بخارا چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی پھر انہی کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور ملتان کو سکونت کے لیے منتخب کیا اور اپنی قدیم روایت کے مطابق یہ حضرات زبان وقلم، تزکیہ وتربیتِ باطنی کے ذریعہ اللہ کے مخلوق کو فائدہ پہونچاتے رہے۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ سید بہاء الحق ملتانی جو کہ دسویں صدی ہجری کے عظیم صوفی اور ولی تھے، ان کے ایک فرزند حضرت شاہ ابوبکر چرم پوشؒ ہیں جنھوں نے علوم ظاہریہ کے حاصل کرنے کے بعد اپنے والد سے ہی کمالات باطنی کی تکمیل کی اور اس سلسلہ میں بڑے

بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کیں اور پھر ترک وطن (ملتان) کر کے ضلع مظفرنگر یوپی کے قصبہ کھاتولی کے پاس ایک غیر آباد جگہ میں آ کر مقیم ہوئے، جو شیخپورہ کے نام سے مشہور ہوا اور خلق اللہ کے ہجوم کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں یہ ویران جگہ اچھی خاصی آبادبستی بن گئی۔

حضرت ابوبکر چرم پوش کے پرپوتے حضرت سید معروف بہ حاجی الحرمین کو اللہ نے تین فرزند عطا کیے (۱) شاہ فرخ (۲) سید شاہ عاشق محمد (۳) سید شاہ اشرف معروف بہ شاہ شرف۔ پھر سید شاہ اشرف جو کہ شاہ شرف سے مشہور تھے کو دواولادیں ہوئیں، ایک کا نام شاہ سانولے تھا اور دوسرے کا نام شاہ غایت۔ اسی طرح سید عاشق محمد کے بھی دولڑکے ایک کا نام شاہ نصیب اور دوسرے کا نام شاہ محمد عمر ہوا۔ شاہ نصیب کے پوتے شاہ غلام مصطفیٰ اپنے وقت کے باکمال شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنے خاندانی سنت کو اس طرح زندہ کیا کہ وطن کی ساری راحتیں، جائداد، املاک سب کو چھوڑ کر کانپور چلے آئے۔ اس زمانہ میں کانپور ایک ویرانہ تھا جہاں چھوٹی سی فوجی چھاؤنی تھی اور اسی کی وجہ سے کچھ تاجروں کی آمدورفت ہوا کرتی تھی۔

دوسری طرف سید شاہ غوث علی جو آپ کے پردادا ہوئے، نے فارسی، عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوجی ملازمت کرلی، ادھر کانپور میں شاہ غلام مصطفیٰ کے آنے کے بعد لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا لہذا ضرورت کے تحت وہاں دلاری کی مسجد کے نام سے ایک مسجد بنی اور ایک مکان تیار کیا گیا۔ چوں کہ حضرت موصوف کو کوئی اولاد نہ تھی اس لیے انھوں نے اپنے خاندان کے ایک نوجوان شاہ غوث علی جو بہت ہی نیک اور صالح تھے کو فوجی ملازمت ترک کرا کے اپنے یہاں بلالیا اور ان کی تربیت باطنی کر کے انہیں اپنا جانشین بنالیا اور پھر اس دنیا سے کوچ کر گئے۔[۳] مولانا شاہ غوث علیؒ میں تواضع، عجز اور اپنے حالات کا اخفاء بے حد تھا، شہرت، نام ونمود سے دور رہتے تھے۔ تصوف کی تعلیم دیتے تھے لیکن رواجی طریقہ پر کسی سے بیعت نہیں لیتے تھے۔ آپ (سید شاہ غوث علی) کے بھی دو صاحب زادے تھے۔ ایک مولانا سید عبدالعلی اور دوسرے حافظ ظہور علی۔ پھر مولانا سید عبدالعلی کے صاحب زادرے قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیری ہوئے جنہوں نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن

صاحب نوراللہ مرقدہ کے مشورہ سے مونگیر کو اپنا وطن بنایا۔ اللہ نے آپ کو چار نیک اولادیں عطا کیں، جو مولانا سید احمد علیؒ، مولانا سید لطف اللہ صاحبؒ، مولانا سید نوراللہ صاحبؒ اور مولانا سید منت اللہ صاحبؒ سے موسوم ہوئے۔ ان میں سب سے چھوٹے مولانا سید منت اللہ رحمانی ہیں جو اسلاف کے علم وفضل کے شمع کو تاحیات روشن کر کے اور والد محترم کے دیرینہ اور قیمتی خوابوں کی تعبیر بن کر اپنے والد کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔[۴]

مذکورہ بالا تحریروں سے مولانا منت اللہ رحمانی کے آباء و اجداد کے احوال وکوائف کا اجمالی خاکہ سامنے آتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی نسبی شرافت، خاندانی وجاہت اور قابل رشک علمی وراثت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں ان کا شجرہ نسب ملاحظہ فرمایا جائے:

سید منت اللہ بن سید محمد علی بن سید عبدالعلی بن سید غوث علی بن سید راحت علی بن سید امان علی بن شاہ نور محمد بن شاہ محمد عمر بن شاہ عاشق محمد بن حاجی الحرمین محمد شاہ بن بندگی شاہ عتیق اللہ بن شاہ قطب الدین بن حضرت مخدوم ابوبکر چرم پوش بن حضرت شاہ بہاء الحق حبیب اللہ ملتانی بن حضرت سید حسن بن حضرت سید یوسف بن حضرت سید جمال الحق بن حضرت سید ابراہیم بن حضرت سید راجی حامد بن سید موسیٰ احمد شبلی بن حضرت سید علی بن حضرت سید محمد بن سید حسن بن سید ابو صالح بن حضرت سید عبدالرزاق بن حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔[۵]

بہر حال تاریخ اور معلومات جہاں تک رہنمائی کرتی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پورا خاندان شروع سے آخر تک شریعت وطریقت پر ثابت قدم رہا اور جہالت و بددینی کو اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی روشنی سے دور کرتا رہا ساتھ ہی لاکھوں تشنہ لبوں کو اس خانوادہ علم وفضل نے اپنے گوہر کیمیا سے سیراب کیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی سے لے کر مولانا منت اللہ رحمانی تک یہ سلسلۃ الذہب منقطع نہیں ہوا بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں خاندان کے کسی نہ کسی شاخ میں یہ چراغ برابر جلتا رہا۔ جیسا کہ قبل میں تذکرہ کیا گیا کہ آپ کے اولین اجداد بخارا میں تھے وہاں سے ملتان آئے اور ملتان کے بعد مظفر نگر کو

یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اور پھر اس کے بعد نہ صرف یوپی اور بہار بلکہ پورے ہندوستان میں تقسیم ہوئی۔ اس معزز خاندان کی تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ ''مولانا منت اللہ رحمانی'' کی شخصیت جس کی تفصیل آگے آئے گی، لیکن اس سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی زندگی پر بالاختصار نظر ڈالی جائے۔ کیوں کہ کسی بھی شخصیت کے جائزے میں اس کے والدین کے احوال و کوائف اور علم و فضل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی سچ ہے کہ کردار سازی اور نشو و نما میں والدین اور اساتذہ کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ جہاں تک مولانا منت اللہ رحمانی کی باکمال ہستی کا تعلق ہے آپ کے نشو و نما اور کردار سازی میں بھی آپ کے والد محترم مولانا محمد علی مونگیری کا اہم رول تھا۔

والد محترم:

آپ کے والد محمد علی مونگیریؒ کا شمار ہندوستان کے مایہ ناز علماء دین، مصلحین امت، جلیل القدر مشائخ اور صوفی بزرگوں میں ہوتا ہے اور آپ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلفاء میں ہیں۔۶ آپ کی پیدائش ۳؍شعبان ۱۲۶۳ھ مطابق ۲۸؍جولائی، ۱۸۴۶ء کو کانپور میں ہوئی، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ کے آباواجداد نے اپنے وطن ملتان کو الوداع کہہ کر ہندوستان کے ضلع مظفرنگر کی طرف کوچ کر گئے اور قصبہ کھتولی میں اپنا مسکن بنالیا۔ پھر آپ کے دادا سید شاہ غوث علی یہاں سے کانپور چلے گئے اس لیے آپ کی جائے پیدائش کانپور ہے۔۷

جب آپ کی عمر صرف ۲؍سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اس وجہ سے کم سنی کا دور آپ نے اپنے دادا سید شاہ غوث علی کے ساتھ گزارا۔۸ قرآن مجید اپنے چچا سید ظہور علی سے پڑھا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم سید عبدالواحد بلگرامی سے حاصل کی۔ درسیات کی تکمیل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے اور مفتی عنایت احمد کاکوروی سے کی۔ ۹

آپ بچپن سے ہی حق اور اہل حق کے جویا و متلاشی تھے۔ روضہ نبوی کے دیدار کے لیے آپ

کا قلب تڑپتا رہتا تھا اور تلاش حق کا عالم یہ تھا کہ جب بھی علاقے میں کسی بزرگ کے آنے کی خبر آپ کو ہوتی ان کی زیارت کی خاطر میلوں پیدل چل کر اُس مرشد کی زیارت فرماتے۔ ایک دفعہ علاقے میں ایک بزرگ عبداللہ شاہ مجذوب کی تشریف آوری ہوئی آپ فوراً عبداللہ شاہ مجذوب کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے آپ کا دل بے چین تھا، لیکن عبداللہ شاہ مجذوب نے مدینہ طیبہ کی زیارت سے منع فرمادیا، چنانچہ یہ کیفیت پھر دور ہوگئی۔ ۱۰

درسیات کی تکمیل کے بعد آپ میں استغراقی کیفیت پیدا ہوگئی اور قلب نور ایمان سے گرم ہونے لگا، جذبہ اخلاص اور طلب صادق میں آپ نے پہلے اس زمانے کے صوفی بزرگ حضرت مولانا کرامت علی کی حاشیہ نشینی اختیار کی اور خاطر خواہ استفادہ کیا۔ پھر صحراء نوردی کرتے ہوئے مشہور زمانہ بزرگ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مسند تک پہونچنے میں آپ نے کامیابی حاصل کی۔ ۱۱ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے دیدار اور ان کی تربیت نے آپ کو روحانی بلندی اور کمال عرفان کے بلند مقام پر پہنچادیا۔ حضرت فضل رحمٰن نے آپ کو پہلی ملاقات میں ہی باکمال صوفی اور ولی کامل ہونے کی بشارت سنائی اور بیعت سے سرفراز فرمایا، پھر آپ مزید چند برسوں مختلف علمی مراکز پر علوم دینیہ کی حصول کے مقصد سے گئے اور کمال عرفان سے سج دھج کر نکلے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب عملی میدان میں بھی کچھ کر گزرنے کی خواہش ہوئی تو ملک گیر پیمانے پر پیدا شدہ مسلمانوں کی آپسی گروہ بندی نے آپ کو بے انتہا مغموم کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب بالخصوص برطانیہ کی استعماریت سے نہ صرف عالم اسلام کے عام لوگ بلکہ اکابرین، صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ بھی عاجز و نالاں تھے۔ لہذا آپ نے ضعیف و ناتواں مشرق کو علمی دولت سے آراستہ کرنے کی ٹھان لی، چنانچہ آپ نے اسی فکر کے نتیجے میں ندوۃ العلماء کی تاسیس کی تجویز رکھی اور پورے برصغیر کے اولیا اللہ نے آپ کی اس تجویز پر لبیک کہا اور بالآخر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کا قیام عمل میں آیا اور باتفاق رائے آپ کو ہی اس عظیم ادارے کا مؤسس بنایا گیا۔ ۱۲

مولانا مونگیریؒ ملک گیر پیمانے پر نہ صرف اپنے اعلیٰ ترین مذہبی اور دینی منصب و مرتبت کی وجہ سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی ان کی شخصیت عہد ساز اور ناقابل فراموش ہے ۔ فرنگیوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت جمائے رکھنے کے لیے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کے ماحول پیدا کیے اسی طرح ان کی یہ سازش بھی قائم رہی کہ خود مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں اسلام اور ہندو مذہب کے اندر نئے نئے فتنے کھڑے کر کے ان کی مذہبی اجتماعیت کو توڑا جائے ۔ اس سازش کا برا اثر یہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں مذاہب کے اندر مذہب کی بنیاد پر مختلف فرقے وجود میں آ گئے ، جنھوں نے دونوں مذاہب کے نام لیواؤں کے درمیان تشکّک کو ہوا دی ، مسلمانوں کے مذہبی اتحاد کو توڑنے کے لیے بریلویت ، دیوبندیت اور سب سے بڑھ کر قادیانیت کا فتنہ سامنے آیا جس نے اسلام کے بنیادی عقائد پر شدید حملے کیے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مسلم علماء میں جن لوگوں نے رد قادیانیت کا بیڑا اٹھایا اور مسلمانوں کو دینی انتشار سے محفوظ رکھنے کی مجاہدانہ کوششیں کیں ان میں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سرِ فہرست تسلیم کیے جاتے ہیں۔ وطن عزیز میں حصول آزادی کی خاطر اگر سیاسی رہنماؤں نے قربانیاں دی ہیں تو دوسری طرف مذہبی اعتبار سے فرنگی فتنے کو ختم کرنے اور ان کی شازشوں کو ناکام کرنے میں حضرت موصوفؒ کی خدمات بھی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔

آپ نے عیسائیت اور قادیانیت کے خلاف درجنوں کتابیں تصنیف کیں اور ان کے خدوخال کو اُجاگر کیا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک ان کے قلعہ کو مسمار اور ان کے مبلغین کو میدان چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیا۔

حالاں کہ حضرت موصوف جن کے اصل مقام کی شناخت سلوک و ارشاد ، تزکیہ و تربیت اور طریقت و تصوف کے میدان میں ہوئی ہے ۔ لیکن ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قیام کے بعد زیادہ دنوں تک ان امور سے خود کو جوڑے نہیں رہ سکے، بالآخر روحانی تزکیہ، کمال عرفان، مرجعیت ومحبوبیت اور درویشی و سلطانی نے آپ کے قلب و جگر کو ان امور کے جانب بے چین کیا اور پھر روحانی خدمات کے

لیے کمر بستہ ہوگئے جس کی ابتداء دراصل آپ کے پیرومرشد نے بیعت کے ذریعہ کی تھی۔

آپ نے بہار میں قادیانیت کی یلغار اور مسلمانوں کے مابین بڑھتے اضطراب اور ان کے جانب لوگوں کے رجوع کے پیشِ نظر ہی آپ نے باضابطہ مونگیر میں سکونت کا ارادہ فرمایا۔ ۱۳۲۰ھ میں آپ نے کانپور چھوڑ دیا اور مونگیر میں اقامت اختیار کرلی، مونگیر میں رہ کر آپ نے انگریزوں کے ذریعہ پیدا کردہ فتنہ قادیانیت کے خلاف ایک موثر مہم چلائی اور اس کی طاقت کو دبانے میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۳

مولانا فضل رحمٰن سے تعلق رکھنے والے حضرات نے ۱۳۰۰ھ میں ہی مولانا مونگیری سے رجوع کرنا شروع کردیا تھا۔ تاہم بیعت وارشاد کا سلسلہ نمایاں طور پر ۱۳۱۳ھ میں حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے سانحۂ ارتحال کے بعد شروع کیا۔ قیام مونگیر کے دوران آپ نے رشد وہدایت کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ علاقے سے قادیانیت کا نام ونشان پوری طرح مٹ گیا اور اسلام کی نورانیت سے پورا علاقہ پرنور ہوگیا۔ آپ کی روحانی خدمات بلاشبہ بنی نوع انسانی کی بھلائی اور اس کی کامرانی کا حقیقی ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔ ۱۴

بالآخر ”کل نفسٍ ذائقة الموت“ کلّیہ کے تحت موت نے آپ کو بھی نہ چھوڑا، بالآخر علم و فضل اور زہد وتقویٰ کا یہ روشن ستارہ ربیع الاول سہ شنبہ ۱۳۴۶ھ، مطابق ۱۳ر ستمبر ۱۹۲۷ء کو لقمہ اجل بن گیا، بایں طور تصوف وطریقت کا ایک سنہرا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ ۱۵ بلاشبہ آپ کی موت ان لاکھوں گم گشتہ لوگوں کے لیے ایک قلق انگیز حادثہ تھا جنھوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔

مندرجہ بالا تحریروں میں مولانا منت اللہ رحمانی کے خاندانی حالات، نام ونسب مع شجرہ نامہ اور آپ کے والد محترم کی شخصیت کا تعارف کرایا گیا تا کہ مولانا کی گوہر آب دار شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب باضابطہ مولانا منت اللہ رحمانی کی سوانحی تفصیلات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

ولادت:

مولانا منت اللہ رحمانی کی ولادت ۹ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ بروز سہ شنبہ (منگل) بمطابق ۵ر مئی ۱۹۱۲ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں ہوئی۔ ۱۶؎

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت مونگیر اور حیدر آباد دکن میں ہوئی، آپ اپنے والد محترم کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اس لیے والد محترم کی خصوصی نظر آپ پر رہتی تھی۔ آپ کے والد نے آپ کو بڑے محبت و پیار سے آپ کی پرورش و پرداخت فرمائی۔ اکثر آپ کو اپنے ساتھ رکھتے یہاں تک کہ سفر میں بھی آپ کو ساتھ لے جاتے نیز آپ کی تعلیم و تربیت کا بھی خصوصی نظم فرمایا خود اپنی زندگی میں ذی استعداد اور ولی صفت اساتذہ کا انتخاب آپ کی تعلیم و تربیت کے واسطے کیا۔ گھر پر رکھ کر ہی ابتدائی تعلیم دلائی۔ چنانچہ جب آپ چار سال کے ہوگئے تو چوتھے سال کے آخر میں آپ مکتب بھیجے گئے۔

قرآن مجید مولوی زاہد صاحب عظیم آبادی مرحوم سے پڑھی اور ایک سال میں ناظرہ قرآن ختم کیا اور اسی درمیان آپ نے پارہ عم بھی زبانی یاد کرلیا۔ ساتھ ہی اردو اور فارسی کی تعلیم مولوی نظر حسن صاحب سے حاصل کی۔

عربی کی شروعات:

میزان الصرف جو کہ عربی صرف کی کتاب ہے سے آپ نے عربی تعلیم کی ابتداء کی چنانچہ عربی کی پہلی کتاب میزان الصرف کو آپ کے والد بزرگوار نے خود ہی بطور تبرک شروع کرادیا اور باضابطہ درس مولانا علی عظیم صاحب گیلانی سے انجمن حمایت اسلام مونگیر میں لیا اور آپ ہی نے ختم بھی کرایا۔ عربی صرف و نحو اور منطق کی متعدد کتابیں حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ اور مولانا علی عظیم گیلانی سے پڑھیں، یہ دونوں حضرات نے آپ کی تعلیم و تربیت

پر خاصا دھیان دیا، خاص کر مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ جن کو آپ سے خاص لگاؤ تھا، جنھوں نے آپ کی بہتر رہنمائی کی ۔ آپ کی صلاحیتوں کو نکھارا، ہمیشہ اور ہر میدان میں آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

حصول علم کی خاطر حیدر آباد کا سفر:

گیارہ برس کی عمر میں حصول علم کی خاطر حیدر آباد (دکن) آئے جہاں آپ مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب جو اس وقت شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کے صدر تھے سے مزید ایک سال تک عربی صرف ونحو اور منطق پڑھی تا کہ ان فنون میں مزید پختگی آ جائے ۔انہوں نے صرف ونحو اور منطق کی اصطلاحات میں آپ کو خوب اچھی تمرین کرائی جس سے آپ کے استعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ ۱۷

آپ بچپن سے ہی ذہین و ذکی تھے اس لیے مفتی صاحب آپ سے پوری محنت لیا کرتے تھے اور تمام اصطلاحات زبانی یاد کرا کے ہر ہفتہ اس کا امتحان لیا کرتے اور ذرا بھی اس میں رعایت نہ فرماتے ۔جس کو خود آپ بیان کرتے ہیں:

> ''مجھے عربی صرف ونحو اور منطق حضرت مفتی صاحب قبلہ نے خوب مشق کرائی ، جمعرات کو سبق نہیں ہوتا بلکہ تعطیل کا دن شمار ہوتا لیکن چھٹی اس طرح ہوتی تھی کہ صبح کی چائے کے بعد سے دو پہر تک اور پھر ظہر کے بعد سے عصر تک کبھی میزان و منشعب کبھی نحو میر وعلم الصیغہ ،کبھی صرف ونحو لطیف کبھی منطق کی کبریٰ و میزان منطق کھڑے ہو کر زبانی سنایا کرتا تھا۔ کم از کم جب دو کتابیں زبانی سنالیتا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ فرماتے کہ جاؤ اب چھٹی ہے'' ۱۸

چنانچہ اس کا بہت ہی مثبت اثر ان کی صلاحیت پر ہوا اور مولانا کو صرف ونحو ومنطق وغیرہ کی ابتدائی کتابوں کے صفحے زبانی یاد تھے چنانچہ مولانا جب ان کتابوں کا درس دیتے تو مطالعہ کی ضرورت نہ محسوس کرتے اور سننے والا یہ سمجھتا کہ آپ پوری طرح تیار ہو کر پڑھا رہے ہیں۔ ۱۹

حالاں کہ آپ کا قیام یہاں صرف ایک سال رہا، پھر بھی آپ نے اس قلیل مدت کا بھر پور استعمال کیا اور اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کا خوب فائدہ اُٹھایا اور خوب محنت کی جس کا ثمرہ ان کی ابتدائی کتابوں میں پختگی کے واقعہ سے ملتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ندوۃ العلماء کا سفر:

آپ نے جب ابتدائی تعلیم مکمل کر لی اور اس کے اندر کمال پیدا کر لیا تو پھر آپ کو آپ کے والد نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خاطر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو بھیج دیا، جو آپ کے والد ماجد قطب عالم محمد علی مونگیریؒ کی ہی یادگار ہے اور جس کا شمار ہندوستان کے مشہور ترین دینی درس گاہ میں بھی ہوتا ہے۔ وہاں آپ نے مسلسل چار سال تعلیم حاصل کی اور مختلف علوم وفنون کا درس لیا، ندوۃ میں اس وقت طلبہ کی بھیڑ نہ تھی بہت مخصوص طلبہ رہتے تھے اور تعلیم وتربیت کا بہت معقول نظم تھا۔ آپ نے یہاں کے مشہور ترین اساتذہ سے علم حاصل کیا جو اپنے علم وعمل میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ جیسے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی، حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب، حضرت مولانا محمد شبلی صاحب متکلم، حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب اور بھی ان کے علاوہ جیسے مولانا محمد یوسف بہاری، حضرت مولانا سید علی زینبی، مولانا عبدالودود اعظمی اور مولانا عبدالرحمٰن کاشغری جیسے جیدالاستعداد حضرات سے آپ نے استفادہ کیا۔ ان حضرات کا آپ کے اوپر خاصا دھیان رہتا کیوں کہ آپ بانی درس گاہ کے فرزند ارجمند تھے اور بذات خود محنتی اور ذہین تھے۔ اپنی محنت ولگن اور ذہانت کی وجہ سے بھی اساتذہ کے التفات خاص کو اپنی طرف مرکوز کرانے میں کامیاب رہے اور چند دنوں میں ہی اساتذہ کے نور نظر بن گئے۔

درجہ میں امتیاز:

آپ کا شمار یہاں کے ممتاز طلبہ میں ہوتا تھا۔[۲۰] اور آپ اپنے ساتھیوں میں اول مقام رکھتے تھے، اس لیے اساتذہ کی نظروں میں بھی آپ کی بڑی وقعت تھی۔ آپ کے زمانے

میں ندوۃ میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہر ماہ ہر درجہ کے تقریری امتحانات ہوتے جو طالب علم امتحان میں اول آتا اس کو استاذ کے داہنی طرف سب سے پہلے جگہ ملتی اور پھر دوسرے طلبہ نمبروں کی ترتیب سے بیٹھائے جاتے تھے۔

آپ اپنے متعلق خود رقم کرتے ہیں:

''میں ہمیشہ استاذ کی داہنی طرف سب سے پہلے نمبر پر بیٹھتا کبھی اس کے خلاف نہ ہوا''۔[۲۱]

ادبی ذوق:

آپ کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہی اردو ادب اور عربی زبان دانی کا شوق پیدا ہوا اور تقریر و تحریر میں بھی اچھی مہارت پیدا کر لی۔ یہاں تک کہ عربی زبان دانی کے امتحانات میں بھی ہمیشہ اول آتے رہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ نمبرات حاصل کرتے رہے۔[۲۲] آپ نے ہر فن کا مطالعہ بڑے لگن سے کیا اور اس پر بڑی محنت کی جب تک اس فن پر عبور حاصل نہ کر لیتے اس کو نہ چھوڑتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کو ہر فن کا ماہر سمجھا جاتا۔

ایک قابل ذکر پہلو:

آپ کو صرف ایک واسطہ سے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے تلمذ کا شرف بھی حاصل ہے، کیوں کہ آپ ندوۃ میں ہی حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب سابق استاذ ڈھاکہ یونیورسٹی سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' پڑھی۔[۲۳] اور آپ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے سب سے آخر کے شاگردوں میں تھے اس لیے مناسب ہے کہ ان کے حالات کو بھی مختصراً بیان کروں تا کہ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کا شرف تلمذ کا سلسلہ کتنا بلند ہے۔

مولانا حفیظ اللہ بندوی:

آپ کی ولادت اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندی خورد میں ہوئی۔ غازیپور میں آپ نے تعلیم

حاصل کی۔ پھر مولانا عبدالحی کے حلقہ درس میں شامل ہوکر علم حدیث اخذ کیا، فراغت کے بعد کاکوری کے انگلش اسکول میں ملازم ہوئے پھر لکھنؤ میں عرصہ تک درس دیا۔ اس کے بعد رامپور کے مدرسہ عالیہ میں ۹؍سال تک مدرس رہے پھر لکھنؤ آ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عرصہ تک پڑھایا اس کے بعد ڈھاکہ تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ عالیہ میں مدرس ہوگئے۔ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں وہاں سے پنشن مل گئی تو حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے ۔ وہاں سے واپس آ کر لکھنؤ میں دارالعلوم کے ناظم ہوئے اور تقریباً دس سال تک یہ خدمت انجام دی، پھر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں اس سے علیحدہ ہوگئے۔ ۷؍ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔[۲۴]

آپ نے اپنے استاذ مولانا عبدالحی کی سیرت پر ایک کتاب لکھی جو کنزالبرکات سیرۃ مولانا ابی الحسنات کے نام سے معروف ہے اس کے علاوہ ہیئت کی کتاب التصریح پر ایک مبسوط حاشیہ بھی لکھا۔

دوران تعلیم ایک دلدوز سانحہ:

طالب علمی کے زمانہ میں ہی آپ کے سر سے والد ماجد کا سایہ اُٹھ گیا اُس وقت آپ ندوۃ میں ہی زیر تعلیم تھے، مشکوۃ شریف، ہدایہ اولین وغیرہ زیر درس تھی کہ آپ کے والد محترم اس دنیا کو چھوڑ کر ۱۳؍ستمبر ۱۹۲۷ء کو ہمیشہ کے لیے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۴؍سال تھی، یقیناً آپ کے لیے یہ بڑا حادثہ تھا لیکن پھر بھی آپ نے پوری لگن اور محنت کے ساتھ اپنی تعلیم کو جاری رکھا اور یکسوئی کے ساتھ اپنے مقصد میں لگے رہے اور اس حادثہ کا صبر کے ساتھ مقابلہ کیا اور جو منزل اور راستہ آپ کے والد نے دکھایا تھا اور جو آپ کا خاندانی ورثہ بھی تھا اس کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہے، بالآخر اپنے والد محترم کے خوابوں کی تعبیر اور آرزوؤں کی تکمیل بنے۔

پہلا حج بیت اللہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں ہی اپنے دربار میں حاضری کی سعادت نصیب

فرمائی۔ ۱۹۲۹ء میں آپ کا پورا خاندان جب حج بیت اللہ کے لیے نکلا تو آپ بھی ان کے ہمراہ گئے اور زیارت حرمین سے سرفراز ہوئے۔ ۲۵

الجامعہ کی ایڈیٹری:

حجاز سے واپسی پر آپ کافی بیمار ہوگئے اور بیماری لمبی ہوگئی۔ تقریباً ۵/ماہ بستر مرض پر رہے۔ اُس زمانہ میں جامعہ رحمانیہ سے ایک علمی ادبی پرچہ نکلا کرتا تھا جس کا نام ''الجامعہ'' تھا اس مؤقر جریدے کی ادارت آپ کے سپرد ہوئی۔ جب تک آپ مونگیر میں رہے کامیابی سے اس کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔ ''الجامعہ'' میں آپ اپنے نام کے بجائے صرف کنیت ''ابوالفضل'' لکھتے۔ ۲۶ آپ نے اس زمانے میں بہت اچھے اچھے مضامین لکھے۔ علم اور تحقیق آپ کے مضامین اور مقالات کا خاص وصف تھا۔

درس نظامی کی تکمیل کی خاطر دارالعلوم کا انتخاب:

الجنس یمیل الی الجنس کے مصداق آپ نے دارالعلوم دیوبند کا انتخاب فرمایا، کیوں کہ آپ کا مزاج ابتداء سے ہی تحریکی تھا اور دارالعلوم دیوبند بھی ایک انقلابی تحریک کے تحت قائم کیا گیا تھا۔ اس لیے آپ کے مزاج میں اور ادارہ کے مزاج میں ایک خاص مماثلت تھی۔ جہاں اس ادارے کی اولین ترجیحی مقاصد میں علوم دینیہ کا احیاء اور تجدید تھی تو دوسری طرف اس سے بڑھ کر وطن عزیز کو عروس آزادی سے ہم کنار کرنا اور اس پر آشوب و پرفتن دور میں دین کا تحفظ، معاشرے میں پھیلے ہوئے شرک و بدعات کا خاتمہ، مسلمانوں میں اپنے دین و مذہب پر اعتماد کی بحالی، انہیں دینی حرارت پہونچانا اور اس دین مبین کو منقح اور ایک صاف و شفاف آئینہ بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا تھا، ٹھیک اسی طرح آپ کا ذہن بھی تھا کہ علمی میدان کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا جائے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں اور سازشوں کو بے نقاب کیا جائے، اسلامی شناخت و تشخص پر ضرب لگانے والے قانون کے بالمقابل صف آرا ہوا جائے اور

ناmساعد حالات کا مقابلہ کرنے کا مسلمانوں کے اندر جذبہ وحوصلہ پیدا کیا جائے۔ اسی فکر کے تحت آپ دیوانہ وار بڑھتے گئے۔ کیوں کہ آپ کا مزاج ابتداء سے ہی تحریکی تھا، اور کیوں نہ ہوتا اس کا رشتہ تو آپ کے خون میں تھا، آپ کے والد ماجد کے نام سے بھی بہت ساری تحریکیں جڑی ہیں جس کا ذکر قبل میں کیا جا چکا ہے۔ بالآخر اسی ذہن نے آپ کو دیوبند کو منتخب کرنے پر مجبور کیا کہ یہاں دونوں طرح کی فضا تھی اور آپ کے ذہن میں بھی دونوں چیزیں تھیں اس لیے دارالعلوم آپ کے لیے سب سے موزوں مقام قرار پایا۔

دارالعلوم دیوبند:

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا کہ دارالعلوم کی بنیاد ایک انقلابی تحریک سے وابستہ ہے۔ اس میں صداقت ہے کہ انگریزی حکومت کے ایماء پر اس ملک میں بہت ساری گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اُٹھیں اور ان تحریکوں کے ذریعہ انگریزوں نے یہاں کے باشندوں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو راہ راست سے ڈگمگانا چاہا۔ انہوں نے قوم کے علماء کو تختہ دار پر چڑھا کر ان کے وجود کو ختم کرنے کی ٹھان لی اور اسی طرح علم و ہنر کے مرکز ''دہلی'' اور اس میں موجود تمام دینی اداروں کو نیست و نابود کر دیا۔ ایسے جاں گسل اور پر خطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے ذریعہ دیوبند کی سرزمین میں ایک انقلابی تحریک کے تحت ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء بروز پنج شنبہ کو مسجد چھتہ میں اس مدرسہ اسلامی دیوبند کو قائم فرمایا۔ [۲۷]

برصغیر ہند کے اس عظیم علمی مرکز نے علوم نبوت کے پھوٹنے والے چشموں سے نہ صرف خزاں رسیدہ چمنستان ہند میں تازگی اور اس کے برگ و بار میں بالیدگی پیدا کی بلکہ اس جاری ہونے والی فیض کی لہر نے دنیا کا چپہ چپہ فیض یاب کیا۔ اسلامی علوم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ فرنگی اقتدار و تہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کرنے والی اس عظیم دینی درس گاہ نے وہ فرزندان اسلام اور پرستاران توحید پیدا کیے جو آسمان دین و دانش کے ماہ و پروین بن کر جلوہ گر ہوئے اور بت کدہ ہند

میں ''چراغ مصطفوی'' بن کر ''شرار بولہبی'' کا مقابلہ کیا۔

آپ (مولانا منت اللہ رحمانی) کیوں نہ اس ادارہ سے جڑ کر اس کے وارث بنتے اور فرزندان دارالعلوم دیوبند کی ایسی ہی سعید ہستیوں کی فہرست میں اپنا نام درج کراتے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں آپ ایشیاء کی اس عظیم اور شہرۂ آفاق دینی درس گاہ میں درسیات کی تکمیل کے لیے آئے اور یہاں کے نمایاں اور ممتاز ترین اساتذہ کرام سے مختلف علوم وفنون، احادیث اور علوم دینیہ و معقولات کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ کا قیام چار سال رہا اور اس دوران آپ نے یہاں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی، مولانا سید اصغر حسین اور مفتی شفیع صاحب جیسے اُس دور کی اہم شخصیات سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان حضرات کے فیض تعلیم وصحبت سے خوب مستفید ہوئے۔ ۲۸

آپ نے یہاں فقہ اور اصول فقہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے پڑھی معانی و بیان، مشکوٰۃ شریف، مسلم، ملاحسن اور ملا جلال مولانا عبدالسمیع صاحب سے پڑھی۔ ہدایہ اخیرین اور بیضاوی شریف حضرت مولانا غلام رسول خاں صاحب سے پڑھی۔ میبذی، حمد اللہ، صدر الشمس بازغہ اور علم ہیئت اور حدیث شریف میں مسلم شریف حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی سے پڑھی۔ عربی ادب خاص کر سبعہ معلقہ وحماسہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے پڑھی۔ ابوداؤد شریف حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھی۔ ابن ماجہ شریف مولانا نبیہہ حسن صاحبؒ سے پڑھی۔ نسائی شریف مولانا مفتی شفیع صاحب سے پڑھی۔ آپ نے فقہ اور اصول فقہ بھی مفتی صاحب سے ہی پڑھی ہے۔ اور بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی۔ ۲۹

مسلسل چار سال رہ کر آپ نے یہاں درسیات کی تکمیل کی اور دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کیا۔ ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند نے آپ کو سند فراغت سے نوازا۔ ۳۰

قیام دارالعلوم کے دوران آپ نے ان مایہ ناز اور عظیم المرتبت اساتذہ کے تبحر علمی سے اپنے محنت، لگن اور شوق کے ذریعہ بھرپور فائدہ اُٹھایا اور ان حضرات کی خوبیوں اور اس عظیم ادارے کی

پہچان کو اپنے اندر یکجا کیا۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد جانثار تھے۔ اور شیخ مدنی کی زندگی کا آپ پر گہرا اثر تھا۔ حضرت مدنی کی ایک ایک ادا کو آپ نے اپنے اندر پوری طرح سمو لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ طالب علمی کے دور میں ہی تھے کہ استاذ محترم کے نقش قدم پر چل کر جنگ آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا اور ۱۹۳۲ء میں جب حضرت شیخ الاسلامؒ جمعیۃ علماء ہند کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور دیوبند سے دہلی چلے تو طلباء کا ایک قافلہ بھی آپ کے ساتھ تھا، اس قافلے میں آپ بھی شریک تھے۔ آپ کو تو راستہ میں ہی مظفر نگر اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا مگر آپ کے ساتھ جو طلبہ کا قافلہ جا رہا تھا وہ سب دہلی پہنچا اور جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے اسٹیشن سے جمعیۃ علماء کے دفتر کی طرف روانہ ہوا۔ آپ اس قافلہ کی قیادت کر رہے تھے۔ چاندنی چوک میں پولیس نے لاٹھی چارج کیا جس کے نتیجے میں بہت سارے طلبہ زخمی ہوئے اور ساتھ ہی آپ بھی زخمی ہوئے اور دفتر پہنچنے سے پہلے پورا قافلہ گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کی یہ باضابطہ پہلی گرفتاری تھی، پھر سبھوں کو ایک ہفتہ حوالات میں رکھ کر رہا کر دیا گیا۔ ؁۳۱

عہدِ طالب علمی کی ایک یادگار:

آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں صوبہ بہار کے طلبہ کی ایک تنظیم ''انجمن اصلاح البیان'' کے نام سے قائم کیا۔ اس کا مقصد طلبہ کے اندر علمی ترقی اور ساتھ ہی تقریر و تحریر میں بھی کمال حاصل کرنا تھا، تاکہ طالب علم تقریر و تحریر کے میدان میں بھی اول رہیں۔ آج بھی دار العلوم دیوبند میں یہ قدیم انجمن ''سجاد لائبریری'' کے نام سے حلقہ بہار کے طلبہ کی نمائندگی کر رہی ہے اور طلبہ کی ذہنی و فکری تربیت کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ ؁۳۲

آزادی کی خاطر آپ سہارنپور میں:

حقیقت یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کا جنگ آزادی میں ایک اہم رول رہا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے انگریزوں کے خلاف ایجی ٹیشن جاری تھا، دار العلوم کے بعض اساتذہ اور طلبہ بھی اس

تحریک میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے، چنانچہ آپ بھی اس تحریک میں سرگرم تھے اس لیے آپ کو سہارنپور شہر میں تحریک آزادی کا ذمہ دار بنایا گیا، تین ماہ سہارنپور میں رہ کر تحریک چلاتے رہے، یہ کام چھپ کر کرتے تھے۔آپ خود فرماتے ہیں:

''اس زمانہ میں حکومت بڑی نگرانی اور سختی کرتی تھی، کام کرنے والوں کو فوراً گرفتار کرلیا جاتا اور کام کرنے کا موقع نہ ملتا، ہم لوگ چھپ کر لوگوں سے ملتے، ہر روز صبح کی نماز کسی ایک مسجد میں پڑھتے اور نماز کے بعد لوگوں کو روک کر تحریک آزادی کا مقصد اور اس کی ضرورت سمجھاتے، تحریک میں شرکت پر آمادہ کرتے اور نوجوانوں کو جمعیۃ کا رضا کار بناتے، جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جلسہ ہوتا اس میں تقریریں کی جاتیں اور رضا کار جو قید و بند کی مصیبت جھیلنے کو تیار ہوتے انہیں ہار پہنائے جاتے۔ وہ جلوس کے ساتھ شراب کی دوکان پر جاکر پیکٹنگ کرتے لوگوں کو شراب پینے اور خریدنے سے سمجھا کر روکتے، پولیس پہونچتی اور رضا کاروں کو گرفتار کرکے جیل پہونچاتی'' ۳۳؎

تحریک آزادی کی خاطر آپ کا جیل جانا:

حکومت اس تحریک آزادی سے کافی پریشان ہو چکی تھی لیکن تحریک میں کوئی کمی نہ ہو رہی تھی بلکہ تحریک ثابت قدمی کے ساتھ مسلسل جاری تھی کہ چوتھے ماہ آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور آپ کو چار ماہ کی قید کی سزا ہوگئی اور آپ چار ماہ جیل کی سلاخوں میں گزارے۔ ۳۴؎

جیل کی اذیتیں:

آپ نے آزادی کی خاطر جیل میں بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ بُھنے ہوئے چنے، گیہوں اور جو ملے روٹی، جلی دال اور کچی ترکاری وہ بھی بغیر نمک کے جو عموماً جیل کا کھانا ہوتا ہے اس سے اس نازونعمت میں پلے ہوئے اس نوجوان کو سامنا کرنا پڑا۔ آپ خود بیان کرتے ہیں:

''وہاں کھانے کی صورت یہ تھی کہ ناشتہ میں تھوڑا بُھنا ہوا چنا ملا کرتا تھا اور دوپہر اور رات کے کھانے میں جو اور گیہوں ملے ہوئے آٹے کی کچی پکی روٹی، دال جلی ہوئی، ترکاری بلا نمک کی اور عموماً کچی ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ساڑھے تین ماہ نمک سے روٹی کھائی کیوں کہ ترکاری اور دال نہیں کھا سکتے تھے'' ۳۵

آپ کو جیل میں کپڑے کی بھی سخت تکلیف تھی۔ جاڑے کا موسم تھا وہ بھی سہارنپور کی سردی اور اس پر جیل کا مکان اور پھر جیل کا نیم برہنہ کپڑا جو استعمال کے لیے دیا جاتا اور رات میں صرف ایک کمبل اوڑھنے کو ملتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کی رکاوٹ کا نہ تو کوئی انتظام تھا، کھلا کمرہ تھا جس سے تیز ہوا آتی رہتی تھی، ظاہر ہے کہ معمولی سا ایک کمبل سہارنپور کی سردی میں کس طرح کافی ہوتا۔

آپ جیل کی روداد بیان کرتے ہیں:

''شب کو گھنٹہ سوا گھنٹہ کے بعد ٹھنڈک سے آنکھ کھل جاتی اور پھر ساری رات بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا، یہاں تک کہ صبح نمودار ہو جاتی'' ۳۶

جیل میں بھائی صاحب کی آمد اور آپ کا ایثار:

جب آپ کی گرفتاری اور سزایابی کی خبر آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا لطف اللہ صاحبؒ کو ہوئی تو آپ مونگیر سے سہارنپور تشریف لائے اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ آپ کو دیکھنے جیل گئے، جب آپ اپنے جیل کے لباس میں ان بزرگوں کے سامنے آئے تو آپ کو دیکھ کر دونوں کے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے آپ کا حلیہ دیکھا نہیں گیا، دونوں نے آپ کو گلے لگایا اور دعائیں دیں۔ اس وقت سہارنپور میں جناب حبیب اللہ خاں صاحب ڈپٹی جیلر تھے جو حضرت شیخ الاسلام سے متوسل اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ انہوں نے جیل میں آپ کو رعایتیں دینا چاہیں یہاں تک کہ آپ کا کھانا و ناشتہ اپنے گھر سے بھیجنا چاہا مگر آپ نے کوئی رعایت قبول نہ کی۔ اور فرمایا:

''جیل خانہ اور اس کی تکلیفوں کا جو میرے ذہن میں تھا اور جس کے لیے میں تیار

ہوکر آیا تھا الحمد للہ یہاں کے مصائب میرے تصور سے کم ہیں اس لیے مجھے کوئی
تکلیف نہیں'' ۳۷

آگے فرماتے ہیں:

''جمعیۃ کے پچیسوں رضا کار جو میرے تیار کردہ ہیں آج وہ سب کے سب میرے
ساتھی ہیں ظاہر ہے کہ سبھوں کو رعایت ملنے سے رہی اب میں رعایت لے کر آرام
سے رہوں اور میرے ساتھی مصیبت جھیلیں یہ مجھ کو گوارا نہیں'' ۳۸

ہاں ایک رعایت آپ نے ان سے چاہی وہ یہ کہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے کپڑے جو گھٹنے سے اوپر تھیں اس کے لیے آپ نے یہ درخواست کی کہ ہاف پینٹ میں نیچے اتنے کپڑے لگوادیں کہ ہم سب کے گھٹنے چھپے رہیں تا کہ ہماری نمازیں ستر پوشی کے ساتھ ادا ہوسکیں۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب نے حکم دیا جسے منظور کیا گیا اور دوسرے ہی دن پیوند لگادیے گئے۔ ۳۹

آپ کا جیل میں مشغلہ:

جس سال آپ کو جیل کی سزا ہوئی اس سال پورا رمضان المبارک کا مہینہ آپ کا جیل میں گذرا۔ آپ کے ساتھ جیل میں حافظ احمد اللہ شاہجہاں پوری بھی تھے۔ آپ لوگوں نے جیل میں ہی تراویح کی نمازیں شروع کردیں۔ چوں کہ آپ حافظ قرآن تھے اس لیے ختم قرآن کا مسئلہ نہ تھا۔ آپ نے قرآن کے دو ختم سنے۔ حافظ احمد اللہ شاہجہاں پوری نے پورے ماہ کی تراویح میں ایک ختم قرآن سنایا اور دوسرا تہجد کی نماز میں۔ رات بھر یہی مشغلہ رہتا۔ جیل میں آپ کے ساتھ دارالعلوم کے چند طلبہ بھی ساتھ تھے جن کو پڑھنے کا بھی شوق تھا تو اس کی بھرپائی کی خاطر جیل میں ہی آپ درس دیا کرتے تھے، آپ ان لوگوں کو مشکوۃ شریف اور ہدایہ اولین دن میں پڑھاتے۔ ۴۰

جیل سے رہائی:

جیل کی اس اذیت بھری زندگی کو آپ نے بڑے صبر کے ساتھ گزاردی۔ جیل کی تکالیف

آپ کے حوصلہ کو پست نہ کرسکیں۔ آپ نے کسی بھی مرحلہ میں ہمت نہ ہاری اور نہ ہی حکومت کی رعایتوں پر نگاہ ڈالی بلکہ آپ نے جو کچھ بھی کیا تھا فی سبیل اللہ کیا تھا۔ اس لیے آپ اللہ سے ہی اجر کے طلب گار رہے، بالآخر اپنی سزا کاٹ کر آپ جیل سے رہا کیے گئے۔

آزادی کے بعد جب اعلان ہوا کہ غلامی کے دور میں جو لوگ جیل گئے تھے انہیں حکومت وظیفہ دے گی تو آپ نے اس پر ذرا بھی توجہ نہ دی اور اس رعایت کا فائدہ اُٹھانے کا سوچا بھی نہیں اور اس زندگی تذکرہ کر کے آزاد ہندوستان کی حکومت سے کوئی رعایت اور نہ ہی مدد چاہی۔

یہ تھا آپ کے ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۳ء تک کا قیام دارالعلوم دیوبند کا زمانہ جو چار سال کا ہے جس میں آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان ساری تحریکات سے بھی وابستہ رہے اور طالب علمی کے زمانہ میں ہی بہت ساری پریشانیوں اور تکالیف کا سامنا کیا، جیل بھی گئے اور جیل کی اذیتوں کو بھی برداشت کیا۔ یہ اذیتیں درسیات کی تکمیل میں سدِّ راہ نہ بنیں اور باضابطہ سند فراغت حاصل کیا۔ جو ماحول اس وقت دارالعلوم کا تھا اس ماحول کے اندر اپنے آپ کو ڈھالا اور دارالعلوم کے اس انقلابی فضا میں اپنی صلاحیتوں کو نکھارا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی میدان سے بھی اپنے کو وابستہ رکھا۔ یہی چیز آگے چل کر آپ کی جامع شخصیت کو دوبالا کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد:

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۴ء میں آپ مونگیر تشریف لائے کیوں کہ فراغت کے بعد بھی کچھ دنوں تک آپ نے دیوبند میں ہی قیام فرمایا اور ایک کتاب ''تعلیمی ہند'' کے نام سے لکھی۔ اس لیے آپ نے گھر نہ آکر دیوبند میں ہی رہنا مناسب سمجھا۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لائے اور خانقاہ میں جہاں عربی کا بہترین کتب خانہ موجود تھا آپ کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔[۱۱]

۱۹۳۴ء کا بھیانک زلزلہ اور آپ کی خدمت خلق:

آپ کے دیوبند سے واپسی کے کچھ دنوں بعد ہی بہار کا مشہور تاریخی زلزلہ آیا جس میں

ہزاروں افراد موت کے شکار ہوئے ۔ ہزاروں مکانات تباہ اور کھنڈارت میں تبدیل ہو گئے، یہ وقت بہار کے عوام کے لیے بڑا ہی سنگین اور صبر آزما تھا۔ عوام وخواص میں سے ہر ایک بے حد پریشان تھا۔ ان کی اشک شوئی وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ آپ ابھی دیوبند سے فارغ ہو کر ہی آئے تھے، لیکن چوں کہ آپ کے اندر خدمت خلق کا بے پناہ جذبہ تھا آپ سے اپنے شہر اور ضلع والوں کا حال دیکھا نہ گیا کیوں کہ آپ کا شہر زیادہ متاثر تھا، اس لیے آپ نے ان کی امداد کے لیے کمر کس لی، ریلیف کمیٹی قائم کی اور مسلسل آٹھ ماہ کم وبیش اس سلسلہ میں کام کرتے رہے اور متاثرین کو مدد پہونچاتے رہے۔[۴۲]

آپ کے اساتذہ کرام:

یوں تو آپ کے اساتذہ کی ایک لمبی فہرست ہے، ان سب کا ذکر کرنا یہاں بے محل ہوگا البتہ ان چند کا تذکرہ مناسب ہوگا جو آج بھی اپنے علم وفن اور خدمات جلیلہ کی وجہ سے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور جن کی ایک الگ پہچان ہے۔

آپ کے اساتذہ میں ایک نام خود آپ کے والد ماجد مولانا محمد علی مونگیریؒ کی بلند پایہ شخصیت ہی کی ہے۔ کیوں کہ یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ باپ سے زیادہ اور کوئی شخص بیٹے کا خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے والد سفر ہو یا حضر وہ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتے تھے۔ اس لیے اس فہرست کی ابتداء آپ کے والد ماجد کی بلند وبالا شخصیت سے کی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

۱۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ:

مولانا کا مفصل تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔[۴۳] آپ دینی غیرت وحمیت کے پیکر اور ملت اسلامیہ کے پشتیبان تھے۔ ملک وملت کی خدمت اور کتاب وسنت کی اشاعت آپ کا خاص وظیفہ تھا، دن رات ملت کے لیے بے چین رہا کرتے تھے۔ آپ ملک گیر پیمانے پر نہ صرف اپنے اعلی

ترین مذہبی اور دینی منصب و مرتبت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت ناقابل فراموش ہے۔

آپ کو مولانا موصوف سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہے۔[۴۴]

۲۔ مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ:

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کی علمی و روحانی تربیت گاہ خانقاہ رحمانی مونگیر سے جو لوگ مستفیض ہو کر باہر نکلے ان میں ایک نمایاں شخصیت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی کی ہے۔ آپ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے شاگرد رشید اور مولانا مونگیری کے مسترشد تھے۔ مولانا مجاھد الاسلام قاسمیؒ کے بقول حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے بعد نائب امیر شریعت ہوئے آپ نے نائب امیر شریعت، بہار و اڑیسہ کی حیثیت سے تین امراء کمالات کے دور پائے اور آپ ۳۳؍سال تک نائب امیر شریعت رہے۔[۴۵]

آپ ۱۳۰۰ھ میں باڑھ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوائے۔ معقولات و منقولات دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دینیات کے متبحر عالم، مسائل پر بڑی وسیع اور گہری نظر تھی، اسلام کے کا اجتماعی نظام اور فقہ کے اصولوں پر بڑی اچھی نگاہ تھی۔ فقہ اسلامی پر ہندوستان کے علمی و دینی حلقہ میں آپ کا منفرد اور ممتاز مقام تھا۔ تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال تھے۔ اور اس میں ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔ ۱۰؍ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ بروز دوشنبہ مطابق ۱۴؍مئی ۱۹۷۳ء خانقاہ رحمانی مونگیر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ مزار مبارک خانقاہ رحمانی کے قبرستان میں ہے۔[۴۶]

آپ (مولانا منت اللہ رحمانیؒ) نے موصوف سے صرف ونحو اور منطق کی متعدد کتابیں پڑھیں ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی:

آپ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، مشہور شیخ طریقت، ہندوستانی علماء کی قابل فخر اور تاریخ ساز تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے تا زندگی صدر، کاروان آزادی کے امیر قافلہ اور مجاہدین حریت کے سپہ

سالار، انڈین نیشنل کانگریس کے مسلم زعماء میں بلند مقام رکھنے والی ہستی ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۹ / شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء کو بانگر مئو ضلع اناؤ یو پی میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد سید حبیب اللہؒ بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔[۴۷]

آپ کا وطن محلّہ الہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہی ہوئی اور پھر درس نظامی کی مکمل تعلیم ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۶ھ تک حضرت شیخ الہند کی آغوش تربیت میں رہ کر دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔

روحانی کمالات آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی فیض صحبت میں حاصل کیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ہی والد ماجد اور پورے اہل خانہ کے ساتھ مدینہ منورہ کو گئے اور حج کی سعادت سے مشرف ہوکر محرم ۱۳۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں شرف حضورؐ حاصل کی اور وہیں ۱۳۳۵ھ تک قیام فرمایا۔

آپ شیخ الہند کے ممتاز ترین شاگردوں میں سے تھے اس لیے جانشینِ شیخ الہند کہے جاتے تھے۔ ریشمی رومال کی تحریک میں اپنے شیخ اور استاد کے ہمراہ گرفتار ہوکر جزیرہ مالٹا میں سوا تین سال کی اذیت ناک سزا جھیلی۔ ۱۹۲۰ء میں رہا ہوکر اپنے استاد کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور آزادیٔ ہند کے لیے سرفروشانہ جدو جہد کرتے رہے۔ اس کی خاطر آپ نے بڑی تکالیف اور اذیتیں اُٹھائیں۔ زندگی کا معتد بہ حصہ برطانوی جیلوں میں گذارا۔[۴۸]

آپ نے مدینہ منوّرہ میں تقریباً چودہ سال تک حرم نبوی میں درس حدیث بھی دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ۳۲ سال آپ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہے۔ آخری زندگی تک قال اللہ اور قال الرسول سے امت کو سیراب کرتے رہے۔

بالآخر ۱۲ / جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ / دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم وعرفاں کا یہ آفتاب غروب ہوکر یارِ حقیقی سے جاملا اور مزار قاسمی (دیوبند میں جہاں بزرگانِ دین کی قبریں ہیں) میں مدفون ہوئے۔

رحمهم الله رحمة واسعة

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب:

آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے محترم اور معزز اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں ہیں۔ ادب اور فقہ سے خصوصی مناسبت تھی یہی وجہ تھی کہ آپ حلقہ دارالعلوم میں شیخ الادب کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کی ولادت امروہہ ضلع مرادآباد میں محرم ۱۳۰۰ھ نومبر ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کرنے کے بعد ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد شیخ الہند نے ان کو مدرسہ نعمانیہ یوپی ضلع بھاگلپور بھیج دیا۔ آپ نے وہاں سات سال فرائض تدریسی انجام دیے پھر افضل المدارس شاہجہاں پور میں تین سال تعلیم دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔ ۴۹؎ چوالیس سال تک یہیں مختلف عہدوں پر رہے۔ چوں کہ ادب کے ساتھ فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اس لیے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے بعد آپ کو صدر مفتی بنایا گیا۔ عربی نظم ونثر پر پوری قدرت تھی طلبہ کے نصاب کی کتاب ''نفحۃ العرب'' کے نام سے مرتب کی جو بہت سارے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ ادب اور فقہ کی متعدد کتابوں پر حواشی لکھے۔ نورالایضاح، شرح وقایہ، کنزالدقائق، فقہ اور ادب میں دیوان حماسہ، دیوان متنبّی پر عربی میں حواشی لکھے۔

اوقات مدرسہ کے سخت پابند تھے۔ دارالعلوم میں عرصہ دراز تک ناظم تعلیمات رہے۔ آپ کی وفات ۱۲/رجب ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء میں ہوئی اور قبرستان قاسمی (دیوبند) میں مدفون ہوئے۔ ۵۰؎

مولانا رحمانیؒ نے مولانا موصوف سے عربی ادب خاص کر سبعہ معلقہ وحماسہ پڑھیں۔

علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ:

آپ اپنے دور کے منطق اور فلسفہ کے امام شمار کیے جاتے تھے۔ آپ دارالعلوم کے صدر المدرسین بھی تھے۔ آپ شیخ الہند کے نامور تلامذہ میں تھے۔ اپنے استاذ شیخ الہند سے بے انتہا

عقیدت وارادت اوران کی عظمت کے دل سے قائل تھے۔

آپ کی ولادت قاضی پورہ بلیا شہر میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم جون پور میں حکیم جمیل الدین نگینوی سے حاصل کی۔ معقولات کی کتابیں مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی اور مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری سے پڑھیں، دوسرے علوم وفنون کی کتابیں مولانا عبدالغفار مئوی شاگرد حضرت گنگوہی سے پڑھیں۔۱۳۳۵ء مطابق ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

علامہ ابراہیم بلیاوی ہر علم وفن میں کامل تھے۔ خصوصاً علم کلام، عقائد، منطق اور فلسفہ میں یگانہ روزگار تھے، پورے برصغیر میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ نے تفسیر، حدیث، عقائد، کلام اور دوسرے علوم وفنون کی جونمایاں خدمات انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت شیخ الہند سے اجازت حدیث بھی لی اور آپ ہی سے بیعت بھی تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے وفات کے بعد دارالعلوم کی مسند صدارت پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم کی صدارت ہی کے دور میں ۲۴ر رمضان ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو ۸۴ر سال کی عمر میں وفات پائی۔ قبرستان قاسمی میں آپ کا مزار ہے۔ [۵۱]

آپ مولانا رحمانیؒ کے میبذی، حمد اللہ، صدرالشمس بازغہ اور علم ہیئات اور حدیث میں مسلم شریف کے استاذ رہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا شفیع صاحب:

فقیہ العصر مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد شفیع صاحبؒ سرزمین دیوبند میں ۱۳۱۴ھ میں شعبان کی ۲۰ تاریخ کو پیدا ہوئے۔ [۵۲] آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ علم و عرفان اور زہد وتقویٰ میں بے مثل تھا۔ ایسے روح افزا ماحول میں آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس زمانے کا جنید، ابن حجر اور غزالی بنایا تھا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب او مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی وغیرہم یہ حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ فرزندان دارالعلوم دیوبند کی ان معزز ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم کی حفاظت اور فرنگی اقتدار وتہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ مفتی صاحب کا میدان ادب بھی رہا اور فلسفہ ومنطق بھی۔ افتاء بھی رہا اور حدیث وتفسیر بھی۔ تصوف بھی رہا اور تحقیق وتصنیف بھی۔ آپ نے تقریباً دوسو کے قریب تصنیف کی جن میں صرف فقہ میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۹۵ ہے۔ خاص کر حسن وقبول کی حامل آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر ''معارف القرآن'' اردو تفاسیر میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث، فقہ، تصوف، ادب، کلام اور اصلاح معاشرہ جیسے مختلف موضوعات پر آپ کی تصانیف آج بھی کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ ان کے بیان کردہ قرآنی علوم ومعارف نے ہزاروں قلوب میں نور ایمانی پیدا کیا، علم وعرفان کی راہیں دکھلائیں اور اعمال واخلاق میں انقلاب برپا کیا۔ [۵۳]

ویسے تو آپ کے مختلف میدانوں میں لامحدود کارنامے ہیں، لیکن آپ کا ایک عظیم اور نمایاں کارنامہ مادر علمی ''دارالعلوم کراچی'' کا قیام ہے۔ یہ آپ کے خونِ جگر سے سینچا ایک گلستاں ہے جس کی خوشبو عالم اسلام کو آج بھی معطر کر رہی ہے اور اس کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

غرض آپ پوری زندگی تصنیف وتالیف، تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف، قال اللہ وقال الرسول اور تمام علوم فنون کی شیرینیوں اور چاشنیوں سے لوگوں کو سیراب کرتے رہے۔ آپ ابتداءً حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے پھر ان کی وفات کے بعد مولانا تھانوی سے رجوع کیا اور آپ سے ہی خلافت حاصل کی، حضرت تھانوی کو آپ کے علم وفضل پر بڑا اعتماد تھا۔

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب کہ علم وعرفان کا یہ چمکتا دمکتا آفتاب گیارہ شول ۱۳۹۶ھ مطابق ۶/ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ۸۳/ سال کی طویل اور بامقصد زندگی گزارنے کے بعد اس دار فانی سے رخصت

ہوکر محبوب حقیقی سے جا ملے۔۵۴؎

مفتی صاحب مولانا رحمانی کے فقہ اور اصول فقہ کے استاذ ہیں۔

یہ تھا آپ کے اساتذہ کرام کی شخصیت کا مختصراً تذکرہ جن کی تبحر علمی اور توجہ وعنایت اور آپ کی ذہانت اور شوق ومحنت نے مل کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ بہت جلد افق عالم پر ایک درخشندہ آفتاب بن کر نمایاں ہوئے۔

مولانا کی زندگی کے چند اہم گوشے:

۱۹۳۹ء میں آپ ازدواجی زندگی کے بندھن میں بندھے۔آپ کی شادی مولوی عبد الشکور صاحب (ضلع جج گیا) کی چھوٹی صاحب زادی سے ہوئی۔۵۵؎

اللہ نے آپ کو اولادیں عطا کیں، جن میں دو لڑکے اور اور دو لڑکیاں ہیں۔۵۶؎ بڑے لڑکے وصی رحمانی اور چھوٹے لڑکے ولی رحمانی سے موسوم ہیں۔آخر الذکر نے آپ کی قربت وصحبت اور سفر حضر کی معیت سے پورا استفادہ کیا۔آپ کی عقاب نظر وشاہین نگاہ صاحب زادہ گرامی کے تمام تر احوال پر مرکوز تھی خوب سے خوب تر تربیت فرمائی اور فطری استعداد اور کسبی صلاحیت میں جلا بخشی۔ صاحب زادہ گرامی نے بھی والد بزرگوار کے اس تمام تر توجہ اور تربیت کا خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے والد کے تعلق ظاہری اور نسبت باطنی سے مالا مال ہوئے اور اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین و ملت کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے والد کے سچے جانشیں بن کر اپنے خاندانی وراثت و وجاہت کو سنبھال کر اس کی کڑی کی ایک زندہ یادگار ہیں۔

مولانا ولی رحمانی کے متعلق مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی ''حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات'' کے انتساب میں ایک قابلِ ذکر بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں آپ کی قسمت پر رشک کرتا ہوں کہ خدا نے آپ کو مولوی ولی جیسا بیٹا دیا ہے''

بلا شبہ آپ کی قابلِ احترام شخصیت کو جاننے اور سمجھنے کے لیے حضرت مفتی صاحب کے یہ جملے کافی ہیں ۔ آپ واقعی علم وعمل ،فکرونظر، زبان وقلم اور جرأت وعزیمت میں اپنے والد کا نقشِ جمیل ہیں۔

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی اور مولانا:

۱۹۳۵ء میں جب بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی مولانا سجاد علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں قائم ہوئی تو آپ بھی اس کی مجلس عاملہ اور پارلیمینٹری بورڈ کے ممبر ہوے اور پھر ۱۹۳۶ء میں اسی پارٹی کے ٹکٹ پر اسمبلی کے لیے سوپول مدھے پورہ سے اسمبلی کے امیدوار ہوے اور بہار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۵۷

آپ چوں کہ بہت دور اندیش تھے اور وقت کی ضرورت کو خوب سمجھتے تھے کہ اگر سیاست میں بھی صالح افراد داخل ہوں گے تو اس میں بھی سدھار لائیں گے اور دنیا کے حوادث وکوائف اور تقاضوں سے قوم وملت کو واقف کرائیں گے اور ان کی صحیح رہنمائی کریں گے اور ساتھ ہی ملت کو ان حملوں کا جو اسلام پر کیے جاتے ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کرسکیں گے اور ان کا دفاع حکمت عملی، استدلال اور حسن ارتباط کے ساتھ کرسکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ سیاست سے راہ فرار اختیار نہ کرسکے۔

آپ سیاست سے جڑ کر بھی حق وانصاف کا دامن ہمیشہ تھامے رہے اور حق وانصاف کی لڑائی میں کسی کے ساتھ مصالحت نہ کیا بلکہ ضرورت پڑنے پر اس کی سرزنش سے بھی کبھی نہ چوکے اور انتہائی خلوص کے ساتھ اقتدار اعلی کو اس کے فرائض سے متنبہ فرماتے۔ یہی ایک اچھے رہبر کی نشانی ہے۔

سلوک وتصوف:

آپ کو بیعت اپنے والد سے حاصل تھی۔ لیکن تصوف اور سلوک کی تعلیم اپنے والد کے خلیفہ حضرت مولانا عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے حاصل کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ ۵۸

یہاں تک پہنچنے میں آپ نے ریاضتیں کیں، مجاہدے کیے اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوے۔اور پھر اپنے بڑے بھائی مولانا لطف اللہ صاحب سے انتقال کے بعد خانقاہ رحمانی کی مسند رشدو ہدایت پر فائض ہوے۔اور ہزاروں ہزار بندگان خدا اور طالبین حق کی ظاہری اور باطنی اصلاح ، روحانی تربیت اور تزکیہ نفوس کا اہم کام حسن خوبی سے آپ نے انجام دیا۔آپ کے عہد سجادگی میں خانقاہ رحمانی کے متوسلین کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔

حضرت مولانا عارف صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے مولانا حاجی محمد شفیع بجنوری خلیفہ مولانا فضل رحمانی گنج مرادابادی کی خدمت میں حاضر ہوے اور پانچ سال آپ کی خدمت میں رہ کر باطنی فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے۔حاجی صاحب نے فن تعویذ کی بھی آپ کو تعلیم دی چنانچہ مولانا (منت اللہ رحمانی) فن تعویذ میں بھی اچھا درک رکھتے تھے آپ کے پاس ہمیشہ تعویذ لینے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔

آپ کے خلفاء:

آپ نے کچھ لوگوں کو بیعت وارشاد کی اجازت بھی دی اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا جن میں چند کے نام ذیل میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔۵۹

(۱) مولانا حبیب اللہ صاحب دیناجپوری پاکستان

(۲) حضرت مولانا الحاج جمیل احمد صاحب صدرالمدرسین جامع العلوم مظفر پور

(۳) مولانا زکریا صاحب مدرسہ محمدیہ گوگری ضلع مونگیر

(۴) مولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب امونا میر گنج ضلع پورنیہ

(۵) صوفی محمد اصغر صاحب ضلع مونگیر۔

مولانا مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے:

آپ ملک کے سینکڑوں چھوٹے بڑے علمی، ملی، سماجی اور اصلاحی اداروں اور انجمنوں کے

بنیادی رکن اور سر پرست رہے۔

ایشیا کی عظیم شہرۂ آفاق اسلامی درسگاہ دار العلوم کے شوریٰ کے اہم ترین رکن تھے۔دار العلوم سے جملہ تعلیمی اور انتظامی امور ومعاملات میں آپ کی صائب رائے اور مشورے کوز بردست وقعت اور اہمیت حاصل تھی۔۶۰ چنانچہ آپ ہی کی تحریک پر ۱۹۵۶ء میں مجلس شوریٰ نے دار العلوم کے نصاب پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی جس میں آپ بھی شامل ہوے۔

جامع صفات:

آپ جامع صفات وخوبیوں کے مالک تھے۔اللہ نے بہت ساری خوبیوں سے آپ کونوازا تھا،آپ جہاں علمی صلاحیت کے مالک تھے وہیں عظمت وکردار اور بلندی فکر سے بھی مالا مال تھے۔علم کے ساتھ زہد وتقویٰ،فکر ونظر،بصیرت وعزیمت اور زہد مسلسل کی بھی صفت آپ کے اندر موجود تھی۔ شرافت وجرات، ہمت اور توازن کے اندر بھی ممتاز تھے۔دوسرے کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور اس میں شریک رہنا آپ کی فطرت تھی۔آپ فطرتا بہت ہی نرم دل، نیک طبیعت تھے تو وہیں ظلم وجارحیت کے خلاف بہت سخت بھی، نیز جرات حق گوئی میں بھی بے مثل تھے۔اس کے علاوہ مرتبہ شناسی، عیب پوشی، غلطی کرنے والوں سے درگذر، مخالفین کے بارے میں زبان واظہار میں احتیاط، چھوٹوں پر شفقت، دوستوں اور ہم عمروں سے مروّت، بڑوں اور بزرگوں کا پاس ولحاظ، بیماروں سے ہمدردی، مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کا جذبہ،علم کی قدر دانی اور اختلاف فکر ونظر کے باوجود رواداری جیسے اوصافِ جمیلہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ آپ کی جامع صفات کا موازنہ ایک صاحب رائے مولانا محمد سعید الرحمٰن شمس صاحب جن کا آپ سے قریبی تعلق بھی تھا، نے علامہ شبلیؒ سے کیا ہے کہ اللہ نے علامہ شبلی کو جس طرح بیک وقت کئی صفات سے نوازا تھا اسی طرح آپ کو بھی اللہ نے بہت ساری خوبیوں اور صفات عالیہ سے نوازا تھا۔آپ وسیع النظر عالم اور عامل تھے،عابد شب زندہ دار بھی تھے اور زاہد عن الدنیا بھی، مرشد کامل بھی تھے اور داعی حق بھی،شعلہ بیاں خطیب بھی تھے اور سحر

طراز ادیب بھی، مجاہد بھی تھے اور قائد بھی۔۶۱

ان جامع صفات کا تذکرہ ان الفاظ میں بھی کرتے ہیں:

''دنیوی زندگی میں انسان جن خصائص اور اوصاف سے اپنے معاصرین میں امتیاز اور نام پیدا کرتا ہے ان میں جہاں آدمی کی اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کا دخل ہوتا ہے وہاں کچھ روایات بھی فرد کو ابھارنے اور شرف دوام بخشنے کا سبب بنتے ہیں۔ خاندان، تعلیم وتربیت، ذہانت و فطانت، قابلیت وصلاحیت، عبادات و ریاضت، جرات و بے باکی، زہد وتقویٰ، ایثار وقربانی، اخلاص وللّٰہیت، ہمدردی وغمخواری، عہدہ ومنصب ایسی چیزیں ہیں جن سے آدمی عزت وشہرت کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ الحمدللہ یہ تمام خوبیاں حضرت امیر شریعت کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں''۔۶۲

دنیا سے بے نیازی:

محمد سعید الرحمٰن شمس مولانا ولی رحمانی کے حوالہ سے برہان میں آپ کی ایک خاص بات کو ذکر کیا ہے کہ صاحب زادہ گرامی نے جب ایک دفعہ آپ سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے آپ کیا مانگتے ہیں؟ امیر شریعت نے فرمایا ''دو چیزیں ایک تو دنیا سے بے نیازی اور صرف اللہ تعالی کی محتاجی اور دوسری چیز اپنی مغفرت''۔۶۳

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔ آپ پوری زندگی بغیر کسی جاہ ودولت کے گذار دی آپ نے کسی کی رضا وخوشنودی کے خاطر کبھی اپنے ضمیر اور نہ حق سے سودا کیا اور نہ کسی کے محتاج رہے، زندگی پاکیزہ پائی اور وفات بھی پاکیزہ ہوئی، آپ اللہ کے نیک بندے تھے شب و روز اللہ کی عبادت اور ساری زندگی دنیا سے بے نیاز ہوکر دین کی خدمت میں صرف کردی۔ آپ مغفور تھے۔ رمضان کے مبارک مہینے میں عشا وتراویح کے دوران اپنے معبود حقیقی سے جاملنا آپ کی مغفرت کی دلیل ہے۔

آپ کے معاصر علماء:

حضرت امیر شریعت کی باوقار اور باکمال شخصیت کے جائزے میں ضمناً ان اہلِ علم ودانش کا تذکرہ بھی موزوں معلوم ہوتا ہے۔ان بزرگوں کے احوال وکوائف اور علمی فضیلت وبرتری ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں جن سے مولانا کو معاصرت کا شرف حاصل رہا، اور گاہے بگاہے ایک دوسرے کو کہنے اور سننے کے مواقع بھی ملتے رہے۔

ا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی:

آپ مولانا منت اللہ رحمانی کے معاصرین میں سے ہیں اور فرزند دارالعلوم کی ایک اہم شخصیت ہیں۔علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری کے مخصوص تلامذہ میں تھے،اللہ نے آپ کو علمی استعداد سے نوازا تھا آپ یہاں کے ذکی اور طبع فضلاء میں شمار کیے جاتے تھے۔ابتداء آپ اس مادر درسگاہ میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں پھر دارالعلوم کی طرف سے مدراس بھیجے گیے جہاں آپ نے درس وتدریس کا کام شروع کیا۔

تصنیف وتالیف کے اندر بھی آپ کا مخصوص مقام تھا آپ نے اس میدان میں کئی اہم کتابوں کی تصنیف کا کام انجام دیا،ساتھ ہی آپ کا شمار ہندوستان کے نامور مقررین اور خطباء میں ہوتا ہے۔آپ کو سیاست سے بھی لگاؤ تھا چنانچہ سیاسی میدان میں بھی آپ کی ایک پہچان تھی۔ جمعیۃ العلماء ہند اور کانگریس کے صف اول کے لیڈروں میں سے تھے کئی بار جیل بھی گئے۔طویل عرصہ تک جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔پارلیامنٹ کے بے لوث اور نڈر ممبر تھے فرقہ پرست بھی آپ کا لوہا مانتے تھے۔اور آپ کے اثرات سے خائف رہتے تھے،غرض آپ ایک جامع اور موثر شخصیت کے مالک تھے جس کا ہندوستان کے تمام علمی اور سیاسی طبقات پر اثر تھا۔[۶۴]

آپ دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مجالس انتظامیہ کے متحرک رکن تھے۔تصنیفی میدان میں بھی کچھ گراں قدر خدمات آپ نے انجام دیں۔قصص القرآن ،

اسلام کا اقتصادی نظام اور اخلاق ،فلسفہ اخلاق جیسی بیش قیمتی تصنیفات آپ کی علمی لیاقت کی گواہ ہے۔
۲؍اگست ۱۹۶۲ء کو آپ کا انتقال ہوا اور محدثین دہلی کے پہلو میں آپ مدفون ہیں۔ ۶۵

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی:

آپ حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی کے فرزند رشید اور دار العلوم کے ہونہار فاضل میں سے ہیں۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ایک عرصہ تک حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس کی حیثیت سے کام کیا اس کے بعد کافی دنوں تک کلکتہ میں مقیم رہ کر وہاں کے لوگوں کو علم دین سے روشناس کرایا پھر دہلی آکر ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا جو اس وقت ایک بہترین معیاری ادارہ ہے جس نے اسلامی علوم وفنون کی بہت سی قابل قدر تصانیف پیش کیں۔

آپ بہت سے علمی اور دینی اداروں کے ممبر رہے اور مرکزی حج کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ گورمنٹ بھی آپ کی بات کا اثر لیتی تھی، قومی کاموں میں بھی آپ کا ایک خاص حصہ تھا، آپ تحریک آزادی ہند کے سپاہیوں میں سے تھے، جمعیۃ علماء ہند کے کاموں میں آپ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے دست راست رہے اور ان کے وصال کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے صدر عامل کے عہدہ پر فائز رہے۔ دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے موثر ممبروں میں سے تھے۔ ۶۶

حضرت مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مفتی اعظم مالیر کوٹلہ پنجاب دونوں کے تعلق کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے امیر شریعت کے روابط بڑے گہرے تھے، دونوں ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے، دونوں ایسے مسافر تھے جن کا راستہ ایک تھا۔

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی:

آپ ہندوستان کے بلند پایہ مقام شخصیت کے مالک تھے۔ علم وفضل ،زہد وتقویٰ میں بے مثل تھے۔ آپ کا خاندان شروع سے ہی میرٹھ میں قضا کے اہم منصب پر فائز رہا۔ آپ کے جد امجد قاضی

احمد اللہ شہیدؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ بالاکوٹ کے معرکہ ۱۲۴۶ء میں شامل رہ کر جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے دادا قاضی عبدالباری نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا، آپ کے والد مولانا بشیر الدینؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مولانا مناظر حسن کے تلامذہ میں سے تھے۔ گویا آپ کا خاندان علمی اور تحریکی دونوں میدان میں ممتاز رہا۔

آپ کی پیدائش ۱۹۱۰ء میرٹھ میں ہوئی ابتدائی تعلیم دار العلوم میرٹھ میں اور پھر مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ میں پائی۔ آپ نے مشکوٰۃ اور بیضاوی مولانا عبدالمومن دیوبندی سے پڑھا۔ آپ کو عربی ادب کا ذوق تھا، اس دوران آپ نے فاضل ادب عربی کا امتحان الہ باد یونیورسٹی سے پاس کیا۔ حدیث کی تکمیل کے لیے آپ نے ۱۳۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے نامور اساتذہ سے حدیث کا فیض حاصل کیا اور ۱۳۴۶ء اعلیٰ درجہ کے ساتھ دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔

فراغت کے بعد علمی میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں ''نبی عربی'' ''تاریخ ملت'' ''قرآنی لغت'' ''قاموس القرآن'' اور اردو لغت بیان اللسان جیسی آپ کی تصانیف علمی حلقوں میں بے حد مشہور و مقبول ہوئیں۔

آپ بہت سارے اداروں اور تنظیموں سے بھی جڑے رہے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ، فیکلٹی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند وغیرہ کے رکن اور آل انڈیا دینی تعلیمی بورڈ کے صدر رہ چکے ہیں۔

آپ کی وفات ۳۱؍ مارچ ۱۹۹۱ء مطابق ۱۴؍ رمضان بروز اتوار ۱۴۱۱ھ کو میرٹھ شہر میں ہوئی اور یہیں مدفون بھی ہوے۔ [۶۷]

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

برِ اعظم ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے آفتاب و ماہتاب بن کر جنھوں نے

پوری دنیا میں شہرت ومقبولیت حاصل کی ان میں ایک نام حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا بھی ہے۔ آپ بانی دارالعلوم مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے پوتے ہیں۔۱۳۱۵ھ کے مطابق ۱۸۹۷ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ابتدائی عمر میں ہی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے اور دو سال میں قرآن مجید قرات وتجوید کے ساتھ حفظ کرلیا، پانچ سال فارسی اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد عربی کی تعلیم شروع کردی۔۱۹۱۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ جیسے محدث علم حدیث میں آپ کے استاد رہے۔فراغت کے بعد ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے ،اور پھر حضرت کی وفات کے بعد مولانا انورشاہ کشمیری سے رجوع کیا اور ۱۹۳۱ء میں حضرت تھانوی سے خلافت پائی۔

تکمیل علوم کے بعد قاری صاحب نے دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۳۴ء میں نائب مہتمم کے عہدہ پر مامور کیے گیے اور پھر ۱۹۳۹ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظامی امور کی ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر آگئیں ،اور آپ کو یہاں کا مہتمم بنادیا گیا۔اس عظیم عہدہ پر آپ تقریباً ۵۴ر سال تک فائز رہے۔دارالعلوم دیوبند نے آپ کے دور اہتمام میں خوب ترقی کیا اور اس کا صد سالہ اجلاس ۱۹۸۰ء آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے۔

درس وتدریس کے علاوہ وعظ وخطابت کے میدان میں بھی آپ کو اللہ نے عجیب وغریب ملکہ عطا کیا تھا۔آپ کے وعظ میں حکیمانہ اسلوب ہوتا جو سامعین کو متاثر کیے بغیر نہ رہتا۔آپ ہندوستان کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی اپنی ایک پہچان رکھتے تھے۔

آپ کا علمی استعداد بھی قابل ذکر ہے، اتنی مصروفیتوں کے باوجود تصنیف وتالیف کا سلسلہ آپ نے جاری رکھا۔آپ نے مختلف اسلامی موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں ،جن میں مشہور اور قابل ذکر تصنیف سائنس اور اسلام، التشبہ فی الاسلام، خاتم النبیین ،اسلام میں اخلاق کا نظام، فطری حکومت، اسلام اور مسیحی اقوام، حدیث کا قرآنی معیار، کلمہ طیب وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔[۶۸]

مولانا منظور احمد نعمانی:

آپ مولانا کے نہ صرف معاصرین میں سے ہیں بلکہ ۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل میں آپ کے ساتھ شریک رہے، اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور ''الفرقان'' کے ذریعہ اس تحریک میں جان وقوت پیدا کی۔[۶۹]

آپ ایک جید عالم دین ،مصنف ،صاحب سلوک وعرفاں بزرگ تھے، ساتھ ایک نبض شناس، وقت کے تقاضوں اور حالات سے باخبر عاقبت میں ملی رہنما تھے، آپ حالات حاضرہ اور ملکی سیاست سے بھی پوری طرح باخبر رہتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے یہاں سیاسی اور ملی رہنماؤں کی آمد ورفت کا سلسلہ برابر لگا رہتا۔

آپ کی پیدائش ضلع مراداباد کے قصبہ سنبھل ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔یہیں اردو ،فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔دارالعلوم مئو میں بھی درسیات کی تعلیم حاصل کی اور آخر کے دوسال دارالعلوم دیوبند میں رہکر مولانا انور شاہ کشمیری اور دوسرے ممتاز اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔آپ کو شاہ صاحب سے تلمذ کے شرف پر ہمیشہ فخر رہا ،آپ کو ان سے کافی محبت وعقیدت تھی آپ شاہ صاحب سے بیعت بھی ہوئے اور پھر بعد میں حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔[۷۰]

تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے فرائض کو بھی انجام دیا۔آپ کے زمانہ میں داخلی وخارجی فتنوں کا زور تھا، ان فتنوں سے اسلام کے عقیدہ توحید ورسالت کی بیخ کنی اور شرک و بدعت کے فروغ کے علاوہ علماء دیوبند کی ذات ومسلک بھی مجروح ہورہا تھا، اس لیے آپ نے طالب علمی کے زمانہ سے ہی اس کی سرکوبی کی تیاری میں لگے رہے۔بعد میں تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے خلاف محاذ آرائی میں حصہ لینا شروع کیا اور ایک طویل عمر ان فرقوں سے مقابلوں اور ان سے مناظروں کے لیے وقف کردیا جس میں اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو کامیابی بھی عطا کی۔اسی سلسلہ میں آپ نے مخالفین کے نظریات کے ابطال کی خاطر ایک علمی اور دینی ماہنامہ رسالہ نکالنے کا ارادہ فرمایا جو اب تک آپ کے انتقال کے بعد بھی الفرقان کے نام سے برابر شائع ہورہا ہے، اس رسالہ

کا شمار ملک کے بہترین علمی، دینی اور اصلاحی رسالوں میں ہوتا ہے۔

تبلیغی ودعوتی اسفار اور الفرقان کی ادارت کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف وتالیف میں بھی ہمیشہ مشغول رہتے۔ اللہ نے اس سلسلہ میں آپ کو اچھا ذوق، خاص سلیقہ اور کمال کا ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کا شمار اردو کے بہترین قلم کار میں ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر میں، نہایت سلیس، شگفتہ، آسان اور رواں ہوتی تھیں، جس سے عام آدمی کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، آپ کی چھوٹی بڑی بے شمار تصنیفات ہیں جو مقبول عام ہوئیں، ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

اسلام کیا ہے؟ دین وشریعت، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے، آپ حج کیسے کریں؟ آسان حج، کلمہ طیب کی حقیقت، نماز کی حقیقت، معارف الحدیث وغیرہ آپ کی ایسی تصانیف ہیں جن سے مسلمانوں کو بڑی رہنمائی اور تقویت ملی۔

آپ ہندوستان کے دو بڑے بین الاقوامی ادارے دارلعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن بھی تھے اور رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی رہے۔

آپ کا انتقال ۲۶/ذی لحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۴/مئی ۱۹۹۷ کو لکھنؤ میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی:

آپ کی پیداش ۶/محرم ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء تکیہ کلاں رائے بریلی اتر پردیش میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ اور شیخ عزیز الرحمٰن وشیخ محمد علی سے حاصل کی، عربی کی ابتداء ۱۹۲۴ء میں علامہ خلیل بن محمد انصاری الیمانی اور علامہ تقی الدین بلالی سے کی۔ ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ندوہ داخل ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں حدیث شریف کی تکمیل کی غرض سے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا حسین احمد مدنی سے خصوصی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۲ء میں لاہور میں مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تفسیر قرآن کی تعلیم اور مولانا حیدر حسن خان ٹونکی سے حدیث کی تعلیم

حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیں ۱۹۳۹ میں حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کے ہاتھوں بیعت ہوئے۔اے

آپ ایک نامور عالم دین ،بلند پایہ مصنف و دانشور اور ایک صاحب طرز ادیب ،خطیب اور ایک منفرد مورخ اور سیرت نگار تھے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ داعی ، مصلح و مربی اور قوم کے رہبر اور غمخوار تھے۔ملت اسلامیہ ہند کا معاملہ ہو یا عالم اسلام کے کسی بھی خطے کا مسئلہ ہو، اعلان صداقت اور اظہار حق کے خاطر اٹھ کھڑے ہوے اور بڑی جرات و بے باکی سے انتظامیہ اور اساطین حکومت کو نامساعد و ناسازگار حالات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے انتظامیہ کی اس کے کوتاہی و ناعاقبت اندیشی سے خبردار کرتے ،یہی وجہ ہے کہ آپ نے ملی کاموں میں بھی ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں جو ناقابل فراموش ہیں۔

دینی کاموں کے فروغ واشاعت کا مسئلہ ہو یا نصاب تعلیم میں ہندو میتھالوجی کے انضمام کا معاملہ،متبنہ بل ہو یا وندے ماترم کا قضیہ،شاہ بانو کیس رہا ہو یا مسلم پرسنل لاء کی شق میں دخل اندازی کا مسئلہ، آپ نے کبھی بھی ان مسائل سے چشم پوشی اختیار نہ کی، بلکہ زبان وقلم کی پوری طاقت کے ساتھ مسائل سے نبرد آزمائی کی خاطر میدان میں کود پڑے اور شریعت مطہرہ میں کسی قسم کی مداخلت کو برداشت نہ کیا۔

آپ ملک کے امراء وسلاطین کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس میں بھی کافی مقبول تھے خواہ ان کا تعلق ملک سے ہو یا بیرون ملک سے۔اور ان کا واسطہ کسی بھی فرقہ سے اور مذہب سے ہو ہر ایک آپ کے دعوتی پیغام اور پیام انسانیت کا شیدائی تھا۔آپ علی الاعلان حق بات بولتے اور حق کی دعوت دیتے اور اس کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے۔اسلامی معاشرہ کے قیام واستحکام پر دل کھول کر اور صاف صاف بولتے اور قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مبنی قانون کو ہی خیر وفلاح اور ملک وقوم کے امن وسلامتی کا ضامن بتلاتے۔

حجاز مقدس کے سفر میں عربوں کے سامنے دعوت حق کی عالمگیریت اور قرآن وسنت پر مبنی

معاشرے کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرات آج دنیا کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ایک مثالی معاشرہ، نمونہ کا معاشرہ، جس کو اللہ تبارک وتعالی پسند فرمائے اور نوع انسان کے لیے سراپا خیر و برکت بھی ہو، جو عقائد میں، اخلاق میں، معاملات میں اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو، ایسا معاشرہ نمایاں طور پر کہیں نظر نہیں آتا، ایسا مثالی معاشرہ دنیا کی اہم ترین ضرورت ہے۔ دنیا اس کی محتاج ومنتظر ہے۔ موجودہ حالات میں اگر کسی طرح کی تبدیلی لائی جاسکتی ہے تو ایک مثالی معاشرہ کے ذریعہ لائی جاسکتی ہے''۔۲۷

آپ تعلیم وتحقیق، ثقافت وتمدن، درس وتدریس، اصلاح وسلوک تبلیغ ودعوت میں بھی نمایاں کارنامہ انجام دیے ہیں۔ آپ کی تصنیفی خدمات بھی عصر حاضر کے علماء میں آپ کو ممتاز کرتی ہیں۔ آپ نے سینکڑوں کتابیں مختلف زبانوں میں تصنیف کیں جو ملک وبیرون ملک خصوصاً عرب ممالک میں مقبول عام ہوئیں اور آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ جن میں چند کا ذکر بیان کیا جارہا ہے۔

اسمائے حسنٰی، المرتضٰی، نبی رحمت، کاروان مدینہ، تاریخ دعوت وعزیمت، پرانے چراغ، کاروان زندگی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال کا اثر، انسانیت کے محسن اعظم، اسلام اور مغرب، پیام انسانیت، خلفاء اربعہ، حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب، عالم عربی کا المیہ جیسی سینکڑوں معرکۃ الآرا کتابوں کے آپ مصنف تھے۔

آپ کی شخصیت عالمی شہرت یافتہ تھی آپ ملک اور بیرون ملک کے سینکڑوں معروف وغیر معروف اداروں کے صدر وسرپرست جیسے منصب عالی پر مامور کیے گیے۔ ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم اعلیٰ کے علاوہ رابطہ الادب اسلامی العالمی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مرکز دراسات اسلامیہ آکسفورڈ، دینی تعلیمی کونسل اور دارالمصنفین اعظم گڈھ کے صدر، رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ، مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مجمع اللغۃ العربیہ (دمشق) مجمع

اللغة العربیه (قاہرہ) مجمع اللغةالعربیه (اردن) مجلس عالمی دعوت اسلامی (قاہرہ) مجلس شوریٰ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (پاکستان) مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند جیسے باوقار اداروں کے آپ رکن رہے۔ یہ سب اعزازات آپ کے ذریعہ ملک اور بیرون ملک میں کیے گئے خدمات کے مدنظر ہی دیا گیا۔

آپ کی علمی وملی خدمات اور آپ کے بلند پایہ شخصیت کا اعتراف ہندوستان اور دوسرے ممالک کی حکومتوں، اداروں نے بھی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مختلف عالمی ایوارڈ سے بھی سرفراز کیے گیے۔

شاہ فیصل ایوارڈ	:	۱۹۸۰ء ریاض (سعودی عرب)
عظیم اسلامی شخصیت ایوارڈ	:	۱۹۹۹ء (دبئی)
اعزازی ڈاکٹریٹ	:	۱۹۸۱ء کشمیر یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری دی
سلطان برونائی ایوارڈ	:	۱۹۹۹ء آکسفورڈ اسلامک سنٹر۔۳۳؎

آپ کی وفات ۳۱ ردسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ بروز جمعہ ہوئی۔ آپ اپنے آبائی وطن تکیہ کلاں رائے بریلی میں مدفون ہیں۔

آپ دونوں نہ صرف معاصر تھے بلکہ ایک سچے رفیق کار بھی تھے۔ ہر طرح کے مسائل خواہ وہ ملکی ہوں، سیاسی ہوں یا پھر ملی دونوں ایک ساتھ مل کر کام کرتے۔ دونوں کے نظریہ میں بھی ہم آہنگی تھی اور رائے میں بھی یکسانیت۔ دونوں ایک دوسرے کی عظمت کا احترام کرتے، اہل اللہ کے مابین صفاء باطنی کی وجہ سے جو احترام باہمی رہتا ہے اس کی مثال دونوں حضرات کے تعلق میں دیکھی جاسکتی تھی۔ دونوں حضرات مسلم پرسنل لاء بورڈ کا جیسی باوقار تنظیم کے صدر اور سکریٹری کی حیثیت سے زندگی آخری سانس تک ساتھ ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ ملک کے کسی بھی لیڈر یا سرکاری شخصیت سے دینی وملی مسائل کی خاطر جب کبھی بھی آپ کو (مولانا ابوالحسن ندوی) ملنا ہوتا آپ تنہا ملاقات نہ

فرماتے بلکہ مولانا رحمانی کو وہ ضرور مذاکرات وملاقات میں شرکت کی دعوت دیتے اور آپ سے رہنمائی کی درخواست بھی کرتے۔

مولانا علی میاںؒ آپ کے اشتراک عمل اور آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کے قائل تھے آپ خود تحریر کرتے ہیں:

''اپنے دور صدارت میں مولانا کے ساتھ دورہ کرنے ،جلسوں میں خطاب کرنے، اور اس وقت کے وزیراعظم ہند آنجہانی راجیو گاندھی سے بار بار ملنے،ان سے اس مسئلہ (آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) پر تنہائی میں اور کبھی اس وقت کے وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور بعض دوسرے مشیران حکومت کی موجودگی میں گفتگو کرنے پھر ان کے بعد وی پی سنگھ (سابق وزیراعظم ہند) اور دوسرے ذمہ داران حکومت سے بار بار ملنے کا موقع ملا ،اس میں راقم کو مولانا (منت اللہ رحمانی) کی بے نفسی ،تواضع ،حقیقت پسندی اور مقصد سے لگن اور اس کی فکر کا اندازہ ہوا ،اور اب یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس مسئلہ کی کامیابی میں (جس حد تک ہوئی) مولانا کی بے نفسی ،اشتراک عمل کی صلاحیت اور صرف مقصد کے حصول سے دلچسپی کو بڑا دخل ہے۔انھوں نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ وہ ان گفتگوؤں میں پیش پیش رہیں اور کامیابی کا سہرا ان کے سر بندھے اور وہ پریس میں نمایاں مقام حاصل کریں'' ۴ے

یہاں پر ان باتوں کو صرف دونوں میں قربت اور باہمی تعلقات کے جذبہ کو ظاہر کرنے کی غرض سے ذکر کیا گیا۔مولانا علی میاں کو آپ سے کتنا لگاؤ تھا اس کا اندازہ ان کی وفات کی خبر سن کر جس غم وصدمہ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مولانا کے بقول''اپنے برادر اکبر ڈاکٹر صاحب کے سانحہ ارتحال کے وقت جس عظیم غم وصدمہ سے میں ذاتی طور پر دوچار ہوا تھا، تقریباً وہی کیفیت امیر شریعت کے انتقال پر مجھ پر طاری رہی ۔۵ے

مولانا منت اللہ رحمانی کی ایک اہم یادگار— جامعہ رحمانی:

دینی تعلیم کا یہ مدرسہ جو جامعہ رحمانی کے نام سے موسوم ہے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی ایک یادگار ہے جسے آپ نے ۱۹۴۲ء میں دوبارہ قائم کیا۔ ۶ے

جامعہ رحمانی کا شمار آج صوبہ بہار کے ممتاز ترین ادارہ میں ہوتا ہے۔ جامعہ رحمانی سے آپ کا گہرا تعلق رہا، اس ادارہ کو پروان چڑھانے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی، یہی وجہ ہے کہ آج یہ ادارہ پورے شباب کے ساتھ ترقی پذیر ہے اور اپنے مقاصد کے حصول یابی کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ادارہ سرکاری امداد اور اس کی خیر خواہی سے بے نیاز ہو کر اعلیٰ معیار کے ساتھ دینی تعلیم کو فروغ دے رہا ہے، یہاں نہ صرف اعلیٰ تعلیم بلکہ اعلیٰ تربیت کا بھی معقول انتظام ہے۔ طلبہ کی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کے ابھارنے کی طرف بھی مضبوط کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس کی طرف خاص دھیان دیا جاتا ہے۔

اس ادارے نے ملک وملت کو بالعموم اور صوبہ بہار کو بالخصوص طویل القامت شخصیتوں کو جنم دیا اور سینکڑوں اہم شخصیتوں کی صلاحیت کو نکھار کر ملک وملت کے سامنے پیش کیا۔ آج ملک کے اندر سینکڑوں افراد جو قوم وملت کی خدمات کو صحیح ڈھنگ سے انجام دے رہے ہیں۔ اس میں اس ادارہ سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ہیں جو اس عظیم ادارہ کی دین ہیں۔

آپ نے جامعہ رحمانی کو نئی زندگی اور توانائی دی۔ جامعہ کو مکتب کی شکل سے شروع کیا اور دارالعلوم کی شکل دے کر چھوڑا۔ آج یہ صرف تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ تربیت گاہ بھی ہے، تعلیمی تحریک کا مرکز ہی نہیں بلکہ بہت سی ملی تحریکوں کا مرکز ہے۔

جامعہ رحمانی سے آپ کا جو لگاؤ تھا اس کی ترجمانی آپ کے ان الفاظ سے ہو جاتی ہے:

> ''جامعہ رحمانی میری زندگی کی اہم پونجی ہے۔ تعلیمات نبوی اور اشاعتِ دین کا اہم مرکز ہے۔ میں خدا کے حضور اپنے اعمال صالحہ میں جامعہ رحمانی ہی کو پیش کروں گا'' ۷ے

مختلف ممالک کا دورہ:

آپ عالمی شہرت یافتہ شخصیت کے مالک تھے۔آپ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے،آپ کی علمی وفکری صلاحیتوں کے اعتراف سے کوئی گریز نہیں کرسکتا۔آپ کی فکر انگیز صلاحیتوں سے قوم و ملت کو بڑا فائدہ ہوا جس کا اعتراف ملک وبیرون ملک کے ذمے داروں کو بھی تھا۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے ہندو بیرون ہند کے مختلف ممالک کا علمی دورہ کیا جہاں آپ علمی سمینار میں شرکت کرکے اور اپنے گراں قدر مقالات کے ذریعہ اعلان صداقت و اظہار حق فرماتے اور سامعین کے اوپر اپنا گہرا اثر چھوڑ جاتے۔آپ کا مقالہ علمی اور تحقیقی نیز فصاحت و بلاغت سے پُر ہوتا۔

اسی کے تحت ۱۹۶۴ء میں جب حکومت مصر نے آپ کو علما کے عالمی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی، جس کا مقصد جدید مسائل دینیہ کی تحقیق اور ان پر فکر غور تھا،تو آپ اسے قبول کرتے ہوئے اجتماع میں شرکت کے لیے مصر کا سفر فرمایا اور علماء کی اس اجتماع میں شرکت فرمائی۔یہاں بھی آپ نے حق وصداقت کے دامن کو نہ چھوڑا اور مصر کے سیاسی نظام پر تبصرہ کرنے سے گریز نہ کیا۔حالاں کہ اس کانفرنس میں آپ کی زیادہ تر توجہ کانفرنس کے موضوع و حالات پر ہی رہی لیکن آپ نے مصر کے سیاسی حالات اور جمال عبد الناصر کی شخصی حکومت پر رائے زنی بھی اشاروں اشاروں میں کی اور یہ بات صاف کردی کہ وہ اس طرز حکومت کو مستحسن نہیں سمجھتے۔

اس وقت مسلمانوں کی طاقت مصر میں کمزور پڑ چکی تھی جس کا سہرا جمال عبد الناصر کے سر ہی تھا۔اس نے جو سختی اور درشتی برتی تھی اس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں جمال عبد الناصر کے بارے میں رائے اچھی نہ تھی۔مصر میں اس وقت جمال عبد الناصر کی کم وبیش شخصی حکومت پورے شباب پر تھی اس بنا پر غیر عرب دنیا کے مسلمانوں کو ان سے خاصی مایوسی ہو چکی تھی کہ یہ شخص حکومت اسلامیہ اور انصاف کی بڑی حد تک نفی کرتا تھا۔ایسے وقت میں جمال عبد الناصر کی طرف سے موتمر اسلامی کا انعقاد سیاسی مصلحتوں سے خالی نہ تھا۔

آپ گرچہ سیاسی میدان سے دور تھے لیکن جس تہذیب اور روایت کے پروردہ تھے اس کے اہم پہلوؤں میں یہ بھی تھا کہ سیاسی شعور کو پختہ اور روشن رکھا جائے اور مذہب و سیاست دونوں میں اللہ کی مرضی کو مقدم رکھا جائے۔آپ کا یہ سفر سیاسی نہ تھا لیکن یہ بات بھی آپ کے اخلاق حسنہ سے دور تھی کہ وہ ایسے موقعہ پر مصر کے سیاسی نظم و نظام کے بارے میں کوئی تبصرہ کریں۔لیکن مصر کے سیاسی حالات کے بارے میں کوئی بات نہ کہنا بھی غیر مناسب تھا کہ آپ آزاد شخص تھے اور اسلامی روایات حریت کا پورا پاس رکھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ کھل کر نہ سہی اشاروں میں ہی کہہ دیا کہ جمال عبدالناصر کا موجودہ طرز حکومت غیر جمہوری ہے۔

پھر ۱۹۶۵ء میں آپ نے رابطہ عالم اسلامی (مکہ معظّمہ) کی دعوت پر مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کی اور یہاں کے کانفرنس میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور یہاں بھی حاضرین پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے۔مؤتمر سے فراغت کے بعد آپ نے شام،عراق،اردن اور لبنان وغیرہ کا دورہ کیا۔

آپ ۱۹۸۱ء میں حضرت مفتی ضیاء الدین بابا خانوفؒ کی دعوت پر روس کا سفر فرمایا اور دوشنبہ کے عالمی سمینار میں ایک قیمتی مقالہ پیش کیا جو ایک قیمتی علمی دستاویز ہے۔اس موقع پر آپ نے روس کے کئی بڑے شہر کا دورہ بھی کیا۔۸ے

مولانا رحمانی کی وفات:

مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات ۱۹/مارچ ۱۹۹۱ء بروز منگل مطابق ۳/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں ہوئی اور آپ اپنے والد ماجد مولانا مونگیریؒ کے پہلو میں خانقاہ رحمانی مونگیر میں ہی مدفون ہیں۔

آپ کے انتقال پر ملک کی اہم شخصیات علماء،دانشوران ،سیاسی رہنماؤں نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور مولانا کے ساتھ اپنے قربت اور آپ کی شخصیت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ملک کے تقریباً سبھی اخبار نے بھی اپنے تاثرات اور آپ کی وفات کی خبر کو سرخیوں میں

جگہ دی اس کے علاوہ ملک کے مشہور ماہناموں نے بھی تعزیتی مضامین کی اشاعت کی۔ یہاں مختصراً ان تعزیتی مضامین، علماء ودانشوران اور سیاسی رہنماؤں کے اظہار خیال کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا۔

''مولانا کی وفات سے نہ صرف امارت شرعیہ بہار اڑیسہ جیسی فعال، مؤثر ومبارک تحریک وتنظیم اور ریاست ہائے بہار اڑیسہ کی دینی وملی قیادت میں ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جیسا فعال اور ضروری ادارہ اپنے بانی اور روح رواں شخصیت سے محروم ہوا بلکہ ہندوستان کی دینی وملی اور فکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

مولانا کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں مسلم تھی۔ اللہ تعالی نے علم واخلاص، عزم وقوت ارادی، اصابت رائے، توازن اجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرمادی جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالی نے ان سے ایسے متعدد دینی وملی تاریخی کام لیے جن کی نظیر ملنا مشکل ہے''۔ ۹ے

(۲) حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نے حضرت امیر شریعت کے وفات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

''مولانا رحمانی انتہائی موثر، طاقت ور اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ نے آپ کو ایسی وجیہ وباوقار شخصیت عطا فرمائی تھی کہ جو ان سے ملتا مرعوب ہوتا، ان پر کسی کا رعب نہیں پڑتا تھا اور شاید یہی چیز تھی جس کی وجہ سے مختلف ملی مسائل

میں نمائندگی کے لیے وہ بہترین شخصیت ثابت ہوتے تھے۔شاہ بانوں کیس کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کارکردگی زیادہ تر ان ہی کی کارکردگی سے عبارت ہے''۔۸۰

(۳) مولانا مجیب اللہ ندوی نے آپ کی وفات کی خبر کو اپنی تعزیتی مضمون میں ''ملت اسلامیہ کا ایک روشن چراغ گل ہوا'' کا عنوان دیکر آپ کی وفات کو ملت اسلامیہ ہندیہ کا عظیم نقصان بتلایا۔نیز آگے تحریر کرتے ہیں:

''مولانا تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے اور امارت شرعیہ سے متعلق آپ کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امارت شرعیہ جس کا کام بہار اڑیسہ کے مسلمانوں کا عائلی مسائل کے فیصلوں تک محدود تھا۔اسے آپ نے ہندوستان گیر بنادیا اور ساتھ ہی اس کا رشتہ ملی اور رفاہی کاموں سے جوڑ کر اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ کردیا''۸۱

(۴) مولانا عمیر الصدیق دریابادی مولانا منت اللہ رحمانی کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان کا مرثیہ صرف ایک عالم کا نہیں بلکہ ایک عالَم کا ماتم ہے۔ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ان جیسی ستودہ صفات ہستیاں اس دور قحط الرجال میں نعمت سے کم نہیں اور اس نعمت کے چھن جانے سے حرمان ونقصان کی کیفیت اور شدید ہوجاتی ہے''۔۸۲

(۵) دارلعلوم دیوبند سے مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قائم مقام مہتمم نے اپنی تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا:

''حضرت امیر شریعت بڑی خوبیوں کے مالک تھے،علماء کی جماعت میں ایک مضبوط اور فعال عالم،مفکر اور امارت شرعیہ ومسلم پرسنل لاء کے روح رواں تھے،مسلمانوں کی دینی واصلاحی معاشرتی سدھار میں نمایاں خدمات انجام دیں،امت مسلمہ پر جب کوئی ناگہانی مصیبت آئی تو ان کی امداد میں پیش پیش رہے''۸۳

(۶) جناب عبدالرحیم قریشی جنرل سکریٹری آل انڈیا مجلس تعمیر ملت حیدرآباد نے اپنی تعزیتی پیغام میں

لکھا ہے:

''مولانا منت اللہ رحمانی کا انتقال ملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے،ان کی اولوالعزمی اور عزیمت کو دیکھنے کے بعد اب کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی''۔۸۴

اس کے علاوہ ملک کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں نے بھی خراج عقیدت پیش کیا:

(۷) سابق گورنر بہار محمد شفیع قریشی نے مولانا کے متعلق فرمایا:

''مولانا منت اللہ رحمانی ایک عظیم اسکالر اور اسلامی دنیا کی قدآور شخصیت تھے۔ اسلامی شریعت پر اتھاریٹی ہونے کے راہنما بھی تھے''۔۸۵

(۸) بہار ریاستی مذہبی ولسانی اقلیتی کمیشن نے بھی تعزیتی جلسہ کا اہتمام کیا کمیشن کے کارگذار چیر مین پروفیسر جابر حسین نے کہا:

''مولانا کی وفات سے ریاست کی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں پر ایک گہرا خلا پیدا ہو گیا ہے''۔۸۶

(۹) ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی (سابق گورنر بہار وبنگال) نے بھی مولانا ولی رحمانی کے نام خط لکھ کر اپنی عقیدت وتعزیت کا اظہار کیا، آپ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا کی شخصیت ایک منارۂ نور تھی جس کے اثرات نہ صرف بہار واڑیسہ بلکہ پورے ملک بالخصوص تمام مسلمانوں میں نمایاں ہوئیں''۸۷

(۱۰) جناب لالو پرساد یادو جو اس وقت بہار کے وزیر اعلیٰ تھے نے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور تعزیتی پیغام میں کہا:

''مولانا کے انتقال سے ایک نیک انسان اٹھ گیا، وہ نہ صرف ممتاز عالم دین تھے بلکہ سماج کے کمزور طبقہ سے ان کا گہرا تعلق رہا، اقلیتوں کے مسائل حل کرنے میں بھی انھوں نے اہم رول ادا کیا۔ مولانا کے انتقال سے جو مذہبی خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر کرنا ناممکن ہے، مولانا قومی یکجہتی کے علمبردار تھے اور ملک کی ترقی میں ان کی گہری

دل چسپی تھی" ۸۸؎

(۱۱) سابق وزیر اعظم ہند آنجہانی راجیو گاندھی نے بھی مولانا ولی رحمانی کے نام خط میں اپنے تعزیت کا اظہار کیا۔ جس کا کچھ حصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

"Dear, Maulana Rahmani sahib,

It is with the almost distress that we have learned of the passing away of your distinguished father, Maulana Minnatullah Rahmani.

Maulana sahib was a patriot of the highest order, a tireless worker for national integration and zealous champion of the right of the minorities.

please accept our sincerest condolences, we share in your bereavment. We salute the memory of a great muslim and a great indian" ۸۹؎

(۱۲) سابق وزیر اعظم چندر شیکھر نے بھی اسی طرح اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے:

"مولانا رحمانی گذر گئے۔ ملک نے بے لوث مجاہد آزادی، ایک عظیم محبّ وطن اور بے خوف رہنما کھودیا، مولانا نے کمیونٹی کے حقوق کی لڑائی بھی لڑی مگر غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر۔ کبھی فرقہ وارانہ طاقتوں کو ان کے پروگرام سے طاقت نہیں ملی، وہ اپنے کاموں کے ذریعہ ہندو مسلم یکتا کا پیغام دیتے رہے، ان کی خانقاہ میں ہر مذہب کے ماننے والے احترام و عقیدت سے آتے ہیں، ان کا انتقال ملک کا نقصان ہے میں اسے ذاتی نقصان مانتا ہوں اور ان کی مخلصانہ خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں"۔ ۹۰؎

آپ کی وفات کی خبر کو سارے اخبار نے سرخیوں میں جگہ دی اور آپ کی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے اسے ناقابل تلافی نقصان بتلاتے ہوئے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

نقیب جو امارت شرعیہ بہار اڑیسہ کا ترجمان ہے، بھی اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کی وفات کو

ملت کے لیے ایک عظیم حادثہ اور ملی قیادت کا نا قابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''آپ کی متحرک اور فعال قیادت نے ہر نازک وقت میں مسلمانوں کو جراتمندانہ رہنمائی دی اور آپ اپنی حق گوئی، بیبا کی اور بے خوفی کے لیے مشہور تھے'' ۹۱

اردو روز نامہ قومی آواز پٹنہ نے آپ کی وفات کی خبر کے متعلق اپنے اداریے میں ''اسلامی دنیا ایک عالم دین سے محروم'' کے عنوان سے آپ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

''آپ نے اپنی طویل زندگی کے دوران مختلف نازک مرحلوں پر ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بلاخوف اپنے خیالات کا اظہار کیا، خاص طور سے خاندانی منصوبہ بندی، شاہ بانو مقدمہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار، متبنّٰی بل اور کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن کے خلاف مقدمہ کے معاملات میں آپ کی گراں قدر خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی''۔ ۹۲

پٹنہ سے شائع ہونے والا روز نامہ قومی تنظیم نے بھی اسی طرح اپنے تعزیتی پیغام کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے وفات کی خبر کو اپنے سرخی ''مولانا سید منت اللہ رحمانی کا انتقال'' بنا کر آپ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے، لکھتا ہے:

''مولانا نے مسلم پرسنل لاء پر فرقہ پرست اور مفاد پرست طاقتوں کے ذریعہ کیے جانے والے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جب اس طرح کی کوئی کوشش ہوئی تو مولانا سڑکوں پر آجاتے چاہے وہ شاہ بانو کا معاملہ ہو، قرآن پر کلکتہ ہائی کورٹ میں مقدمہ یا اسکول کی نصابی کتاب میں حضرت عیسیٰ کی تصویر کی اشاعت کا معاملہ ہو۔ مولانا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور تحریک چلاتے جس میں آپ کو کامیابی بھی ملی'' ۹۳

حوالے وحواشی

۱۔ زین العابدین: خطبات امیر شریعت، ص۳۱، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۲۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص۷، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، ۱۹۵۹ء

۳۔ ایضاً، ص۷

۴۔ ایضاً، ص۷

۵۔ سید محمد الحسنی: سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری، ص۶، لکھنؤ پبلیشنگ ہاؤس، اپریل ۱۹۶۴ء

۶۔ ابوالحسن علی ندوی: تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، ص۱۴۱، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۸۵ء

۷۔ سید محمد الحسنی: سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص۷

۸۔ ایضاً، ص۸-۷

۹۔ ایضاً، ص۹-۸

۱۰۔ ایضاً، ص۱۱-۱۰ وکمالاتِ محمدیہ، ص۲۸۲

۱۱۔ ایضاً، ص۱۹

۱۲۔ ایضاً، ص۱۱۷-۱۱۵

۱۳۔ ضیاء الدین اصلاحی: ماہنامہ معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جلد۱۴۷، ص۳۱۴، اپریل ۱۹۹۱ء

۱۴۔ سید محمد الحسنی: سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص۲۸۶

۱۵۔ ایضاً ص ۴۱۷

۱۶۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد۲، ص۱۶۶، جید پریس بلی ماران دہلی ۱۹۷۸ء

۱۷۔ ایضاً، ص۱۶۶

۱۸۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص۸

۱۹۔ ایضاً، ص۹

۲۰۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۱۶۶

۲۱۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص۹

۲۲۔ ایضاً، ص۹

۲۳۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۱۶۶

۲۴۔ غلام مرسلین: مولانا عبدالحی فرنگی محلی حیات وخدمات، ص ۵۴، مرکز دراسات ایشائے غربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۵ء

۲۵۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ص ۴۵، شائع کردہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۲۶۔ ایضاً، ص ۴۵

۲۷۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۱۵۵، ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند

۲۸۔ ماہنامہ معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جلد ۱۴۷، ص ۳۱۷، اپریل ۱۹۹۱ء

۲۹۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۱۲

۳۰۔ زین العابدین: خطبات امیر شریعت، ص ۳۳

۳۱۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، شائع کردہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ، ص ۴۶، ۱۹۹۴ء

۳۲۔ زین العابدین: خطبات امیر شریعت، ص ۳۲

۳۳۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۱۴-۱۳

۳۴۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ص ۴۶

۳۵۔ ایضاً، ۴۷

۳۶۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۱۴

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۵

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۵

۳۹۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ص ۴۷

۴۰۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۱۶

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۶

۴۲۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ص ۴۸

۴۳۔ ملاحظہ فرمائیں اس مقالہ کے صفحہ ۵ پر مولانا منت اللہ رحمانی حالاتِ زندگی کے بحث میں

۴۴۔ زین العابدین: خطبات امیر شریعت، ص ۳۱

۴۵۔ مجاهد الاسلام قاسمی: الفسخ والتفریق، ص ۱۸

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۹

۴۷۔ محمد سلمان منصور پوری: تحریک آزادی ہند میں مسلم علما اور عوام کا کردار، ص ۱۸۴، مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد، ۱۴۲۱ھ

۴۸۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد ۲، ص ۸۳

۴۹۔ قاری طیب صاحب: دارالعلوم کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۵۵، دارالکتاب دیوبند، ۱۹۹۸ء

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۵۱۔ ایضاً، ۱۷۰

۵۲۔ سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد ۲، ص ۱۳۰

۵۳ ایضاً، ص ۱۳۰

۵۴۔ ایضا، ص ۱۳۱

۵۵۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۲۵

۵۶۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص ۳۲۲، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، جنوری ۲۰۰۲ء

۵۷۔ ماہنامہ معارف، دارالمصنفین، ص ۳۱۵

۵۸۔ ایضاً، ۳۱۴

۵۹۔ ابوظفر رحمانی: امیر شریعت رابع، ص ۳۰

۶۰۔ ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۷، شمارہ ۶، جون ۱۹۹۲ء

۶۱۔ ایضاً، ص ۲۴، شمارہ ۵، مئی ۱۹۹۲ء

۶۲۔ ایضاً، ص ۲۴،

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۸، شمارہ ۶

۶۴۔ قاری طیب صاحب: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۸۰، دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، ۱۹۶۵ء

۶۵۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ، اشتیاق پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۱ء

۶۶۔ قاری محمد طیب صاحب: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۸۰

۶۷۔ نور احمد میرٹھی: شخصیات میرٹھ، ادارہ فکر نو کراچی، ۲۰۰۳ء

۶۸۔ سید محبوب رضوی: تلخیص از تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۱۳۶-۱۳۳

۶۹ عتیق الرحمٰن سنبھلی: الفرقان، ص ۳۸، کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ، ۱۹۹۸ء

۷۰ ایضاً، ۳۴

۷۱ مرتب ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی: مولانا ابوالحسن علی ندوی افکار و آثار، ص ۱۳، الھدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر ۲۰۰۰ء

۷۲ مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی، جلد ۴، ص ۱۷۱

۷۳ مرتب ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی: مولانا ابوالحسن علی ندوی افکار و آثار، ص ۲۱

۷۴ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص ۱۳، شائع کردہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

۷۵ ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۱۸

۷۶ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص ۵۴۹

۷۷ ایضاً، ص ۳۸۶

۷۸ زین العابدین: خطبات امیر شریعت، ص ۴۷

۷۹ مجاہد الاسلام قاسمی: بحث و نظر، اپریل ۱۹۹۱ء

۸۰ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اپریل ۱۹۹۱ء

۸۱ ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، مئی، جون ۱۹۹۱ء

۸۲ معارف، دار المصنفین اعظم گڑھ، جلد ۱۴۷، ص ۳۱۳، اپریل ۱۹۹۱ء

۸۳ مجاہد الاسلام قاسمی: بحث و نظر، اپریل ۱۹۹۱ء

۸۴ ایضاً

۸۵ روزنامہ قومی آواز پٹنہ، ۲۱/ مارچ، ۱۹۹۱ء

۸۶ دی ٹائمز آف انڈیا پٹنہ، ۲۰/ مارچ، ۱۹۹۱ء

۸۷ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص ۴۵۶، شائع کردہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

۸۸ روزنامہ قومی آواز پٹنہ، ۲۱/ مارچ، ۱۹۹۱ء

۸۹ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص ۵۴۷

۹۰ ایضاً، ص ۵۴۸

۹۱ شاہد رام نگری: نقیب، پھلواری شریف پٹنہ،

۹۲ روزنامہ قومی آواز پٹنہ، ۲۱/ مارچ، ۱۹۹۱ء

۹۳ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ، ۲۱/ مارچ، ۱۹۹۱ء

باب دوم

مولانا رحمانی اور امارت شرعیہ

ہندوستان کے جن علمی خانوادوں نے دین وملت کی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں اور جن کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں ۔ ایسے ہی خاندانوں کی فہرست میں ایک نام بہار کے ''خاندانِ رحمانی'' کا بھی ہے، جس کی عظیم خدمات تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں اور آج بھی اس کی ان خدمات کو امتیازی شان حاصل ہے ۔ اسی کی ایک کڑی مولانا منت اللہ رحمانی بھی ہیں جن کی خدمات جلیلہ کی ایک طویل فہرست ہے ۔

شخصیت کا اجمالی تعارف:

مولانا منت اللہ رحمانی جیسے عالم دین بزرگ، مرد مجاہد، قوم کے دردمند جنہوں نے اپنی پوری زندگی خدمت خلق، قوم وملت کی بیداری وترقی اور اس کی اصلاح ظاہری و باطنی کی خاطر وقف کردیا ہو اور جس کے شب و روز ہی اسی فکر میں گزرتے کہ کیسے مسلمان اپنی شریعت مطہرہ پر چلنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے بن جائیں نیز یہ کہ مسلمانوں کے دینی وملی مسائل کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی مسائل بھی کیسے سُدھر جائیں ۔ ایسی دردمند ملت اور باکمال شخصیت کی خدمات کو یکجا کرنا آسان کام نہیں۔

آپ (مولانا منت اللہ رحمانی) ایک ممتاز عالم دین، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ اور قوم و ملت کے بے لوث خادم تھے ۔ آپ مسلمانوں کی اصلاح و سربلندی کی خاطر برابر فکرمند اور مساعی رہتے تھے ۔ آپ کی توجہ، دلچسپی اور سرگرمی کا محور ہی یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا قومی وملی امتیاز و تشخص باقی و برقرار رہے اور اپنے عقیدہ و مذہب پر مضبوطی سے قائم رہ کر ملک میں باعزت اور باوقار زندگی گزاریں ۔ ایسے مقدس اور پاکیزہ مقصد کے حصول کے لیے وہ عمر بھر جدوجہد فرماتے رہے اور نامساعد حالات میں بھی بڑی دلیری اور بے جگری سے حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ مصلحتیں کبھی

آپ کو خاموش نہ کرسکیں ، بلکہ آپ وقت کی آواز بنتے رہے اور ضرورتوں کو پہچانتے رہے ، نیز پوری بصیرت ، دانائی اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ علوم دینیہ کے احیاء مسلمانوں کی شناخت ، دینی تشخص کی حفاظت اور شریعت اسلامیہ کی پاس داری کی خاطر کمر بستہ رہے۔

آپ کی دینی ، تعلیمی اور قومی وملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے اور آپ کے جذبہ خدمت اور انداز تربیت کے بہت سارے نمونے افراد اور اداروں کی شکل میں بھی موجود ہیں۔ ''امارت شرعیہ'' ''جامعہ رحمانی خانقاہ'' ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' وغیرہ جیسے اہم ادارہ آپ کی خدمات جلیلہ کے وہ روشن مظاہر ہیں جنھیں تاریخ کبھی بھلا نہ پائیں گی۔

آپ اس دنیا سے چلے گئے لیکن اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے ۔ کاموں کا سلیقہ اور جینے کا کا طریقہ چھوڑ گئے کہ آج بھی اس کو اپنی زندگی میں داخل کرلیں تو کامیابی کی بلندی کو چھوا جاسکتا ہے۔ آپ جس کام میں لگ جاتے پایہ تکمیل تک پہنچادیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مونگیر جیسے مضافات شہر میں رہ کر'' جامعہ رحمانی خانقاہ'' کو ایسا متحرک کردیا کہ مونگیر مرکزیت کے مقام تک پہنچ گیا اور جامعہ رحمانی خانقاہ مرجع خلائق بن گیا ۔ آپ کی محنت ولگن اور اخلاص کی بدولت ہی آپ کی زندگی کے آخری ۲۰ برسوں میں جامعہ رحمانی خانقاہ ملک گیر دینی تحریکات کا مرکز بنا رہا۔

۱۹۴۲ء میں جب آپ خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشینی کے منصب پر فائز ہوئے [۱] تو آپ نے ۴۹ رسال تک مسلسل اس منصب پر رہ کر ارشاد وتلقین اور بیعت وتربیت کا مشغلہ جاری رکھتے ہوئے لاکھوں لوگوں کو اپنے سلوک وتصوف اور روحانی کمالات سے فیض یاب کیا اور جامعہ رحمانی کی تعمیر و ترقی اور تعلیمی وتدریسی معیار کی بہتری کے لیے کوشاں رہے۔

اسی طرح ۱۹۵۷ء میں امارت شرعیہ جیسی شرعی تنظیم اور باوقار دینی ادارہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔[۲] اور آپ کو امارت شرعیہ کا چوتھا امیر منتخب کیا گیا تو ایسا کام کیا کہ منصب کی عظمت ہی بڑھ گئی۔ آپ کے عہد میں یہ صوبے کا ادارہ پورے ملک میں معتبر اور باوزن ہوگیا۔ آپ نے اپنی بیش قیمت زندگی کے ۳۴ رسال اس ادارے کے لیے وقف کیے اور امیر شریعت رہتے ہوئے مسلمانوں

کے جملہ دینی وملی امور ومعاملات میں ایک ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔

ان ساری ذمہ داریوں کو آپ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ علماء کرام و دانش وران ملت نے آپ کے حسن کارکردگی اور آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کو محسوس کیا تو ان حضرات نے ایک اور بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد کی اور وہ ذمّے داری تھی ۱۹۷۳ء میں آپ کا آل انڈیا مسلم پرنسل لاء بورڈ کا جنرل سکریٹری کی حیثیت سے انتخاب۔[۳] آپ نے یہاں بھی اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اتنی دلچسپی ولگن اور دل جمعی و اخلاص کے ساتھ کام کیا نیز ایسی حکمت عملی اپنائی کہ مسلم مسائل کے ایجنڈے میں یہ مسئلہ اولیت کے مقام کا حامل ہوگیا اور پڑھے لکھے لوگ جو مسلم پرسنل لاء سے واقف نہ تھے اس کے حدود اربعہ سے واقف ہوگئے۔ آپ نے تقریباً ۱۸ سال تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی نظامت کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے فتنوں اور سازشوں کو ناکام کیا۔ یہ سب آپ کی ایسی خدمات ہیں کہ امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔[۴]

مولانا اور امارت شرعیہ:

آپ کی خدمات جلیلہ کی ایک کڑی ادارہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ ہے جو کہ آپ کی عظیم خدمات کی نشان دہی کرتا ہے اور ''امیر شریعت'' جیسے عظیم لقب کی ایجاد و اختراع اس ادارے کی ہی مرہون منت ہے۔ اس لیے امارت شرعیہ کے تذکرے کے بغیر یہ عنوان بھی ادھورا ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ پہلے امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کی حقیقت کا جائزہ لیا جائے کہ امارت کیا ہے؟ اس کی اہمیت وضرورت اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

امارت شرعیہ:

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ وجھارکھنڈ کی ایک باوقار دینی وملی وشرعی تنظیم اور متحدہ پلیٹ فارم ہے جو مسلمانوں کو ایک اجتماعی زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے اور شرعی احکام کو مسلمانوں کے اندر

نافذ کرتا ہے اور شرعی معاملات میں اس کی بہتر رہبری کرتا ہے۔

بنیادی مقاصد:

امارت شرعیہ کے بنیادی مقاصد پانچ ہیں:

۱۔اقامت دین، ۲۔تحفظ مسلمین، ۳۔تعلیم وتربیت، ۴۔اتحاد واتفاق، ۵۔خدمت خلق۔

۱۔اقامت دین:

اس کے اندر قضاء کا پورا نظام آ گیا جس کے تحت مسلمانوں کے اندر ایسی بیداری پیدا کرنا ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھال سکیں اور اجتماعی زندگی میں جو شریعت کے احکام ہیں انھیں اپنی زندگی میں نافذ کرسکیں اور آپس کے تمام نزاع کو شریعت کے مطابق حل کرسکیں۔ بالاختصار منہاج نبوت پر ایسا شرعی نظام قائم کرنا جس کے مطابق مسلمان صحیح شرعی زندگی گزار سکیں اس کا دائرہ کار ہے۔

۲۔تحفظ مسلمین:

اس کے اندر مسلمانوں کے جملہ اسلامی مفادات اور حقوق کی حفاظت کرنا اور اس کے لیے عملی اقدامات کرنا۔ قبرستان، مساجد، دینی مدارس اور دینی اداروں کے مفادات کی حفاظت کرنا شامل ہے۔ نیز فسادات وغیرہ کے مواقع پر حکومت سے احتجاج کرنا، مضبوط انداز میں اپنے موقف کو پیش کرنا، فسادات کے سدِ باب کی ہر ممکن سعی کرنا اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو مالی تعاون فراہم کرنا اور ان کی بازآبادکاری کی کوشش کرنا تحفظ مسلمین کے مشتملات ہیں۔

۳۔تعلیم وتربیت:

اس کے تحت مسلمانوں سے جہالت دور کرکے ان میں تعلیم وتربیت کو عام کرنا، علم کی روشنی کو گھر گھر پہونچانا اس کے لیے گاؤں گاؤں، دیہات دیہات میں مکاتب کا خودکفیل نظام قائم کرنا،

مدارس کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور نظام تعلیم کو بہتر اور مستحکم بنانا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑے پیمانے پر ادارے قائم کرنا اور مسلمانوں میں عصری تعلیم عام کرنے کے لیے اور ان کے معاش کو مستحکم کرنے کے لیے نئی نسل کو ٹکنیکل تعلیم سے آراستہ کرنا امارت کے اہم کام ہیں۔

۴۔اتحاد و اتفاق:

اس کے تحت مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمہ **لاالہ الاالله محمدٌ رَّسولُ اللّٰه** کی بنیاد پر مجتمع کرنا بنیادی مقصد ہے تا کہ ان کے اندر اجتماعی قوت پیدا ہو اور یہ اختلاف و انتشار کے شکار ہو کر شکست و ریخت سے دو چار نہ ہوں۔مسلکی اور نسبی اختلافات کو پاٹنے کی کوشش کرنا بھی اسی شق میں آتا ہے۔

۵۔خدمت انسانیت:

اس کے تحت عام آدمی کے لیے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا شامل ہے۔مثلاً صحت عامہ کی حفاظت کے لیے ہسپتال قائم کرنا۔مختلف جگہوں پر طبی کیمپ لگانا، حادثات اور آفات کے موقع پر بلا امتیاز مذہب وملت ہر مصیبت زدہ کی امداد اور ریلیف ورک اسی خدمت انسانیت کے مظاہر ہیں۔

امارت اور اس کے شعبے:

امارت شرعیہ کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔کام کی اس ہمہ گیری اور وسعت کے پیش نظر اس کے نظام کو آٹھ شعبوں پر منقسم کر دیا گیا ہے۔

ا۔شعبہ تبلیغ ،۲۔شعبہ تنظیم ،۳۔شعبہ تعلیم مذہبی وعصری ،۴۔شعبہ افتاء ، ۵۔شعبہ قضاء ، ۶۔شعبہ تحفظ مسلمین ،۷۔شعبہ نشر واشاعت ،۸۔شعبہ بیت المال۔[۵]

اس کے علاوہ اب تعمیرات اور ریلیف فنڈ کا بھی ایک مستقل شعبہ ہو گیا ہے اسی طرح امارت کے ذیلی شعبوں میں مولانا سجاد میموریل اسپتال ، امارت ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ اور شعبہ امور مساجد اور

کتب خانہ ہے۔

ذیل میں بالاختصار ان شعبوں سے متعلق ذمّہ داریوں کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ شعبۂ تبلیغ:

یہ شعبہ اسلام کی اشاعت کے خاطر ہے جو مسلمانوں کے ایمان وعمل کی اصلاح اور اسلام کی نشر واشاعت کرتا ہے اور مسلمانوں کے اندر دینی جذبہ کو اُبھارتا ہے۔ دین کا تعلق مسلمانوں میں پیدا کرتا ہے، غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت دیتا ہے اور معاشرے کے اندر سے غیر اسلامی رسوم ورواج کو مٹاتا ہے، اسلام کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں اس شعبہ کی کارکردگی قابل قدر ہے۔

۲۔ شعبۂ تنظیم:

اس شعبہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک کلمہ کی بنیاد پر متحد کیا جاتا ہے۔ مسلکی اور نسبی اختلافات کو پاٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک امیر کے تحت تنظیم اور اجتماعی زندگی گزارنے کا درس دیا جاتا ہے اور افتراق وانتشار سے بچایا جاتا ہے۔

۳۔ شعبۂ تعلیم مذہبی وعصری:

مسلمانوں میں تعلیم کو عام یا ان کے اندر سے جہالت دور کرنا، گاؤں گاؤں مکاتب و مدارس قائم کرنا، تعلیم کو بہتر اور مضبوط بنانا اور اس کے علاوہ مسلمانوں میں جدید اعلیٰ تعلیم کی ہمت افزائی اور اس کا انتظام کرنا نیز ان کے معاش کی خاطر ٹکنیکل تعلیم سے انھیں آراستہ کرنا، یہ سارے امور اس شعبے کے تحت آتے ہیں۔

۴۔ شعبۂ افتاء:

مسلمانوں کے روز مرّہ کی زندگی میں آنے والے طرح طرح کے مسائل خواہ ان کا تعلق

عقائد، عبادات، معاشرت اور معاملات سے ہو یا زندگی کے کسی اور شعبے سے اس کا حل شرع اسلامی کی روشنی میں ڈھونڈنا اور اس کا شرع اسلامی کی روشنی میں جواب دینا اور مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی کرنا، یہ اس کا بنیادی فریضہ ہے۔ خاص طور سے دور حاضر کے بدلتے ہوئے نت نئے مسائل، تہذیبی و فکری انقلاب، سائنس کی بلندی اور بدلتے ہوئے معاشی اقدار نے جن پیچیدہ مسائل کو جنم دیا ایسے پیچیدہ مسائل کا حل اصول و قواعد فقہ اسلامی کی روشنی میں نکالنا اس کی خاص ذمہ داری ہے۔

الحمد للہ امارت کے اس اہم شعبہ نے بخوبی اپنی ذمّہ داریاں انجام دی ہیں۔ اس نے صوبہ اور بیرون صوبہ سے آئے ہوئے لاکھوں دینی مسائل کا جواب فقہ اسلامی کی روشنی میں دیا۔ یہ مستحسن اقدام ملک و ملّت کے تئیں امارت کی عظیم الشان خدمت ہے۔

۵۔ شعبۂ قضاء:

امارت شرعیہ کا یہ سب سے اہم اور اپنی نوعیت کا منفرد شعبہ ہے۔ یہاں مسلمانوں کے باہمی جھگڑے بالخصوص طلاق، فسخ نکاح اور وراثت وغیرہ کے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے باہمی نزاعات کو شرع اسلامی کے مطابق دور کرنا اس شعبہ کا بنیادی کام ہے۔ لہذا اس مقصد کے لیے یہاں باضابطہ قاضی مقرر کیے جاتے ہیں جو فقہ اسلامی اور شرعی قوانین میں مہارت رکھتے ہیں اور وہی مسلمانوں کے ان پیچیدہ مسائل و مشکلات کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔

۶۔ تحفظ مسلمین:

امارت شرعیہ کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد مسلمانوں کے مذہبی حقوق، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت، ان کے مذہب و شعائر اسلام کی حفاظت اور شرعی قوانین کو حکومت کے دست بُرد سے بچانا نیز مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور اس کے لیے مطالبہ کرنا ہے۔ ناگہانی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مصیبت زدہ لوگوں کی مدد، سرکاری نصابی کتابوں کی اصلاح کے لیے جدو جہد کرنا

وغیرہ وہ امور وفرائض ہیں جو اس شعبہ کی اہمیت کو بڑھا دیتے ہیں۔

۷۔ شعبۂ نشر واشاعت:

اس شعبہ کا کام مختلف زبانوں میں الگ الگ موضوعات پر کتابیں اور رسالے شائع کرنا ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی واقفیت اور معلومات حاصل ہوں اور ان کے اندر اجتماعی شعور پیدا ہو نیز ان کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ مسلمانوں میں جو غلط رسوم وروایت پیدا ہوگئی ہیں انہیں ان کے ذریعہ مٹایا جانا بھی مقصد ہوتا ہے۔ ملکی مسائل وحالات سے بھی مسلمانوں کو آگاہ و بیدار کیا جانا اور غیر مسلموں میں اسلام کا صحیح تعارف کرایا جانا بھی ان کتب و رسائل کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اب تک سینکڑوں کتابیں اور رسالے شعبۂ نشر واشاعت کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں جو مسلمانوں کے لیے بڑے سودمند ثابت ہوئے ہیں۔

۸۔ بیت المال:

بیت المال امارت شرعیہ کا کلیدی شعبہ ہے۔ دراصل یہ ایک اسلامی خزانہ ہے جس کے تحت مسلمانوں کی زکوٰۃ وصدقات اور عطیات کی رقوم جمع ہو کر صحیح مصارف اور اہم دینی وملی مسائل میں خرچ ہوتی ہیں۔ امارت شرعیہ کے شعبوں اور ان کے ذریعہ انجام پانے والی تمام خدمات کا پورا خرچ اسی شعبہ ''بیت المال'' سے پورا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا تمام شعبوں کی کارکردگی کا زیادہ تر انحصار بیت المال کے استحکام پر ہی ہے۔ اس شعبہ کے ذریعہ فقراء ومساکین، بیوگان و یتامیٰ اور دوسرے محتاجوں کو مستقل امداد اور ماہانہ وظیفے دیے جاتے ہیں۔ دور دراز علاقوں میں قائم مکتبوں کے اساتذہ اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے نادار طلبہ کو ماہانہ اور وقتی وظائف دیا جانا بھی اسی اہم شعبہ کا کام ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات، قدرتی حادثات کے موقع پر متاثرہ افراد اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کا کام اسی شعبہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

مذکورہ تحریروں میں امارت شرعیہ کا اجمالی تعارف اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے شعبہ جات اور ان کی ذمہ داریوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ آگے کے صفحات میں امارت شرعیہ کی ضرورت واہمیت اور اس کی شرعی حیثیت کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

امارت شرعیہ کی اہمیت وضرورت:

اسلام میں اجتماعیت کو اہم مقام حاصل ہے۔اس کے اندر جملہ احکام میں اجتماعیت کا وصف ہی اُسے سارے ادیان و مذاہب میں ممتاز کرتا ہے۔شریعت مسلمانوں کو الگ الگ گروہ میں بٹ کر زندگی گزارنے کی تعلیم نہیں دیتی ہے بلکہ مربوط و منظّم جماعتی حیثیت سے زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں ملت، امت اور جماعت وغیرہ کے جو الفاظ ہیں وہ اسی اجتماعی زندگی پر دلالت کرتے ہیں۔منتشر افراد کی تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ ہو شریعت کی نگاہ میں اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ اجتماعیت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہوں تو تھوڑی سی تعداد قدر و احترام کی حامل ہوجاتی ہے۔

اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت:

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس کا دائرہ صرف عبادات و معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں تک اس کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ انسان کی محض روحانی اور اخلاقی تربیت کر کے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس کی معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر کرتا ہے اور اس کے لیے اپنے مخصوص احکام و اصول گوش گذار کرتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان انفرادی زندگی میں خدا کے احکام کو بجا لاتا ہے اور اجتماعی زندگی میں من مانی اور عقلی راہ اختیار کرتا ہے تو اسلام اس کی زندگی اور اس کے طریقوں کو منافی ومخالف قرار دیتا ہے۔اس کا یہ طریقہ قطعاً اسلامی نہیں کہلائے گا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام خالص عبادات جیسے اعمال کو بھی ایک خاص نظم و ڈسپلن کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر اجتماعی زندگی میں من مانی، انتشار اور خودسری کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ اجتماعی زندگی اختیار کرنے

اورتفرقہ وانتشار سے بچنے کا حکم قرآن وحدیث میں بھی موجود ہے۔ اجتماعیت اور اتحاد واتفاق سے متعلق قرآن شریف میں ارشاد باری ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا. ۶

(اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور ایک ہو جاؤ جدا جدا یعنی فرد فرد اور ٹولی ٹولی میں نہ رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو)

چنانچہ اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو ایک جماعت کی شکل میں زندگی گزارنے کی ہدایت کی گئی ہے اور تفرقہ سے روکا گیا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ مسلمانوں کا طرّۂ امتیاز بتایا جاتا ہے:

وامرهم شورىٰ بينهم ۷

(ان کا یعنی (مسلمان کا) کام باہمی مشورہ سے انجام پاتا ہے)

اس جگہ بھی مسلمانوں کے اجتماعی نظم کو سراہا گیا ہے، کیوں کہ تمام کاموں کا باہمی مشورے کے ذریعہ انجام پانا جماعتی نظم وضبط کے بغیر ناممکن ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: "**عليكم بالجماعة**" ۸

(تم پر جماعت لازم ہے)

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلم للمسلم كالبنيان يشد بعضه بعضاً ۹

(ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی ہے اور دوسرے کو سہارا دیتی ہے)

اجتماعیت کی زندگی کی اہمیت وتاکید سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل احادیث نبویہ بھی دعوت ملاحظہ دیتی ہیں:

عن عبد اللہ ابن عباسؓ لیس احد یفارق الجماعة شبرا فیموت الامات میتة جاهلیةً ۱۰؎

(حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی باہر جائے گا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی)

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:

ید الله علی الجماعة ومن شَذَّ شُذَّ فی النار ۱۱؎

(اللہ کا ہاتھ (مدد) جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ آگ میں ڈالا گیا)

ان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا یہ حکم ہے کہ وہ جماعتی زندگی گزارے، کیوں کہ جماعتی زندگی کا ترک اسلامی زندگی کا ترک ہے۔ ان احکام کی روشنی میں اجتمای زندگی کی اہمیت واضح ہے۔ اسی کے پیشِ نظر امارت شرعیہ بہار اڑیسہ (اور موجودہ جھارکھنڈ) کا قیام عمل میں آیا۔

قیامِ امارت شرعیہ:

اس کا قیام دراصل ۱۹/شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶/جون ۱۹۲۱ء میں پٹنہ کے اندر علماء کرام کے ایک بڑے جلسے میں جس کی صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرما رہے تھے عمل میں آیا۔ قیام امارت کے ساتھ ساتھ انتخاب امیر شریعت اول اور نائب امیر شریعت بھی اسی جلسہ میں تقریباً پانچ سو علماء و مشائخ کی موجودگی میں انجام پایا۔ اور اسی جلسہ میں حضرت مولانا شاہ بدالدین قادریؒ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا بحیثیت امیر شریعت اول انتخاب ہوا۔

امارت شرعیہ کے قیام سے متعلق جس جلسے کا انعقاد عمل میں آیا تھا اُسے ایک نظر میں بالاختصار یوں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے:

قیام امارت : ۱۹/شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶/جون ۱۹۲۱ء

مقام جلسہ	:	محلّہ پتھر کی مسجد، بانکی پور پٹنہ
صدر جلسہ	:	حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ
مجلس استقبالیہ کے صدر	:	حضرت مولانا سید شاہ حبیب الحق عمادیؒ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب سیٹی۔
شریک جلسہ علماء کی تعداد	:	تقریباً پانچ سو [۱۲]

تاریخی پسِ منظر:

امارت کے قیام کا تاریخی پسِ منظر یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا اور ہندوستان میں انگریزی حکومت اقتدار میں آ گئی اور مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوگیا تو علماء کرام اور درد مندان ملت اس نازک وقت میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی طرف متوجہ ہوگئے اور شریعت کی حفاظت اور نظامِ شرعی کے قیام کی جدو جہد شروع کردی۔ بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی تحریک خلافت اور تحریک آزادی نے پورے ملک میں ایک عام بیداری کی لہر پیدا کردی ،اسی کے پس منظر میں ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ فی الہند کے قیام کی تجویز منظر عام پر آئی۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد جو اس وقت جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ تھے اس تجویز کے زبردست علم بردار تھے اور جملہ اکابر علماء کی تائید بھی آپ کو حاصل تھی، لیکن بعض اسباب اور ملکی حالات و مسائل کی بنا پر کل ہند امارت شرعیہ کا قیام عمل میں نہ آسکا تو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے صوبائی سطح پر اس کے قیام کی کوشش کردی اور پوری قوت سے اس دینی فریضہ کی طرف علماء کو متوجہ کیا اور اجتماعی نظام کے قیام کی دعوت دی۔

بالآخر ۱۹۲۱ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کوشش کو کامیاب فرمایا اور امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ قطب دوراں حضرت مولانا محمد علی مونگیری، بدر الکاملین حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی تائید وحمایت سے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قیام

عمل میں آیا اور یہ سعادت بہار کے مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

الحمد للہ یہ تنظیم آج تک صوبہ بہار پٹنہ میں موجود ہے اور اپنے فرائض و مقاصد کو بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔ قانون شریعت کا نفاذ کرنا، مسلمانوں کے مسائل خواہ وہ دینی ہوں یا ملی ان کا مناسب حل تلاش کرنا اور نظام شرعی کے قیام اور اس کے تحفظ کی مسلسل جدو جہد اور منظّم کوشش کرنا اس کا ایک اہم مقصد ہے۔ اسلام جس اجتماعی زندگی کا مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے موجودہ دور میں امارت شرعیہ اس کی بہترین عملی شکل ہے۔ آج وہ بہار و اڑیسہ و جھارکھنڈ کے مسلمانوں کا ایک قیمتی سرمایہ بنا ہوا ہے۔

بانی امارت شرعیہ:

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ جیسے باوقار دینی و ملی ادارہ کے قیام کی سعادت مفکر اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کو حاصل ہے، [۱۴۰] جنہوں نے شریعت کی حفاظت اور نظام شرعی کے قیام کی خاطر اس کے لیے زوردار تحریک چلائی اور اس کو ضلع پٹنہ بہار میں قائم فرمایا۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں پنہہ ضلع پٹنہ بہار میں پیدا ہوئے۔[۱۴۱] آپ انتہائی خوش حال خاندان کے چشم و چراغ تھے لیکن قدرت نے کچھ ایسا مزاج عطا کیا تھا کہ آبائی جائداد سے دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ نجی تعلیم کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں پڑھتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند بھی گئے، چھ ماہ بعد ہی دل یہاں سے اُچاٹ ہوگیا، چنانچہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تعلیم مکمل کی اور وہیں مدرس ہوگئے، کچھ مدت کے بعد وطن واپس آئے تو گیا میں مدرسہ انوارالعلوم قائم کیا۔ آپ وقت کے بڑے مجاہد اور عملی انسان تھے۔ دل میں قوم کا درد تھا، جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے بھی پہلے ۱۹۱۷ء میں انجمن علماء بہار قائم کیا۔ مولانا آزادؒ کی تحریض و تحریک پر ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی تشکیل کی۔

مولانا سجاد میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ جمعیۃ میں انہوں نے مختلف خیال کے لوگوں کو جوڑنے

کی کوشش کی ۔ جب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں کو امیر شریعت کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تو آپ نائب امیر شریعت ہوئے ۔لیکن اس کے باوجود آپ اپنی شب و روز کی جدو جہد سے اس ادارے کو خون جگر سے سینچتے رہے اور درحقیقت آپ ہی اس کے روح رواں کہلائے ۔ بہار میں یہ نظام آپ کی کوششوں کی بدولت ہی آج تک نہ صرف یہ کہ قائم ہے بلکہ پھل پھول رہا ہے۔

آپ کے پاس ایک عظیم فکر اور اسکیم سازی کا نرالہ فن تھا۔قانونی موشگافیوں (داؤ پیچ) سے کماحقہ واقف تھے۔ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں آپ نے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی بنائی اور صوبہ بہار اسمبلی کے لیے الیکشن لڑا کر پارٹی کو اس طرح کامیاب کرایا کہ آپ کی پارٹی نے ہی وزارت بنائی جو نہایت کامیابی کے ساتھ چلی ۔ بہار کانگریس اور دوسری پارٹیوں کو شکست ہوئی۔

آپ مولانا آزادؒ اور مولانا محمد علی مونگیریؒ کی تحریروں سے متاثر ہوکر ہی سیاست میں آئے ۔ مولانا سجاد اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مل کر خلافت کمیٹی قائم کی اور آپ اس کے فعال رکن بنے ، لیکن آپ کا دل تو قیام جمعیۃ العلماء ہند کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ امارت شرعیہ کی عظیم خدمات کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے نظام کا بوجھ بھی آپ نے سنبھالا ۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے ستونوں میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس جون پور ۱۹۴۰ء میں جب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر منتخب ہوئے تو مولانا سجادؒ کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند کی آبیاری میں جہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے فعال اور بے لوث پیکر، علم وعمل نیز حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے صاحب علم و فکر اور مولانا احمد سعید جیسے ناظم اعلیٰ نے حصہ لیا اور اس پودے کو تناور درخت بنایا وہیں مفکر اعظم حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کی خدمات نے اس تنظیم میں ایک نئی روح پھونکی ۔ [۱۵] آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا دماغ کہا جاتا تھا۔ مولانا احمد سعید کی عدم موجودگی میں آپ کو ہی ناظم اعلیٰ اور جماعت کی نگرانی سونپی جاتی۔

کل نفس ذائقة الموت کے اصول و کلیے کے تحت ۱۸؍نومبر ۱۹۴۰ء مطابق ۱۷؍شوال

۱۳۵۹ھ میں آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھلواری شریف پٹنہ کے خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں آپ مدفون ہیں۔

امراء امارت شرعیہ اور مولانا رحمانی:

جیسا کہ قبل اس سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امارت شرعیہ کا قیام ۱۹۲۱ء میں عمل میں آیا اور اس بیچ امارت شرعیہ نے تین امراء کی امارت کو دیکھا جنہوں نے امارت شرعیہ جیسی باوقار اور عظیم ادارہ کی بحثییت امیر شریعت ایک طویل مدت تک خدمات انجام دیں۔ حالاں کہ ان حضرات کے دور امارت کا دائرہ محدود رہا لیکن ان کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان امراء شریعت نے امارت شرعیہ کی ایک نوزائیدہ بچے کی طرح نگہداشت و خدمت کی، استحکام بخشا، اپنے انفاس قدسیہ کے ذریعہ اس کے اندر توانائی بخشی، اُسے برگ و بار لانے کے قابل بنایا اور اس عہدۂ جلیل کی قدر و منزلت کو دوبالا کیا۔ ان میں سب سے پہلا نام حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ہے جنہوں نے ۱۹؍شوال ۱۳۳۹ھ تا ۱۶؍صفر ۱۳۴۳ھ اپنی ذمہ داریوں کو بحثییت امیر شریعت انجام دیا۔

امیر شریعت اول کے بعد ان کے فرزند حضرت مولانا سید محی الدینؒ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ منتخب ہوئے۔ آپ کا انتخاب ۹؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ رحمانی اور صدر استقبالیہ حضرت مولانا سید شاہ قمرالدینؒ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کی صدارت میں ہوا۔ آپ کا زمانہ ۹؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ سے ۲۹؍جمادی الاول ۱۳۶۶ھ تک رہا۔

امیر شریعت ثانی کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید شاہ قمرالدین صاحبؒ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ نے اس عہدہ کو زینت بخشا۔ آپ کا انتخاب ڈھاکہ کے ضلع مشرقی چمپارن کے ایک جلسہ میں ہوا۔ صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ العلماء ہند، صدر استقبالیہ

حضرت مولانا ریاض احمد صاحبؒ سنت پوری چمپارن کے زیر صدارت ۷/شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۷/جون ۱۹۴۷ء میں اس اہم کام کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔ آپ کا زمانہ ۷/شعبان ۱۳۶۶ھ سے ۳۰/رجب ۱۳۷۶ھ مطابق فروری ۱۹۵۷ء تک رہا۔

امیر شریعت ثالث کے وصال کے بعد امارت شرعیہ جیسی عظیم الشان تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے امارت شرعیہ کو نئے سجاد کی ضرورت تھی جو کہ روایتی گدی نشینی نہیں بلکہ فعال متحرک اور زندہ قیادت کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ مفکرین علماء و زعماء حضرات کو امت کے سامنے منصب امیر اور امت کے جماعتی نظام کی اہمیت نیز اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں امارت شرعیہ کے فعال کردار کی ضرورت کا شدید احساس تھا، ساتھ ہی علماء کرام و مفکرین حضرات کو وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کی تنظیم اور مختلف النوع مسائل میں امت کو اپنے اجتماعی وجود کے ساتھ سرگرم عمل کرنے کے لیے امارت شرعیہ کو زندہ قیادت کی سخت ضرورت تھی۔

ان ساری باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھا تو وہ شخصیت مولانا منت اللہ رحمانی کی ہی تھی۔ اس موقع پر ہر طرف سے نگہ انتخاب آپ کی طرف ہی اُٹھ رہی تھی۔ آپ کی علمی گہرائی، بے پناہ عملی صلاحیت اور خدمت خلق کے جذبہ اور تڑپ کو دیکھتے ہوئے علماء اور اکابرین ملت نے محسوس کیا کہ موجودہ حالات میں امارت شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ اور اس میں روح پھونکنے کے لیے منت اللہ رحمانی جیسے عالم و مفکر، حق گو، مدبر، متحرک، فعال اور جری شخصیت کو ہی امارت کی باگ ڈور سونپنا ناگزیر ہے۔

حالاں کہ آپ کو عہدہ اور منصب کبھی عزیز نہ رہا لیکن آپ کے کام اور آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرکے ہی لوگ آپ کو عہدہ قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ دوسرے یہ کہ آپ کا یہ مزاج تھا کہ آسانی سے کسی کام کی ذمہ داری نہیں لیتے اور اگر لیتے تو اس کا پورا حق ادا کرتے۔

چنانچہ یہاں بھی آپ نے علماء کرام کے اصرار و درخواست پر ہی امارت کی ذمہ داری کو قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار فرمایا اور باتفاق رائے انتخاب امیر کے خصوصی جلسہ میں آپ امارت شرعیہ

بہار واڑیسہ کے امیر شریعت رابع کی حیثیت سے منتخب کر لیے گئے۔

آپ کا انتخاب ۲۲ر شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۵ر مارچ ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ عمل میں آیا۔ ۱۶

یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ سے قبل یہ تینوں امراء حضرات ایک ہی خانوادے کے تھے اس لیے قیادت کی تبدیلی ایک معمول کی چیز معلوم ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ہی قیادت کا امتداد تھا لیکن چوتھے امیر شریعت کے انتخاب کا معاملہ دوسرا تھا یہاں قیادت کے ساتھ ہی ساتھ مرکز اور خانوادے کی تبدیلی بھی تھی۔ تاہم اس کے باوجود مولانا رحمانی کا متفقہ طور پر منتخب ہونا ایک خوش آئند بات تھی۔

حالاں کہ جس وقت آپ امیر شریعت منتخب ہوئے امارت شرعیہ کی مالی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی۔ امارت کا رابطہ عوام سے ٹوٹ چکا تھا، لوگوں کے ذہنوں میں امارت شرعیہ کا تصور دھندلا سا گیا تھا۔ بعض حلقوں میں آپ کی مخالفت کا سلسلہ بھی شروع ہوا لیکن آپ نے ان نازک حالات کا مقابلہ بُردباری کے ساتھ کیا اور اس کشتی کو بھنور سے نکال کر امارت شرعیہ کو فعالیت کی حرارت اور روح تازہ بخشی اور اس کی ایسی آبیاری کی کہ آج امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں ہی نہیں پورے ملک میں بلکہ عالم اسلام میں اپنی امتیازی شناخت کے ساتھ متعارف ہے اور مسلمانوں کی دینی، اجتماعی، سماجی، تعلیمی اور معاشی زندگی میں ہر جگہ امارت کو موجود دیکھا جاسکتا ہے۔ اسلام کی سربلندی اور ہندوستان میں شریعت کے تحفظ اور اس کی تطبیق و تنفید کے عظیم الشان کام میں امارت شرعیہ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ اور حضرت امیر شریعت رابع کی ملی خدمات کی طویل فہرست میں بھی انہیں شانِ امتیاز حاصل ہے۔

حالاں کہ امارت شرعیہ کا قیام کافی پہلے عمل میں آچکا تھا آپ سے پہلے امارت نے تین امراء کی قیادت کو دیکھا لیکن آپ کی سربراہی میں اس ادارے نے جس طرح ہمہ جہت ترقی کا مظاہرہ کیا وہ لائق ستائش اور ناقابل فراموش ہے۔

حضرت امیر شریعت نے اس منصب پر فائز ہونے کے بعد دفتر امارت کا معائنہ فرمایا اور پہلا

حکم کتاب الاحکام پر تحریر کیا وہ کئی نمبروں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے نمبر میں آپ نے امارت شرعیہ کے مقصد، فرائض اور طریقۂ کار کی وضاحت فرمائی۔ ذیل کی سطروں میں امارت سے متعلق مولانا کے جامع نقوشِ راہ ملاحظہ فرمائیے:

''امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے۔ جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدت پر مسلمانوں کی شرعی تنظیم ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہوں اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گزار سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد عظیم تعصب، تنگ نظری، پارٹی بندی اور اپنے مقصد سے ہٹے ہوئے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کارکنان امارت کا فرض ہے کہ وسعت نظر اور فراخ دلی سے کام لیں، پوری یکجہتی کے ساتھ مقصد عظیم پر نظر جمائے ہوئے فروعی اور جزئی اختلافات سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اور جب تک کسی مسلک اور خیال سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ ہو، رواداری ترک نہ کریں۔ ہر معاملہ میں اور بالخصوص تبلیغ و ہدایت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں زمانہ رسالتؐ اور عہد صحابہؓ کے اسوہ کو مشعل راہ بنائیں۔ اور ایسا طریقہ اختیار کریں کہ مختلف مسلک اور خیال کے ادارے اور اشخاص مقصد عظیم کے لیے امارت شرعیہ کے گرد یہ حسن ظن رکھتے ہوئے جمع ہوسکیں کہ یہاں ان کی انفرادیت پر حملے نہ ہوں گے اور نہ ان کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

امارت شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں اس فکر اور طریقہ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لیے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازمی ہوگی۔'' [۱۷]

اس حکم کو پڑھنے پر اس کا ہر لفظ امارت شرعیہ کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حقیقت ہے کہ آپ نے اپنی امارت کے پورے دور میں اس پر عمل کیا اور کرایا اور مسلمانوں میں

اختلاف کی خلیج کو پُر کرنے کی شب و روز کوشش کرتے رہے۔ آپ کے مشن کا بنیادی مقصد ہی اتحاد اسلامی تھا اس لیے آپ نے مسلمانوں کو فروعی مسائل کو نظر انداز کر کے متحد ہونے کی دعوت دی اور انہیں یقین دلایا کہ فروعی مسائل کا اختلاف اور مشرب و مسلک کی علیحدگی اس راہ میں حائل نہ ہوگی اور ہر شخص جزوی اختلافات کی بنیاد پر پیدا شدہ انفرادیت کو محفوظ پائے گا۔

امارت شرعیہ آپ کے عہد امارت میں:

آپ نے اپنے عہدِ امارت میں دو امور کو بطور خاص مرکز توجہ بنایا۔ پہلا تو یہ کہ امارت کو عامّۃ المسلمین میں پوری طرح متعارف کرایا جائے تا کہ وہ امارت کی افادیت محسوس کر کے اجتماعی زندگی گزار سکیں اور اتحاد و اتفاق کی لڑی میں مضبوط و مستحکم ہوسکیں۔ کیوں کہ آپ نے اس تحریک کی افادیت و ضرورت اور مسلمانوں میں اس کی مقبولیت کے بارے میں امارت کی پچھلی تاریخ کو سامنے رکھ کر غور فرمایا اور آپ نے محسوس کیا کہ اگر چہ مرکزی طور پر امارت کے مختلف شعبے سرگرم عمل ہیں اور جزوی طور پر صوبہ کے بعض مقامات پر امارت کی تنظیمیں بھی ہیں لیکن یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ صوبہ کے مسلمانوں کے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں اور نہ زندگی کے آثار باقی ہیں۔ امارت کیا ہے؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ مسلمانوں کو اس کی ضرورت کیوں ہے؟ مسلمان اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟ مسلمانوں کی کن کن اہم مشکلات کا حل ''امارت شرعیہ'' کے ساتھ جُڑا ہوا ہے؟۔ یہ سب ایسے بنیادی مسائل تھے جن کے بارے میں عام مسلمانوں کے ذہن میں کبھی کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور وہ ان کے مسائل سے قطعاً نا آشنا تھے۔ خاص کر اگر تھوڑا بہت اس کا علم بھی تھا تو ان کے احساسات مردہ تھے اور جذبات کی لو مدھم پڑ چکی تھی۔

ان سارے حالات کے مدِّ نظر آپ نے پہلا ضروری اور بنیادی کام جو محسوس کیا وہ یہی تھا کہ مسلمانوں کی یہ غفلت دور کی جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ اسلام کیا چاہتا ہے؟ اس کے مطالبات کیا ہیں؟ اسلام اور امارت میں کیا رشتہ ہے؟ تنظیم کیوں ضروری ہے؟ موجودہ دور کے تقاضے کیا ہیں

اور یہ امارت ان تقاضوں سے کتنا ہم آہنگ ہے؟۔

یہ چند وہ بنیادی سوالات تھے جن کے لیے مسلمانوں کے ذہن وفکر کو جھنجھوڑنا آپ ضروری سمجھتے تھے، تاکہ مسلمان ان بنیادی مسائل پر بھی سوچنے کی ضرورت محسوس کریں اور اس اہم کام کے لیے وقت دے سکیں اور پھر وہ ایک مضبوط تنظیم کے ساتھ اپنے بنیادی مسائل کو حل کرنے کی جدو جہد کرسکیں۔

ان بنیادی ضرورتوں کے پیشِ نظر آپ نے بہار واڑیسہ کے تمام اہم مرکزی مقامات پر خود جاکر، امارت کے وفود بھیج کر، مقامی باصلاحیت لوگوں کی کمیٹیاں بناکر، امارت کے مبلغین کے ذریعہ نیز امارت کے آرگن ''نقیب'' کے ذریعہ دونوں صوبوں میں مسلمانوں کو زندگی کا پیام آپ نے پہونچایا اور انہیں اس ناگریز تحریک کی طرف دعوت دی جو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے زینۂ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے بہار واڑیسہ کے طول وعرض کا دورہ کرکے امارت کا تعارف اس کے مقاصد، اس کی ضرورت واہمیت اور اس کے فوائد کو واضح اور مدلل انداز میں بیان کیا اور مسلمانوں کو اس تنظیم کی حقیقت سے روشناس کرایا۔

حضرت امیر شریعتؒ کے ان مسلسل دوروں، امارت کی تنظیم اور مسلمانوں کی زبردست بیداری کو دیکھ کر شر پسندوں نے چاہا کہ امارت کے بڑھتے ہوئے قدم کو روک دیا جائے اور زمانے کے بعد بیداری کا جو صور مسلمانوں میں پھونکا جارہا ہے اُسے خاموش کردیا جائے۔ نیز زندگی کی جو شمع ان کے اندر روشن کی جارہی تھی اُسے بجھا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں بعض اخبارات نے اس جانباز مجاہد اور امارت کے خلاف مسلمانوں کو بہکانے کا مشن زور وشور سے شروع کردیا، لیکن آپ کا کام سطحی نہ تھا جو ان معمولی جھونکوں سے اُکھڑ جاتا۔ آپ کو اللہ نے عزوم واستقلال کا پیکر بنایا تھا آپ نے قوم کی خاطر گالیاں سُنیں، طعن وتشنیع کے تیر کھائے لیکن ان حالات میں بھی آپ مسکراتے رہے اور پورے صبر واستقلال کے ساتھ کام کو آگے بڑھاتے رہے اس دوران شر پسندوں نے حکومت کو بھی بدگمان کرنا چاہا تاکہ امارت کے بڑھتے ہوئے قدم کو روک دیا جائے۔ لیکن آپ کی حکمت، دانائی، فہم وفراست،

صبر و استقامت اور قائدانہ صلاحیتوں کے آگے ان کے مشن اور ہتھکنڈوں کو منہ کی کھانی پڑی ۔ غالباً شاعر مشرق علامہ اقبال کے اس کلام نے آپ کو دیوانہ وار مشن میں مصروفِ عمل رہنے کو مہمیز کیا تھا:

اے جوئے آب بڑھ کہ ہو دریائے تند و تیز　　ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول ۱۸

دوسرا اہم مسئلہ آپ کے سامنے یہ تھا کہ اس سیکولر حکومت میں امکانی حد تک مسلمانوں کو اسلامی زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہونچائی جائیں ۔ حضرتؒ نے اس احساس کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی کہ مسلمانان بہار و اڑیسہ کے لیے ''شعبہ قضاء'' کا نظام پوری وست و ہمہ گیری اور نظم و ضبط کے ساتھ جاری کیا جانا چاہیے تا کہ مسلمان اپنی زندگی میں حتی الامکان اسلامی قوانین نافذ و جاری کرسکیں اور نکاح و طلاق، فسخ و خلع اور دیگر باہمی معاملات میں باہمی رضاء سے اپنے مقدمات کے فیصلے اسلامی قانون کی روشنی میں مقررہ قاضی سے کرا سکیں۔

یہی وجہ تھی کہ شعبہ قضاء کے نظام کو آپ پوری وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ قائم کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی اس کو ہر اعتبار سے مکمل اور فعال بنا کر امت کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے ۔ اس شعبے کی اہمیت و ضرورت کا احساس آپ کو شروع سے ہی تھا جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ اس منصب جلیل پر فائز ہوئے اور امارت کے کتاب الاحکام پر آپ نے جو تحریر پہلی مرتبہ درج کی اس میں جہاں آپ نے سب سے پہلے امارت کے مقاصد اور اس کے طریقہ کار کو واضح کیا وہیں دوسرے نمبر میں دارالقضاء کی اہمیت و ضرورت اور تربیت قضاء کو شامل کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے دن سے ہی آپ کو درالقضاء اور تربیت قضاء کی فکر دامن گیر تھی۔

چنانچہ یہاں پر کتاب الاحکام کے دوسرے نمبر کو ذکر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ اس سے اس شعبے کی اہمیت اور تربیت قضاء کی ضرورت کا احساس ہوسکے:

۲۔ ''محکمہ قضا جو امارت کا سب سے اہم شعبہ ہے اس کے نظام کو پورے صوبہ میں پھیلانا بہت ضروری ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچ سکے اور مقدمات کے فیصلے جلد سے جلد ہوسکیں اور اسلامی زندگی گزارنے میں سہولت ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ:

الف۔ جن اضلاع یا کمشنریوں میں ممکن ہو قاضی مقرر کیے جائیں اور اس حلقہ کے مقدمات وہیں دائر ہو کر فیصلہ پائیں۔

ب۔ مقرر کیے جانے والے قاضیوں کی تربیت کا نظم مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف پٹنہ میں کیا جائے کہ وہ مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔'' [۱۹]

یہ تھی آپ کی تحریر کتاب الاحکام میں دارالقضاء کی اہمیت اور تربیت قضاء کے متعلق۔

دارالقضاء کے متعلق آپ کے اقوال بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ذیل میں ان کے چند اقوال ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

آپ فرماتے ہیں:

''دارالقضاء امارت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، مسلمانوں کی تنظیم کے بعد جس کام پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے وہ دارالقضاء ہی ہے'' [۲۰]

اس سے بھی آپ دارالقضاء کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تشبیہ دیا۔ اور تنظیم امارت کے بعد اس کو سب سے اہم مانا۔

اسی طرح آپ نے ایک جگہ فرمایا:

''بغیر نظام امارت و قضاء کے اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت ایک عضو مفلوج و معطل کی ہے جسے سرجن جب چاہے گا کاٹ کر پھینک دے گا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ملک کے گوشے گوشے میں یہ ذمہ داری ہے کہ امارت وقضاء کا نظام قائم کر کے نہ صرف پوری ملت کو اس گناہ عظیم سے بچائیں بلکہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے امیر کی سرکردگی میں حوصلہ بھی پیدا کریں'' [۲۱]

چنانچہ اسی بنیادی مسئلہ کی ضرورت و اہمیت کو دیکھتے ہوئے آپ نے دونوں صوبوں میں دارالقضاء کے قیام کی بھرپور کوشش کی اور دونوں صوبوں میں جگہ جگہ دارالقضاء قائم کیے۔ قضاۃ کرام کا تقرر کیا۔ دارالقضاء کے لیے مناسب جگہوں کا انتخاب کیا، محکمہ قضاء کو وسعت دینے اور قضاۃ کرام کی

تربیت کے نظم کی طرف توجہ دلائی۔ مسلمانوں کو سرکاری عدالتوں کے بجائے شرعی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے عہد میں ہی نظام قضاء صوبہ بہار سے گذر کر شمالی ہند اور جنوب ہند کی مختلف ریاستوں میں وسیع و مستحکم ہوگیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ نے قضاء کو وسعت دینے اور اسے استحکام بخشنے کے علاوہ قضاۃ کی تربیت کے نظم کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اسی کے پیش نظر آپ نے تربیت قضاء کے لیے صوبہ بہار واڑیسہ کے ۴۶ علماء وفضلاء کو دعوت دی جس کا مقصد یہ تھا کہ علماء وفضلاء کی کاروائی عملی طور پر برتنے اور تفصیلات سمجھنے کا موقع ملے اور پھر حسب موقع صوبہ بہار و اڑیسہ کے طول وعرض میں ''درالقضاء'' قائم کیے جائیں اور ان حضرات کو تحقیق و تفتیش نیز فصل مقدمات کے اختیارات دیے جائیں جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں شرعی فیصلہ حاصل کرنے کی پوری سہولت ہوگی اور دوسری طرف دونوں صوبوں کے اندرونی علاقوں میں امارت کی متحرک شاخیں موجود ہونے کی وجہ سے ''امارت'' کو سمجھنے، اس کے کام کو قریب سے دیکھنے اور اس کی ''روح'' عام مسلمانوں میں پیدا کرنے کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔

حالاں کہ نظام امارت کافی پہلے وجود میں آچکا تھا لیکن دارالقضاء عملاً صرف اس کے مرکزی دفتر پھلواری شریف میں تھا جس کی وجہ سے صوبہ کے مسلمانوں کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ اسی کے پیش نظر حضرت امیر شریعتؒ نے یہ طے کیا کہ دونوں صوبوں میں جہاں بھی مناسب اشخاص میسر ہوسکتے ہوں وہاں دارالقضاء قائم کیے جائیں، لیکن دارالقضاء کے لیے ضروری تھا کہ ہوش مند، صاحب عقل وفہم اور متدین علماء کا انتخاب کر کے ان کو پہلے قضاء کی تربیت دی جائے کیوں کہ قضاء کا کام علمی اور عملی دونوں ہے اور قاضی شریعت کا جہاں فکرِ اسلامی سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے وہیں دعویٰ دائر کرنے، شہادت و بیان، جرح و بحث اور فیصلہ تک ہر مرحلہ میں عملی جہتیں ایسی آتی ہیں جن کے لیے ان کا تربیت یافتہ ہونا بھی نہایت ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر حضرت امیر شریعت نے دونوں صوبوں کے ۴۶ اکابرین علماء و

مشائخ کا انتخاب کر کے انھیں خانقاہ رحمانی مونگیر آنے کی دعوت دی۔ ان کے نام مندرجہ ذیل مضمون کا ایک خط جاری فرمایا اور ایک مضبوط لائحہ عمل کو بھی اس خط میں ذکر کیا جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

''مکرم بندہ زاد لطفہ'!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ عریضہ ایک اہم دینی ضرورت سے ارسال خدمت ہے، صوبہ میں ہر سال ہزاروں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ لوگ نکاح کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ ظلم وستم کرتے ہیں۔ طلاق دیے بغیر چھوڑ دیتے ہیں، مفقود الخبر ہو جاتے ہیں، مہلک امراض میں مبتلا ہو کر حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں رہتے لیکن ان کی منکوحہ بیوی ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے تو اُسے طلاق بھی نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ان کے نام پر اپنی زندگی نہایت کس مپرسی اور فقر و فاقہ میں گزار دیتی ہے یا پھر غیر شرعی طریقے اختیار کرتی ہے اور طلاق حاصل کیے بغیر کسی دوسرے سے ناجائز طور پر عقد کر لیتی ہے۔ نتیجہ میں اسلامی معاشرہ برباد ہوتا ہے اور دین محمدی کی اعلانیہ خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اب اگر عورت حکومت کی عدالت میں درخواست دے کر ایسے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو ظاہر ہے عدالتوں میں مسلم اور غیر مسلم حاکموں میں کوئی امتیاز نہیں بالعموم عدالتوں میں نکاح کے فسخ کرنے والے حاکم غیر مسلم ہی ہوتے ہیں اور شرعاً ان کا فسخ نافذ نہیں، اس لیے اگر وہ اس قسم کے فسخ کے بعد عقد ثانی کرتی ہے تو پھر بھی زندگی بھر ایک حرام فعل میں مبتلا رہتی ہے، اس لیے اس مشکل کا حل صرف ''امارت شرعیہ'' بہار و اڑیسہ کے پاس ہے۔ اس ادارہ میں نکاح وطلاق کے معاملات کے لیے قاضی مقرر ہیں جن کے فیصلے شرعاً نافذ اور قابل قبول ہیں اس وقت تک دفتر ''دارالقضاء'' امارت شرعیہ صرف ایک ہے اور وہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں ہے، ظاہر ہے کہ ایک دفتر ایک قاضی

پورے صوبہ کی اس اہم اور کثیر الوقوع ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا، اس لیے ضروری ہے کہ کہ جہاں جہاں بھی قضاء کا نظم ممکن ہو کیا جائے جس کے ذریعہ متعلقہ حلقہ کی ضرورت پوری ہوسکے۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے پاس اتنا وقت اور اتنا فنڈ نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ باضابطہ دارالقضاء کا دفتر کھول کر باتنخواہ قاضی مقرر کر سکے۔ اس لیے اس اہم دینی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر حسب ذیل لائحہ عمل بنایا گیا ہے۔

۱۔ صوبہ میں ایسے لوگوں کو قاضی مقرر کیا جائے جو دینی علم اور عقل و دیانت میں امتیاز رکھتے ہوں اور اعزازی طور پر اس دینی کام کو انجام دے سکیں۔

۲۔ ان مقرر شدہ قاضیوں کا تعلق کسی مدرسہ سے ہو تو بہتر ہے۔

۳۔ مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ امارت کے مقرر کردہ قاضی کو ہفتہ میں دو دن (جمعرات، جمعہ) قضاء کا کام کرنے کی اجازت دیں۔

۴۔ مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ ایک کمرہ ''دفتر دارالقضاء'' کے لیے عنایت کریں جس پر دفتر کا بورڈ لگا ہوا ہو اور جس میں قاضی بیٹھ کر اپنے فرائض انجام دے سکیں۔

۵۔ مدعی اور مدعا علیہ سے مقدمہ کے اخراجات کے لیے کوئی مقررہ رقم لی جائے نیز عرض دعویٰ بیان تحریری اور درمیانی مراحل کی درخواستوں کے لیے فارم طبع کرا لیے جائیں جو لوگوں کو قیمتاً حاصل ہوسکیں اور اس آمدنی سے مقامی دفتر دارالقضاء کا خرچ پورا کیا جائے۔

۶۔ مذکورہ بالا امور کے پیش نظر جتنے حضرات بھی صوبہ کے اندر مل سکیں انہیں مقررہ تاریخوں پر کسی مناسب جگہ جمع کیا جائے اور روزانہ مقدمات کی پیشی ان کی موجودگی میں ہو نیز وہ حضرات زیر تجویز اور فیصلہ شدہ مقدمات کا مطالعہ کریں تاکہ مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلوں کا اسلوب و نہج ان کے نظر سے گزر جائے اور پھر انہیں مقدمات کے

فیصلے میں سہولت ہو۔

۷۔ مذکورہ بالا تربیت کے بعد انہیں مختلف علاقوں میں بحیثیت قاضی مقرر کیا جائے اور یا تو انہیں فی الفور فیصلہ کے اختیارات دیدیے جائیں یا سردست صرف مقدمات کے فیصلوں کی تکمیل ان کے سپرد رہے اور جب قاضی شریعت کو ان کی پختہ کاری کا یقین ہوجائے تو پھر فیصلہ کا حق بھی انہیں دیا جائے۔

مذکورہ بالا لائحہ عمل کے پیش نظر ۲۹ر محرم ۱۳۷۸ھ (۱۶ر اگست ۱۹۵۸ء) سے ۵ر صفر ۱۳۷۸ھ (۲۱ر اگست ۱۹۵۸ء) تک اور ۱۴ر صفر ۱۳۷۸ھ (۳۰ر اگست ۱۹۵۸ء) سے ۱۹ر صفر ۱۳۷۸ھ (۴ر ستمبر ۱۹۵۸ء) تک خانقاہ رحمانی مونگیر میں مقدمات کی تاریخیں رکھی گئی ہیں اور ان کی سماعت کا نظم رکھا گیا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس دینی کام میں تعاون کریں اور اپنا قیمتی وقت عنایت فرما کر مذکورہ بالا تاریخوں میں مونگیر تشریف لائیں اور مقدمات کی سماعت اور ان فیصلوں کو بچشم خود دیکھیں اور پھر اگر کسی حلقہ میں قضاء کی ذمہ داری جناب کے سپرد دی جائے تو اس کو قبول فرمائیں۔ اس عریضہ کے جواب سے پہلی فرصت میں مطلع فرمائیں نوازش ہوگی، نیز اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے مطلع کریں۔''[۲۲]

منت اللہ رحمانی غفرلہٗ

۳ر محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

دراصل یہ ایک اقتباس ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ اس میں قضاء کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ امارت شرعیہ کا منصوبہ، آئندہ کے لیے لائحہ عمل اور تربیت کے مقاصد، یہ تمام امور اور ساتھ ہی اس خط کے ذریعہ قضاء سے متعلق آپ کے قابل قدر افکار و خیالات کی عکاسی بھی ہوجاتی ہے، اس لیے اسے حوالۂ ناظرین کیا گیا، تاکہ لوگوں کو بھی اس کی اہمیت و ضرورت کا احساس ہو۔

دعوت کا ردِ عمل:

امیر شریعت کے اس خط اور اس دینی دعوت کا علماء اور مشائخ نے خیر مقدم کیا اور اس سعی کو پسند فرمایا۔ مختلف مدارس اور انجمنوں نے اپنی مجلس شوریٰ بلائی اور اس میں ارکان مجلس نے اس جدوجہد پر اپنی خوشی و مسرّت کا اظہار کیا اور مکمل تعاون کا یقین دلایا اور اپنے منتخب نمائندوں کو تربیت کے لیے بھیجا۔ غرض یہ کہ اس مکتوب کے ردعمل میں بہار و اڑیسہ کے دور دراز سے علماء کرام کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت امیر شریعت مولانا رحمانیؒ نے اس پروگرام کو دو مرحلوں میں حضرات علماء کرام کی سہولت کو دھیان میں رکھتے ہوئے کیا اور یہ پروگرام ایک ایک ہفتہ میں انجام پایا، کیوں کہ بہت سے وہ علماء و اکابر جو پہلے ہفتہ میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے دوسرے ہفتہ میں جو ۳۰/اگست سے شروع ہونے والا تھا اس میں ان حضرات نے شرکت فرمائی۔

تربیت کا پہلا ہفتہ:

۲۹/محرم ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۶/اگست ۱۹۵۸ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں اس عظیم دینی کام کا مبارک آغاز حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ کے ان کلمات کے ساتھ ہوا۔

> ''اللہ ہی کے نام سے سارے کاموں کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی اور اسی کے ساتھ ہر طرح کا خیر و فلاح وابستہ ہے۔ پس آج ہم اپنے اس اجلاس کو بھی اسی کے نام سے شروع کرتے ہیں جس کی نظر کرم ہی کے نتیجہ میں ساری نیکیاں تکمیل کو پہونچتی ہیں'' [۲۳]

اس کے بعد حضرت امیر شریعتؒ نے اپنا مقالہ افتتاحیہ اجلاس میں پیش کیا۔ آپ نے اپنے اس اہم تحقیقی و تاریخی مقالے میں ابتداً اسلامی قانون کی اہمیت انسانی معاشرے میں اس کی ضرورت اور پھر ''عمل'' کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فرمایا:

''اسلام جس طریقہ حیات کی رہبری کرتا ہے اس کو عملی زندگی میں جاری و نافذ کرنے کا دوسرا نام قضاء ہے پس قضاء ایک ایسا فریضہ محکمہ ہے جس کا قائم کرنا امت مومنہ کا اولین فریضہ ہے''

پھر آپ نے اسلامی تاریخ کا جائزہ لے کر اس کو ثابت کیا:

''قضا ایسا فریضہ محکمہ ہے جس کی اہمیت کا احساس خلافت راشدہ سے لے کر سلطنت مغلیہ تک تمام مسلم سلطنتوں اور چھوٹی بڑی حکومتوں میں قائم رہا اور تمام مسلم امراء و سلاطین نے اپنے نظام عدل کی بنیاد اسی فریضہ محکمہ پر رکھی۔ یہاں تک کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دور تک یہ نظام کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہا''

پھر آپ نے فرمایا:

''تاریخ کے اس پچھلے دور میں یہ نظام حکومت برطانیہ کی عنایت سے باقی نہ رہ سکا اس مرکزی و بنیادی شعبہ کی موت نے مسلم معاشرہ ہی کو نہیں بلکہ مسلمانوں کی مذہبی و ملی بنیادوں کو متزلزل کر دیا''

آگے آپ فرماتے ہیں:

''اگر چہ اس کے قیام کی جدو جہد پہلے سے جاری تھی لیکن یہ سعادت مفکر جلیل عالم ربانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ ہی کے حصہ میں آئی کہ انہوں نے اپنے رفقاء کی اعانت سے صوبہ بہار و اڑیسہ میں اس فریضہ محکمہ کا احیاء کیا اور مسلمانوں کی عظیم مذہبی خدمت انجام دی''

اس کے بعد امیر شریعتؒ نے اپنا مقالہ کلمات ذیل پر ختم فرمایا:

''روز روز کے حالات نے ہمیں اس شعبہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کی توسیع کی طرف متوجہ کیا۔ اور اسی بنیاد پر آج آپ حضرات کو زحمت دی گئی، اور مسرت کی بات ہے کہ آپ حضرات نے اس مسئلہ کی اہمیت محسوس کر کے زحمتِ سفر

فرمائی۔ اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم لوگوں کی نیتوں میں اخلاص و عمل میں برکت دے اور ہماری اس دینی سعی کو مشکور فرمائے (آمین)'' [۲۴]

اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی کے دوسرے اہم مقالہ کو بھی پیش کیا گیا جس میں آپ نے اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ قضاء کیا ہے؟ زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ قاضی کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ موجودہ دور میں قضاۃ کے علم وفضل اور ان کی ذکاوت و دیانت داری کا کیا معیار سامنے رکھنا چاہیے؟ حضرتؒ نے کتاب وسنت اور تاریخ وسیر کی روشنی میں ان مسائل پر بحث کی ہے۔

یہ اجتماع دو ہفتوں تک چلتا رہا۔ تمام شرکاء نے پوری دلچسپی کے ساتھ اس تعمیری کام میں حصہ لیا۔ مقدمات کی مفصل کاروائی ان شرکاء کے سامنے جاری رہی دوسری طرف دارالقضاء میں پرانے محفوظات (Records) ان شرکاء کو دیے گئے جن کے تفصیلی جائزے ان حضرات سے تیار کرائے گئے تاکہ شرکاء پوری طرح سمجھ سکیں کہ مقدمات کی کاروائی کے دوران کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس اجتماع میں مجلس مقالات بھی منعقد ہوئی جس سے حاضرین کو بڑی دلچسپ اور قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔ بالآخر تربیت قضا کا دو ہفتہ حضرت امیر شریعتؒ کی نگرانی میں بحمد اللہ پوری کامیابی کے ساتھ مکمل ہوا اور لوگوں کو اس کی حقیقت اور اس کی اہمیت کا بھی احساس ہوا۔

قضاۃ کا انتخاب:

قضاۃ کے انتخاب کے معاملہ میں آپ بہت محتاط تھے۔ قاضی کو کن کن صفات کا حامل ہونا چاہیے اور موجودہ دور میں قضاۃ کے لیے علم وفضل اور ذکاوت کا کیا معیار ہونا چاہیے اس بات کا آپ خوب لحاظ رکھتے، اس کے متعلق آپ کا نظریہ کیا تھا ان کی تحریروں کی روشنی میں اظہر من الشمس ہے۔ منصب قضاء کی بابت وہ رقم کرتے ہیں:

''قضاء کا منصب بڑا اہم ہے اور اس سے صرف دنیاوی ہی نہیں دینی مصالح وابستہ

ہیں جو منصب جتنا اہم ہوگا اس کی اہلیت کی شرطیں بھی اتنی ہی اونچی ہوں گی لیکن ہم اور آپ خیر القرون سے بہت دور آچکے ہیں ۔ اس لیے قاضی کی اہلیت و صلاحیت کے لیے گذرے ہوئے زمانوں کا معیار اس وقت تلاش کرنا مناسب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ کام سے بھاگنے کی اچھی تدبیر ہوگی۔ اس وقت ہمیں قاضی کے تقرر کے لیے تین بنادی شرطیں بہر حال ملحوظ رکھنی ہوگی۔''

علم:

علم تو قاضی کے لیے لازم ہی ہوگا ، کیوں کہ قضاء تو نام ہی ہے ''الحکم بما انزل اللہ'' کا۔ جب تک اُسے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کا علم نہ ہوگا فیصلہ کس طرح کرے گا۔ قاضی ابویعلیٰ نے لکھا ہے کہ احکام شرعیہ کا علم قاضی کے لیے ضروری ہے اور اسے جناب رسول اللہ ﷺ کی سنتوں سے بھی واقف ہونا چاہیے اور سلف نے جن امور پر اجماع کیا ہے اس سے بھی اسے بے خبر نہیں رہنا چاہیے اور قاضی کو اس کا اہل ہونا چاہیے کہ مسائل مختلف فیہ میں مجتہدانہ رائے قائم کر سکے۔

عقل وفہم:

عقل وفہم تو ایک بے بہا نعمت ہے جو انسانوں میں بہت تھوڑے لوگوں کو ملتی ہے اور دنیا و دین کے ہر مسئلہ میں کام آتی ہے ۔ اور قضاء میں تو اس کی ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے قاضی اگر بے عقل اور نافہم ہو تو وہ منصب قضاء کی ذمہ داریوں کو انجام دے ہی نہیں سکتا ہے ۔ حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنا چاہا، جانے سے پہلے آپ نے کچھ سوالات کیے۔ اخیر میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ اگر فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کتاب وسنت میں کوئی چیز نہ ملی تو اجتہاد سے کام لوں گا۔ آپ نے معاذ کے اس جواب پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ تو کیا یہ اجتہاد عقل وفہم کے بغیر ممکن ہے؟

عدالت:

عدالت کی شرط بھی قاضی کے لیے لازمی ہے۔ اس کے پاس تو لوگ آتے ہی ہیں عدل وانصاف کے لیے، قرآن میں ارشاد ہوا: **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** (جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسری جگہ یہودیوں کے سلسلہ میں فرمایا گیا: **وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین** (اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) اسلام نے عدل وانصاف کو صرف مسلمانوں کے ہی درمیان ضروری قرار نہیں دیا بلکہ پوری انسانی برادری کے تئیں یہ لازم قرار دیا ہے، جس کی حیرت انگیز مثالیں قرون اولیٰ کے اندر ملتی ہیں۔ بعض امور ایسے ہیں جن سے قاضی کو بہر حال پاک ہونا چاہیے۔ اگر یہ قاضی کے اندر پائے جائیں تو وہ کسی طرح قضاء کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان میں سب سے اہم اور بنیادی چیز رشوت ہے یعنی قضاء وفیصلہ کو پیسے دے کر خریدنے کا عمل جاری ہو۔ رشوت لینے والا قاضی انصاف نہیں دے سکتا۔ ہر زمانے میں رشوت کی مختلف شکلیں رہی ہیں۔ صرف روپے دینا ہی رشوت نہیں ہے اس زمانہ میں ڈالیاں اور پارٹیاں دینا بھی رشوت میں شامل ہیں، سیدنا عمر بن خطابؓ نے قاضی شریح سے فرمایا۔ **لاتشترو لا تبیع ولا ترتش** (نہ تجارت کرو اور نہ رشوت لو) لالچ وطمع بھی قاضی کے لیے سم قاتل ہے۔ اگر قاضی کی نگاہ دوسروں کی جیبوں پر ہوگی تو وہ صلاح وتقویٰ کو کھو بیٹھے گا اور پھر وہ صحیح وعادلانہ فیصلے نہ کر سکے گا۔ امام سرخسیؒ نے لکھا ہے: جب حضرت علیؓ ایک قاضی کا امتحان لینے لگے تو سوال فرمایا: ''قضاء'' کی صلاح کس طرح ممکن ہے؟ قاضی نے جواب دیا ''ورع'' (پرہیزگاری) کے ذریعہ، حضرت علیؓ نے پوچھا اور اس کا فساد کیا ہے؟ قاضی نے

جواب دیا ''طمع'' (لالچ) حضرت علیؓ نے فرمایا: ''قضاء'' تیرا حق ہے......۔ ۲۵

اس طرح قاضی کو مغلوب الغضب نہیں ہونا چاہیے اور اگر اُسے غصہ آتا ہو تو غصہ کی حالت میں مقدمہ کی سماعت اور فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ فقہاء کرام نے اور متعدد شرطیں قضاء کی اہلیت کے لیے لکھیں ہیں۔ مثلاً اسلام، بلوغ، عقل، ظاہر ہے کہ یہ تو ہر دینی کام کے لیے ضروری ہے۔ فقہاء نے منصب قضاء کے لیے مرد ہونا بھی ضروری لکھا ہے۔ ایک مستند فقہی کتاب میں جمہور علماء کا متفق فیصلہ ہے: ''**وذھب جمھور الفقھاء الی عدم جواز ولایة المرأة للقضاء مطلقاً**'' ۲۶ (جمہور فقہاء نے عورتوں کے لیے ولایت قضاء کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے) قرآن میں ارشاد ہوا: **الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضھم علی بعض** ۲۷ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر) اور حضرت اقدس جناب محمدؐ نے فرمایا: **لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأة** ۲۸ (کوئی قوم عورتوں کو والی بنا کر ہرگز فلاح نہیں پا سکتی) قضاء کے اصول پر یعنی فیصلہ کس طرح کیا جائے اور فیصلہ کرنے میں کن باتوں پر نظر رکھی جائے فقہاء کرام نے ان سے متعلق تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وہ خط جو حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا گیا تھا۔ باب قضاء میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس خط کو امام سرخسی نے ''مبسوط'' میں صاحب بدائع سے نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ۔ ''**ھذہ الرسالة اصل فی ماتضمنته من اصول القضاء**'' یعنی یہ خط قضاء کے اصول اور اس کے متعلقات میں اصل ہے۔ اختصار کے پیش نظر خط کا خلاصہ درج کیا جا رہا ہے:

امابعد:

۱۔ بالتحقیق ''قضاء'' فریضہ محکم ہے، اور ایسی سنت ہے جس کی ہمیشہ پیروی کی گئی ہے۔

۲۔ مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرلو، سمجھ لو، اور پھر فیصلہ کرو۔

۳۔ فریقین کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو۔

۴۔ مدعی کے ذمہ ''بیّنۃ'' اور مدعا علیہ کے اوپر ''حلف'' ہے۔

۵۔ مسلمان کے درمیان ہر صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے جائز نہیں۔

۶۔ اگر تمہیں اپنے سابقہ فیصلہ پر غور وفکر سے پہلے سے بہتر رہنمائی ملی تو تمہیں فیصلہ بدلنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔

۷۔ جس مقدمہ کا حل تمھیں قرآن وسنت میں نہ ملے اس میں خوب غور وفکر سے کام لو۔ اس جیسے معاملات و دفعات کا علم حاصل کرو، اس کے بعد قیاس واجتہاد کے ذریعہ تمہاری جو رائے حق سے قریب تر ہو اس کا فیصلہ کرو۔

۸۔ جو شخص غیر موجود حق، یا گواہ کا دعویٰ دار ہو، اسے حاضر کرسکنے کی مہلت دو۔

۹۔ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان پر گواہی دینے کا حق ہے، مگر وہ جس کو جھوٹی تہمت پر حد لگ چکی ہو یا جس کے بارے میں جھوٹی گواہی دینے کا تجربہ ہو چکا ہو یا جس نے غلط ولی کی طرف یا غلط حسب ونسب کی طرف اپنے کو منسوب کیا ہو۔

۱۰۔ خبردار! حق وانصاف کے موقع کو اپنے غصہ، اکتاہٹ، اور چڑچڑا پن سے بچاؤ۔

۱۱۔ جو شخص اپنی نیت میں اخلاص رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں اس کی کفالت کرتا ہے، اور جو شخص خلاف واقعہ ریا و دکھلاوا کرتا ہے خدا اسے داغدار کردیتا ہے۔

پس خدا کے دنیاوی انعام اور اس آخری رحمت سے متعلق اچھی طرح سوچو''۔ ۲۹

آپ نے اپنی اس تحریر میں قضاء کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اس کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا ہے، نیز قضاء کے اندر کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے اور کن کن چیزوں سے بچنا چاہیے اس کو بھی آپ نے واضح انداز میں بیان کیا اور ساتھ ہی قضاء کے اندر قیاس واجتہاد کا کتنا دخل

ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے اور منصب قضاء کے لیے کیا معیار ہونا چاہیے یہ ساری چیزیں آپ کی تحریر سے واضح ہوجاتی ہیں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ بھی اپنے دور میں قضاۃ کرام کے انتخاب میں کافی محتاط تھے۔ آپ ایسے ہی افراد کا اس منصب کے لیے تقرر فرماتے جن کے علم وعمل، اخلاص وتقویٰ پر آپ کو پورا بھروسہ ہوتا۔ ساتھ ہی آپ قاضیوں کے احوال سے بھی غافل نہ رہتے۔ اکثر براہ راست ان کے احوال اور دارالقضاء کے کام سے آگاہ ہی رکھتے، اگر کوئی شخص کسی دارالقضاء کے طریقہ کار یا فیصلہ میں تاخیر کی شکایت کرتا تو فوراً اس پر کاروائی کرتے۔

اپیل کا نظام:

حضرت امیر شریعتؒ نے نظام قضاء کے ایک ایک پہلو پر دھیان رکھا اور اس پر توجہ دی اور ساتھ ہی ایسا طریقہ بنایا کہ نظام قضاء ہر اعتبار سے مکمل اور فعال بن کر لوگوں کے سامنے آئے۔ کار قضاء کے اندر جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اس کا بھی آپ نے لحاظ رکھا۔ چوں کہ کار قضاء میں ایک مرحلہ اپیل کا بھی آتا ہے جس میں فریق اگر کسی قاضی شریعت کے فیصلہ میں کوئی واضح شرعی نقص محسوس کرے تو وہ اپنے فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرسکتا ہے۔

آپ نے امارت شرعیہ کے نظام قضاء میں اس بات کی جانب بھی توجہ دی اور یہ طریقہ رکھا کہ اگر مرکزی دارالقضاء کے کسی فیصلے کے خلاف رافعہ کرنا ہوتو وہ امیر شریعت کے پاس سابقہ فیصلہ کی باضابطہ نقل کے ساتھ موجبات اپیل نوّے (۹۰) دن کے اندر تحریری طور پر پیش کرے اور اگر ماتحت دارالقضاء کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرنی ہوتو مرکزی دارالقضاء کے قاضی شریعت کی عدالت میں مذکورہ شرط کے مطابق درخواست پیش کرے۔

آپ نے اپیل کے نظام کو دارالقضاء کے اندر رکھ کر اس نظام کے اندر مزید لچک پیدا کردی اور نظام قضاء کو واقعی مکمل اور فعال بنادیا۔ اس نظام کی وجہ سے لوگ بغیر کسی خدشہ کے مکمل طور پر نظام

قضاء اور اس کے ذریعہ دیے گئے فیصلوں پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔

مولانا رحمانی کے مقرر کردہ قاضی:

آپ نے اپنے عہد امارت میں امارت شرعیہ کے ماتحت بہار واڑیسہ کے مختلف اضلاع میں بہت سارے قاضی مقرر کیے جنہوں نے تاریخ قضاء میں روشن کردار ادا کیا۔ لیکن آپ کے ان منتخب کردہ قاضیوں کی فہرست میں ایک نام ایسا ہے جو اس نام ''قاضی'' کی اصل اور روح تھے، وہ ہیں قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۔ جو اسی نام ''قاضی صاحب'' سے موسوم تھے ۔ جہاں بھی لفظ قاضی صاحب آتا ہے ذہن فوراً آپ کے جانب چلا جاتا ہے اور وہ اسی ''قاضی صاحب'' کے نام سے ہی آپ حلقہ عوام و خواص میں معروف ہوئے ۔ ہر خاص و عام کا ذہن اس نام سے آپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ۔

آپ امیر شریعت کی جوہر شناسی اور تربیت کی مثال تھے ۔ آپ نے قاضی صاحب کی دینی و علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے اس جوہر کو امارت شرعیہ میں افتاء و قضاء کے معاملات دیکھنے کے لیے امارت شرعیہ بھیج دیا۔ آپ بھی اپنے رہبر، مرشد و مصلح کی امیدوں پر کھرے ثابت ہوئے اور قضاء کے نظام کو ایسا بام عروج تک پہونچایا جس کی کوئی نظیر نہیں ۔ حضرت امیر شریعت کے ذہن میں نظام قضاء اور کار قضاء کے متعلق جو خاکہ تھا آپ نے کماحقہ ویسا ہی ثابت کر دیا۔

آپ نے عصر حاضر میں پیش آنے والے بہت سے پیچیدہ مسائل پر سنجیدگی سے غور وفکر کیا اور ایسے نتائج اخذ کیے جو عصر حاضر سے اور قرآن وحدیث سے بھی ہم آہنگ ہوں۔ عائلی مسائل پر ان کی بہت گہری نظر تھی، طلاق و فسخ نکاح کے پیشِ نظر آنے والے روزمرہ کے مسائل کا حل جس خوش اسلوبی سے وہ پیش کرتے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ روزانہ کے بدلتے ہوئے فکری منظر نامہ اور نت نئے مسائل پر آپ کی بہت باریک نظر تھی اور وہ ان مسائل پر تدبر و تفکر فرماتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط اور تخریج کرتے، کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ کیوں نہ ہو اس کا خوبصورت حل تلاش کرنا آپ کے لیے سہل تھا۔ یہ آپ کی علمی وسعت اور فقہی بصیرت کی دلیل تھی۔

آپ بہت بڑے فقیہ تھے۔ جدید معاشرتی، سماجی، تجارتی مسائل پر آپ کی بہت اچھی نظر تھی۔ آپ نے مسلمانوں کے لیے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ایک اسلامی فقہی قانون مرتب کیا جس کی روشنی میں وہ اپنے پیچیدہ مسائل کو ڈھونڈ سکیں۔ صنوان القضاء کی ترتیب وتدوین، مجموعہ قوانین اسلامی اور مجلّہ بحث ونظر کے شمارے آپ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت کے روشن ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ قضایا سجاد، حکومت الٰہی، مکاتیب سجاد اور قانونی مسودے کی ترتیب وتدوین آپ کے ایسے کارنامے ہیں جو کبھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ آپ اپنی علمی کاوش، خداداد صلاحیت، ذوق سلیم، فطرت سلیم، قابل رشک تحریر وتقریر کی وجہ سے بہت جلد آپ امیر شریعت کے چہیتے بن گئے۔

آپ کی دوررس نگاہوں نے قاضی صاحب کی خداداد صلاحیتوں کو بھانپ لیا کہ یہ نوجوان ایک دن ملت کی رہنمائی اور بکھری ملت کو متحد کرنے میں نمایاں کردار ادا کرے گا۔ چنانچہ حضرت امیر شریعتؒ نے آپ کو اپنی صحبت میں رکھا اور ہر ہر قدم پر آپ کی تربیت اور رہنمائی کی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب امیر شریعتؒ نے آپ کو امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ آپ نے اس اہم دینی ادارہ کی ذمہ داری سنبھالتے ہی امیر شریعتؒ کی امیدوں پر کھرے ثابت ہوئے اور امارت شرعیہ اور خاص کر نظام قضاء کے اندر نئی جان ڈال دی۔ اور اس کا دائرہ قصبہ قصبہ، قریہ قریہ تک وسیع کیا۔ آج بھی مسلمان اپنے عائلی مسائل کو اسی نظام کے تحت حل کرتے ہیں۔

نظام قضاء پر کتابیں:

حضرت امیر شریعتؒ نے دارالقضاء کے نظام کو وسیع کرنے کی خاطر رسالے لکھنے اور لکھوانے کا پروگرام بنایا تاکہ عوام اس نظام قضاء سے مکمل طور پر متعارف ہوجائیں اور اس کی اہمیت وضرورت سے بھی واقف ہوجائیں۔ چنانچہ آپ خود اس موضوع پر رسالے لکھتے اور دوسرے علماء کرام سے بھی اس موضوع پر رسالے لکھوا کر دونوں صوبوں کے اندر ہر جگہ شائع کرواتے۔ آپ کے اس عمل سے دونوں صوبوں کی ایک بڑی تعداد کو اس نظام سے واقفیت ہوئی اور لوگوں کا جھکاؤ بھی اس کی جانب

خوب ہونے لگا۔اس کے ساتھ ساتھ قاضیوں کی سہولت کی خاطر اور قضاۃ کرام کی واقفیت کے پیش نظر نظام قضاء پر اردو میں کتابیں لکھوانے کا منصوبہ بھی شروع سے آپ کے فکرو دماغ میں رہا۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں امیر شریعت کی حیثیت سے جب آپ کا انتخاب ہوا اور آپ نے اس منصب کا چارج لیا تو امارت کے عہدہ داروں اور کارکنوں کے لیے جو ہدایتیں آپ نے کتاب الاحکام میں درج کیں اس میں دارالقضاء سے متعلق بھی چند ہدایتیں تھیں جس میں سے ایک نظام قضاء پر اردو میں کتاب لکھوانے کا منصوبہ بھی شامل ہے۔

چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں جو احکام درج کیے وہ یہ ہیں:

”قاضیوں کی سہولت کی لیے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات ، فرائض ، مقدمات میں شہادت کے شرعی اصول اور ضابطے، فسخ نکاح اور خلع کے وجوہ اور طریقے اور ان سے متعلق مسائل درج کیے جائیں، اور بطور مثال ونظیر عہد رسالت وصحابہ اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں۔مقرر کیے جانے والے قاضی اس رسالہ کا مطالعہ کریں تا کہ اس کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کریں“ [۳۰]

چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کا یہ سوچ وفکر ایک مثبت سوچ وفکر تھا کیوں کہ قضاء کا مسئلہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے اس کے اندر ہر ہر پہلو پر دھیان رکھا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ کا یہ خیال کہ قضاۃ حضرات کے لیے ایسی بیش قیمت کتابیں لکھی جائیں، ایک اچھا قدم تھا کیوں کہ جب قاضی حضرات ان مستند اور جامع کتابوں کا مطالعہ کریں گے اور ساتھ ہی ان کے سامنے حضور اور صحابہ کے زمانے اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے بھی بطور نظیر ومثال ہوں گی تو ظاہر ہے کہ مقدمات کے فیصلے میں ان کو کسی طرح کی بھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور سنت نبوی اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے میں قاضیوں کو کافی سہولت ہوگی۔ ان کے لیے یہ نسخہ قضاء کے سلسلہ میں کافی معاون ومددگار ثابت ہوگی۔

اسی مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر سب سے پہلے ”کتاب الفسخ والتفریق“ کے نام سے ایک کتاب جو اس وقت کے نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی جو آپ کے استاذ بھی ہیں کے ذریعہ لکھی گئی، جس میں معاشرہ میں قضاء کے مقام اور اس کے متعلق فقہی احکام مرتب ہیں۔ نیز مسئلہ قضاء پر بحث کے علاوہ فسخ وتفریق کب اور کن حالات میں ہوتی ہے؟ فسخ نکاح اور طلاق میں کیا فرق ہے؟ اس سے متعلق وضاحتیں اس کتاب میں مبسوط ہیں۔ ساتھ ہی فسخ و تفریق کے سولہ اسباب پر بھی اس میں فقہی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ جو کہ قضاۃ کرام کے لیے ایک روشن باب ہے۔

اس کے علاوہ حضرت امیر شریعتؒ نے بھی قضاء کی شرعی و تاریخی اہمیت کے نام سے اور اس کے علاوہ اور بھی دیگر رسالے لکھے جن میں قضاء کی شرعی حیثیت، قضاء کی شرطیں اور قاضی کے لیے فہم معاملات، علمی استعداد اور عدل وانصاف کی صلاحیت اور دوٹوک فیصلے کی جرأت جیسے امور پر مدلل انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے آپ نے لکھا جو قاضیوں کے لیے مشعل راہ بنی۔

آخر میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحبؒ نے اسلام کے پورے نظام عدالت کو سامنے رکھ کر اسلامی عدالت کے نام سے وہ بے مثال کتاب لکھی جس نے اسلام کے عدالتی نظام کو اس بدلے ہوئے دور میں واضح کر کے قضاۃ کرام اور علماء عظام کو نئی راہ دکھلائی۔

نظام قضا اور آپ کی خواہش:

حضرت امیر شریعتؒ کی خواہش تھی کہ پورے ملک میں قضاء اسلامی کے نظام کو وسعت دیا جائے اور اس کو آپ ضروری بھی سمجھتے تھے کیوں کہ آپ کو احساس تھا کہ اس نظام کے ذریعہ ہی مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین کے مطابق اپنے معاملات کی پیروی کر سکتے ہیں، اور سب سے اہم کہ اس کا حکم بھی مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ اس نظام قضاء کے ذریعہ ہی مظلوم کے ساتھ انصاف ہوسکتا ہے اور مستحق کو اس کا حق مل سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''دارالقضاء کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق اپنے معاملات کا فیصلہ کروانے والے دونوں فریق نفع میں رہتے ہیں۔ جس شخص کے موافق فیصلہ ہوتا ہے اس کو دین و دنیا دونوں کی سرخروئی حاصل ہوتی ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کی آخرت محفوظ رہتی ہے کیوں کہ وہ حکم الٰہی کے آگے سر جھکاتا ہے'' [۱۳]

نظام قضاء تاریخ اسلامی کی نشاندہی کرتا ہے کیوں کہ تاریخ اسلامی کا کوئی زمانہ وعہد اس فریضہ کی ادائیگی سے خالی نہیں رہا ہے اور یہ ہمیشہ سے تاریخ اسلام کا ایک حصہ رہا ہے۔ اس لیے آپ اس کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے نہ صرف بہار و اڑیسہ میں دارالقضاء کو قائم کرنا ضروری سمجھتے تھے بلکہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی اس کے قیام کو ضروری سمجھتے تھے اس لیے ان دوصوبوں کے علاوہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھی اپنی جدوجہد اور کوششوں کو تیز کیا اور ہر اس جگہ جہاں اس کا قیام ممکن تھا امارت کا نظام قائم کرایا اور نظام قضاء کو وسعت دلوائی۔

آپ نے اس کی خاطر پورے ملک میں تحریک چلائی، اخبارات میں بیانات دیے، رسالے لکھوائے، جلسے اور کانفرنسیں کیں، جن کی وجہ سے ملک کے بیش تر حصوں میں لوگوں نے اس کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کا احساس کیا۔ کرناٹک، آندھرا پردیش اور آسام کی ریاستیں اس کا واضح ثبوت ہیں، جہاں آپ کی کوششیں رنگ لائیں اور نظام قضاء کا وجود ہوا۔ جہاں نظام امارت قائم نہیں ہوسکا وہاں کے ارباب حل وعقد کے ذریعہ قاضی کا تقرر کرایا جیسے مہاراشٹر، یوپی اور مدھیہ پردیش وغیرہ۔

حضرت امیر شریعتؒ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے بھی برابر دارالقضاء کے قیام کے لیے پورے ملک میں کوشاں رہے آپ فرماتے ہیں: ''مسلم پرسنل لا کے نفاذ کی عملی شکل دار القضاء ہے'' اور اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں:

''اگر مسلمان مسلم پرسنل لاء کا تحفظ اور عائلی مسائل میں سرکاری عدالتوں کے غیر

اسلامی فیصلوں سے اپنا بچاؤ چاہتے ہیں تو اس کا واحد حل دار القضاء کا قیام ہے'' ۳۲

آپ کے اس نظریہ کے پیش نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بھی اجلاس ہفتم کلکتہ میں کل ہند سطح پر دار القضاء کے قائم کرنے کی تجویز پاس کردی جس میں کہا گیا:

''مسلم پرسنل لاء بورڈ کتاب وسنت کی روشنی میں ملک کے ہر حصہ بلکہ ہر ضلع میں جہاں نظم امارت وقضاء نہیں ہے دار القضاء کا قیام عمل میں لائے اور متقی و اہل علم قاضیوں کا تقرر کرے'' ۳۳

اس طرح حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے قضاء اسلامی میں ایک روشن راہ دکھلاکر عام مسلمین کو بڑا فائدہ پہونچایا کہ آج مسلمان کورٹ کے بے جا اخراجات اور وقت کی بربادی سے بچ کر ایک شرعی نظام کے تحت اپنے عائلی مسائل حل کرنے لگے اور اپنے عائلی مسائل میں سیکولر عدلیہ کا سہارا لینے کے عذاب سے بچ گئے، اپنی دنیا اور آخرت کو بھی اس کے ذریعہ سنوارنے لگے۔ آپ کے عہد میں آپ کی کوشش، محنت اور لگن کی وجہ شعبہ قضاء کے نظام کے اندر اتنی وسعت پیدا ہوئی اور آپ نے اس کو اتنا فعال اور متحرک کردیا کہ سرکاری سطح پر بھی دونوں صوبوں کے مراکز قضاء کی حیثیت تسلیم کی گئی اور پرسنل لاء اور عائلی مسائل میں حکومت نے ان سے رجوع کیا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے ذریعہ دیے گئے فیصلوں کا سرکاری عدالتوں نے بھی احترام کیا اور بہت سے مواقع پر ان کو قائم رکھا۔

خدمت خلق اور مولانا رحمانی:

حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی کا ایک جلی عنوان خدمت خلق ہے جس کے خاطر آپ نے اپنی پوری زندگی کو ہی وقف کردیا تھا اور اس کو آپ خدا کی عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

آپ نے یوں تو پوری زندگی کو ہی خدمت خلق وانسانیت کے لیے وقف کردیا تھا لیکن امیر شریعت کے منصب جلیل پر فائز ہونے کے بعد خاص طور پر امارت کے جو بنیادی مقاصد ہیں ان کی حصولیابی کی جانب خاص توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ امارت شرعیہ نے آپ کے عہد امارت میں اس

جانب کافی پیش قدمی کی۔

جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا گیا کہ آپ کی زندگی کا ایک جلی عنوان خدمت خلق ہے۔آپ کے دل دردمند اور فکر ارجمند نے یہ محسوس کیا کہ امارت کا ایک اہم مقصد خدمت خلق ہے جس کا مقصد تمام لوگوں کے لیے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا ہے۔صحت عامہ کی حفاظت کے لیے اسپتال قائم کرنا، مختلف جگہوں پر طبی کیمپ لگانا، حادثات اور آفات کے موقعوں پر بلا امتیاز مذہب وملت ہر مصیبت رسیدہ کی امداد کرنا وغیرہ اس کے منشور میں شامل ہیں۔

چوں کہ یہ اہم کام تھا اس لیے آپ نے اس کی انجام دہی کی خاطر اپنے دور امارت میں ہی ارادہ کیا کہ ایک اسپتال قائم کیا جائے جو رفاہی ضروریات کو پورا کر سکے۔اس غرض سے آپ نے اپنے مشفق ومربی بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کے نام سے ایک اسپتال کی بنیاد رکھی اور پھر اللہ نے آپ کو اس کے افتتاح کا موقع بھی دیا۔

آپ نے اس کو قائم فرما کر ہندوستانیوں کو خدمت خلق کا بہترین تحفہ پیش کیا، اور آپ نے اپنے عہد میں کیے گئے اہم کارناموں میں ایک باب کا اور اضافہ کیا۔آج مولانا سجاد میموریل اسپتال انسانی خدمت کا بہترین ذریعہ ہے جس سے ہزاروں ضرورت مندوں کو بڑا فائدہ ہو رہا ہے اور بڑی راحت مل رہی ہے۔اس کے قائم ہونے کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو خاص کر علاج ومعالجہ اور خاص کر ولادت کے سلسلہ میں سرکاری اسپتال میں پردہ کے نظم نہ ہونے کی وجہ سے جو دشواریاں ہوتی تھیں وہ دور ہوگئیں۔

اسی طرح امارت کا ایک مقصد دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے فروغ اور اعلیٰ ٹکنیکل تعلیم سے مسلمانوں کو آراستہ کرنا بھی ہے تاکہ مسلمانوں کی معاشی حالت کو بھی سدھارا جائے اور مسلم نوجوانوں کی بے روزگاری کو بھی دور کیا جائے۔اس کے جانب بھی آپ نے توجہ دی۔اس قسم کی تعلیم کے فروغ کی کوششیں بھی تیز کر دیں اور اس کی خاطر ٹکنیکل سنٹر کے قیام کا منصوبہ بنایا تاکہ مسلم نوجوان اس طرح کے مراکز سے مختلف ہنر کی ٹریننگ حاصل کر کے آزادانہ طور پر کسب معاش کے

قابل ہو جائیں اور اپنی روزی خود کما سکیں۔ یہ شعبہ آج بھی مولانا منت اللہ رحمانی ٹکنیکل سنٹر کے نام سے سرگرم عمل ہے۔ یہ بھی آپ کے عہد کا ایک بڑا کارنامہ ہے کہ آج مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے ذریعہ اپنی معاشی حالت اور بے روزگاری کو چیلنج کر رہے ہیں۔

تحفظ مسلمین اور مولانا کا کردار:

تحفظ مسلمین امارت کے مقاصد میں سے ایک ہے جس کے لیے باضابطہ ایک الگ شعبہ امارت کے اندر ہے جو مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، ان کے مذہب و شرعی قوانین کو حکومت کے دست بُرد سے بچانے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ناگہانی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مصیبت زدوں کی مدد و اعانت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان آزادی کے بعد سے ہی فرقہ وارانہ فسادات کے اندر گھر گیا اور پورے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا ایک غیر متناہی دور شروع ہو گیا جو فساد کم بلکہ ایک ناپاک منظّم سازش زیادہ تھی جس کا مقصد مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے مفلوج اور ان کی نسل کشی کرنا تھا تاکہ مسلمانوں کی عظمت اور ان کے شعار کو پامال کیا جائے جس میں فرقہ پرست عناصر اور ملک دشمن افراد کے شانہ بشانہ خود حکومت بھی سرگرم عمل رہتی۔ ان کا نشانہ مساجد، مراکز علمی، تجارتی و صنعتی ادارے اور مسلمانوں کی دیگر املاک و جائداد کو نشانہ بنانا تھا۔

چنانچہ ان فسادات نے ہزاروں مسلمانوں کی جان لی، معصوموں کو شہید کیا اور عورتوں کی عصمت وعفت کو چاک کیا، عام طور پر یہ فسادات ان ہی بڑے شہروں میں کرایا جاتا جہاں مسلمان صنعت و حرفت اور دست کاری کے میدان میں آگے ہوتے، مراد آباد، علی گڑھ، رانچی، میرٹھ، جمشید پور، وارانسی، مئو، بھاگلپور اور اسی طرح دوسرے شہر جہاں مسلمان مضبوط تھے۔ فرقہ پرست ان جگہوں پر نشانہ سادھ کر مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہونچانے کی بھرپور کوشش کرتے تاکہ ہندوستانی مسلمان معاشی اور اقتصادی اعتبار سے مفلوج بن کر رہ جائیں اور ان کے اندر اتنا خوف پیدا

کردیا جائے کہ وہ علمی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

حضرت امیر شریعتؒ کے دور امارت و قیادت میں بھی اسی طرح کے فرقہ وارانہ اور نسل کش فسادات ملک کے مختلف اطراف میں رونما ہوئے۔ جیسے رانچی، جمشید پور، کلکتہ، احمد آباد، ہزاری باغ، مراد آباد، میرٹھ، علی گڑھ، حیدر آباد، بھاگلپور اور مونگیر جہاں ہزارہا ہزار مسلمان شہید کیے گئے، اربوں کی املاک تباہ کی گئی، مکانات، فیکٹریاں، مساجد نظر آتش کی گئیں۔ جنھیں دیکھ کر آپ کا دل تڑپ اُٹھا لیکن آپ نے صبر سے کام لیتے ہوئے ان کا مقابلہ کیا اور امارت شرعیہ کو اس کے لیے متحرک کیا، فعال کمیٹیاں تشکیل کیں، اہل خیر حضرات سے مالی تعاون اور امداد کی اپیل کی، ریلیف فنڈ اکٹھا کرایا اور پھر امارت شرعیہ کے کارکن کو موقہ واردات پر بھیج کر حالات کا جائزہ لے کر استطاعت سے زیادہ مسلمانوں کی راحت رسانی اور ان کی باز آبادکاری کا جو کام آپ نے امارت کے پلیٹ فارم سے کیا وہ قابل ذکر ہے۔ آپ نے خود مہینوں اپنی نگرانی میں امارت کے ذریعہ لوگوں کی راحت رسانی اور ان کی باز آبادکاری کا کام کیا۔

آپ نے ان تباہ کن حالات، حوصلہ شکن فسادات اور فرقہ پرست عناصر کی شازشوں کو ناکام بنانے، فسادات پر قابو پانے اور ملک کی سالمیت اور یکجہتی کی بقاء اور حالات کو معمول پر لانے کے لیے جو قربانیاں دیں اور جو پیغام مسلمانوں کو دیا اور ان کی خود اعتمادی کی بحالی اور دفاع کی خاطر جو کوششیں کیں اور جس قوت ایمانی، غیرت ملّی، مومنانہ فراست و بصیرت اور درد انسانیت کا ثبوت دیا اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں۔

آپ ایک نڈر سپاہی کی طرح میدان میں جمے رہے اور کبھی حالات اور زمانے کے ساتھ سمجھوتہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ مسلمانوں اور شعار اسلامی کی حفاظت کی خاطر حکومت وقت سے احتجاج کرتے رہے اور مضبوط انداز میں اپنے موقف کو پیش کرتے اور فسادات رکوانے میں ہر ممکن کوشش کرتے اور حکومت سے مسلمانوں کے جائز حقوق کے لیے اپیل کرتے رہے۔

حضرت امیر شریعتؒ نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو جو پیغام دیا وہ بھی مسلمانوں

کے لیے ایک قیمتی اثاثہ تھا جس نے ان کے حوصلے کو بڑھایا اور ان کے اندر سے مایوسی کو دور کیا اور مستقبل کو سنوارنے اور مومنانہ شان وشوکت سے زندگی بسر کرنے اور ایمانی قوت کے ساتھ زندہ رہنے کو حوصلہ بخشا اور اپنے دفاع کے لیے خود تیار رہ کر دشمنوں کے حملوں اور ان کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جوش ان کے اندر پیدا کیا۔

ذیل کے پیغام سے اس کی معنوی اور روحانی عظمت کا پتہ چلتا ہے:

''آج ہمار ملک مختلف اہم اور پُر پیچ مسائل میں گھر گیا ہے ان مسائل میں سے اہم مسئلہ فرقہ واریت کا ہے۔ اس لعنت نے ملک کے کروڑوں افراد کو متاثر کر رکھا ہے ملکی معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اس کو درست کریں، شر کو خیر سے بدلیں۔ آپ اس ملک میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ملک کی تاریخ کو نیا رُخ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ اس کے لیے آمادہ ہوں۔ اتنی سی بات یاد رکھیے کہ ایک بہت بڑی تعداد کا مزاج تخریبی بن چکا ہے اُسے توڑ پھوڑ، شکست وریخت سے خاصی دلچسپی ہوگئی اگر آپ اصلاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ آپ خود بھی مضبوط ہوں، اپنی قوت جمع کریں، شر پسند، فتنہ پرور اور شہری زندگی کے امن و سکون کو برباد کرنے والوں کے مقابل مضبوط اور بہتر دفاع کے لیے تیار ہوں۔ آپ کی اپنی قوت اور دفاعی صلاحیت وہ بنیادی چیز ہے جس کے ذریعہ آپ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ آپ مرنا سیکھیں، بزدلوں کو ہر روز صبح و شام موت آتی رہتی ہے، جوانمرد ایک اور صرف ایک بار مرتا ہے، میں آپ سے صرف یہ کہوں گا کہ آپ دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں، خدا سے لَو لگائیں اور اپنے مستحکم دفاع کے لیے تیار رہیں، کسی پر حملہ کے لیے بد نیتی سے نہیں، قتل و غارت کے ارادہ سے نہیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے، ملک کے انتظام کو صحیح رُخ پر لانے اور صحیح طریقہ پر چلانے کے لیے۔ موجودہ صورت حال میں بڑھتی ہوئی فرقہ

واریت اور نسل کش حملوں کا حل میرے خیال میں یہی ہے کہ مظلوموں کو چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کریں، دفاع آپ کا قانونی حق ہے جسے کوئی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی۔'' ۳۴؎

یہ ہے آپ کا وہ پیغام جو آپ نے ملک کے ان بگڑے ہوئے حالات کے مدنظر مسلمانوں کو دیا جو ان کے لیے نسخۂ کیمیا کے مانند ہے۔ مسلمان اگر اس پیغام کی معنویت اور اہمیت کو سمجھ لے اور اس پر عمل کرلے تو حالات لاکھ ان کے خلاف ہوں پھر بھی اپنی کشتی کو طوفان اور موجوں کو چیرتے ہوئے ساحل پر لگا سکتے ہیں۔ حالاں کہ آپ نے صرف اتنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کر کے صوبائی اور مرکزی حکومت پر اس بڑھتی ہوئی جارحیت کے فوری خاتمہ کی خاطر برابر دباؤ ڈالتے رہے، مسلمانوں کے قانونی و آئینی حق کے لیے کوشاں رہے اور فسادات پر قابو پانے کی موثر تدابیر اختیار کرنے کی خاطر حکومت کو توجہ دلاتے رہے۔ اسی طرح اخبارات، ریڈیو اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھی برابر حکومت کو فسادات پر قابو پانے کے لیے متوجہ کرتے رہے اور ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہے۔ حکومت کو پولیس و فوج میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی دینے اور امن فورس کے قیام پر مجبور کرتے رہے۔

یہاں پر ملک کے چند فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر موزوں معلوم ہوتا ہے جن سے مسلمانوں کی جانی و مالی تباہی کا اندازہ لگ جائے گا کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کتنا ظلم و بربریت کا درد سہا ہے۔ اور اس ادارے نے اپنے اس امیر کی رہبری میں اس موقعہ پر جو کردار ادا کیا ہے اس کی ایک جھلک کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔

بہار شریف کا فساد:

۱۹۷۹ء میں بہار شریف میں زبردست فرقہ وارانہ فساد رونما ہوا اور فرقہ واریت اور جارحیت کا ننگا ناچ ہوا جس میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ اس فرقہ وارانہ فساد میں فرقہ پرست اور

فسطائی ذہنیت رکھنے والے افراد نے اس شہر میں ایک منصوبہ بند اور منظّم طریقے سے بھیانک فساد برپا کیا جس کے اندر سینکڑوں مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور ان کے کاروبار کو نشانہ بنایا گیا۔ یہاں کے مسلمان مہینوں فساد کی آگ میں جھلستے رہے جس سے نہ صرف بہار شریف ہی بلکہ اس کے علاوہ قرب و جوار کے تقریباً ۳۲ رگاؤں بھی متاثر ہوئے۔ مسلمانوں کو اس فساد کے اندر زبردست جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔

اس موقع پر حضرت امیر شریعتؒ کے حکم کے مطابق اس وقت کے ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہٗ (موجودہ امیر شریعت) بہار شریف تشریف لے گئے۔ فساد زدگان کی امداد اور ان کی آبادکاری کے لیے ''امارت شرعیہ ریلیف مشن'' قائم کیا گیا اور متاثرین کی آبادکاری کے لیے ریلیف فنڈ سے لاکھوں روپے خرچ کر کے مسلمانوں کو راحت پہونچانے کا کام کیا گیا۔

حضرت امیر شریعتؒ نے اس وقت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام ایک تفصیلی ٹیلیگرام بھیجا جس میں آپ نے یہاں کے حالات سے اور اس کے ذمہ دار لوگوں کے کرتوتوں سے باخبر کیا نیز حکومت کے وعدے یاد دلائے اور ان سے مطالبہ کیا کہ فساد کے ذمہ دار افسران کو ان کی اصل جگہ پہونچایا جائے اور متاثرہ لوگوں کو امداد دیا جائے اور جو لوگ شہید کیے گئے ہیں ان کو معقول معاوضہ دیا جائے۔ ٹیلیگرام کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

''بہار شریف میں حکومت کے اعلان اور عمل میں واضح فرق پایا جاتا ہے جو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ حکومت نے اب تک صرف ۳۶ رشہداء کے وارثین کو معاوضہ دیا ہے، جب کہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے ذمہ دار جانچ کے بعد ۱۰۲ رشہداء کی مکمل فہرست شائع کی ہے اور حکومت کو بھیجا ہے۔ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ افسروں کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا مگر آج تک اس پر عمل نہیں ہوسکا۔ حکومت نے انکوائری کا اعلان کیا تھا اب تک انکوائری نہیں ہوئی ہے اور نہ افسروں کو سسپنڈ کیا گیا ہے، غیر جانب دارانہ تحقیقات کے لیے سسپنڈ کیا جانا ضروری ہے۔ مسلمانوں

کو جھوٹے مقدمات میں پریشان کیا جارہا ہے ۔ باعزت شہریوں کی کمر میں رسّہ باندھ کر ہتھکڑی لگا کر تھانہ لے جایا گیا، جس کا مقصد صرف بے عزت کرنا ہے، جناب حکیم محمد عارف اور ڈاکٹر اسری جیسے لوگوں کو پریشان کیا گیا یہ ایسے امور ہیں جو حکومت کے اعلان اور عمل کے فرق کو واضح کرتے ہیں"۔ ۳۵

حضرت امیر شریعتؒ نے ٹیلی گرام میں اس جانب بھی توجہ دلایا:

''جو لوگ کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں انہیں برسات سے قبل گھروں میں بسا دیا جائے اور انہیں روپے کے ساتھ مکان کا سامان دیا جائے اور ان کی حفاظت کا معقول نظم کیا جائے ۔ ایسے حضرات جو فساد کے بعد سے اب تک لاپتہ ہیں انہیں مردہ مان کر ان کے خاندان کو امداد دی جائے ۔ بہار شریف کے فساد میں چھوٹے اور متوسط طبقہ کے مسلمان تاجر بھی متاثر ہوئے ہیں ایسے تمام متاثرین کو اپنی تجارت دوبارہ شروع کرنے کے لیے بلا سود قرض کے احکامات جاری ہونا ضروری ہیں"۳۶

آپ کے اس اقدام سے مکمل طور پر مسلمانوں کے جانی اور مالی نقصانات کی بھرپائی تو نہیں ہوئی مگر آپ کے اس اقدام سے راحت ضرور پہونچا اور حکومت کے اوپر بھی آپ کے اس دباؤ کا اثر ہوا جس سے افسران اور فرقہ پرست حکومت کو لگام لگا۔

جمشید پور:

جمشید پور ہندوستان کا ایک مشہور صنعتی شہر ہے جہاں چاروں طرف کارخانوں اور فیکٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے جو ملک کو ہر چھوٹی اور بڑی چیز تیار کر کے درآمد کرتی ہے، صنعتی اعتبار سے یہ شہر بہت ہی مضبوط اور قابل لحاظ ہے۔ فرقہ پرست لوگوں نے اس شہر کی معیشت اور صنعت و حرفت کو بھی نشانہ بنایا اور اس کو تباہ و برباد کرنے کے خاطر ۱۱/اپریل ۹ ۷ء کو اس شہر میں زبردست فرقہ وارانہ فساد کرایا۔

حضرت امیر شریعتؒ کے بقول: ''جمشید پور کا خونی المیہ فساد نہیں، پولیس ایکشن اور مسلمانوں

کے خلاف منظّم سازش کی کامیابی تھی‘‘۔

اس فساد نے زبردست جانی اور مالی نقصان پہونچایا، جس میں سینکڑوں جانیں گئیں، لاتعداد مسجدیں تباہ کردی گئیں، ہزاروں مکانات نذر آتش کردیے گئے، ہزاروں دکانیں خاکستر کی گئیں اور تقریباً پچاس ہزار افراد اس فساد سے متاثر ہوئے۔

امارت شرعیہ کی سروے رپورٹ کے مطابق مسلمان شہداء کی تعداد تین سو تھی اور اس فساد میں شہید ہونے والوں کی نوّے فیصد تعداد وہ ہے جو پولیس کی گولیوں سے ہلاک ہوئے۔ امارت شرعیہ نے جمشید پور کے فساد زدگان کی امداد اور اس کے آباد کاری پر لاکھوں خرچ کیا، مہینوں امارت کی طرف سے ریلیف اور امداد کا کام ہوتا رہا، گدڑی مارکیٹ کی ازسرنو تعمیر کرائی گئی، کئی خاندانوں کی لڑکیوں کی شادی کے لیے رقمیں دی گئیں اور شہداء کے خاندان والوں کو امداد دی گئی۔

جس وقت یہ شہر فساد کی آگ میں جھلس رہا تھا آپ بنگلہ دیش کے دورہ پر تھے، وہاں سے واپس ہونے پر آپ نے فوراً دفتر امارت سے اس شہر کے حالات کے بارے میں تفصیلی واقفیت حاصل کی اور متاثرہ لوگوں کے امدادی کاموں اور ان کے باز آباد کاری کے سلسلہ میں ضروری مشورے دیے، اس کے بعد ۲۷/اپریل کو آپ ناظم امارت شرعیہ کے ساتھ جمشید پور تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے تباہ شدہ بستیوں کا جائزہ لیا، لوگوں کے حالات اور ان کے دکھ درد کو سنا اور کیمپوں میں جاکر مصیبت زدہ لوگوں کو تسلی دی اور راحت رسانی کی کوشش میں لگ گئے۔

جمشید پور سے واپسی کے بعد آپ نے اخبار و رسائل کو ایک تحریری بیان ارسال کیا جس میں فساد کی ابتداء، پولیس عملہ کی جانب داری، مسلمانوں کے اجتماعی قتل، اقتصادی بدحالی اور دیگر پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور صاف کیا کہ جمشید پور میں ۱۱/اپریل کو جو نفرت اور انسانیت کا ننگا ناچ ہوا وہ ایک منظّم سازش کا نتیجہ تھا جسے حکومت کے اہل کار (بی ایم پی) نے کامیاب بنایا۔

اس حادثہ کو آپ نے پولیس ایکشن کا نام دیا اور فرمایا کہ اگر بی ایم پی حفاظت کے نام پر جمشید پور میں سامنے نہ آتی تو اتنا جانی اور مالی نقصان ہرگز نہ ہوتا۔ آپ نے اس ہنگامہ میں مسلمانوں

کے رول کی ستائش کی کہ مسلمانوں نے ہمت سے کام لیا اور کسی کے اوپر ظلم کیے بغیر اپنا مضبوط دفاع کیا اور آپس میں بھائی چارگی کا بھی مظاہرہ کیا۔

جمشید پور فساد کے موقع پر آپ کے دیے گیے بیان کو یہاں ذکر کر رہا ہوں:

''جمشید پور میں ۱۱/اپریل ۱۹۷۹ء سے ۱۳/اپریل تک جو مظالم کیے گئے اس کا اندازہ اخبار میں شائع شدہ خبروں سے نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ جمشید پور کا فساد فساد نہیں تھا یہ آر ایس ایس کی منظّم سازش کا نتیجہ تھا جسے بی ایم پی نے کامیاب بنایا، جمشید پور پہونچ کر اس کی جو صورت سامنے آئی اس کے نتیجہ میں اس حادثہ کو پولس ایکشن کے علاوہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا، اگر بی ایم پی حفاظت کے نام پر جمشید پور میں سامنے نہ آتی تو اتنا جانی اور مالی نقصان ہر گز نہیں ہوتا۔ اس ہنگامہ میں مسلمانوں کا رول قابل قدر رہا انھوں نے بلوائیوں کے مقابلہ کی کوشش کی، بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لیکن انھوں نے کسی پر ظلم نہیں کیا، جن جگہوں پر ہندو بھائی کم تعداد میں تھے ان کی پوری حفاظت کی''۔[۳۷]

آپ اس وقت کی کانگریس حکومت پر بھی جم کر برسے اور الزام لگایا کہ موجودہ حکومت نے بھی سابقہ حکومت کی روایت کو برقرار رکھا ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو گرفتار کیا جائے اور ظالم کی کم اور مظلوم کی گرفتاریاں زیادہ ہو۔ یہ سچ ہے کہ اس حادثہ کے دوران جتنی بھی گرفتاریاں ہوئی تھیں اس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ آپ نے اس کے خلاف خوب آواز بلند کی اور حکومت کو ایسا نہ کرنے پر زور دیتے رہے تاکہ ظالم اور مظلوم کے درمیان فرق ہو اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کی رہائی ہو۔

آپ نے اتنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ حکومت کو ایک میمورنڈم بھی دیا جس کے اندر حکومت کو یہ احساس دلایا کہ اس حادثے سے اقلیت کے اندر عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا ہے اور اکثریت کے جارحیت پسند افراد کو حوصلہ ملا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مختلف مقامات پر فضاء کو مزید بگاڑا جائے جس کی وجہ سے صوبہ کے مختلف جگہوں پر بھی تناؤ کا اندیشہ موجود ہے اور یہ صورت حال ملک کی سالمیت کے

لیے انتہائی مضر ہے، اس لیے حکومت اور امن پسند شہریوں کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آپ نے علی گڑھ اور جمشید پور کے حادثات کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا کہ دونوں جگہ کے حادثات کا نمایاں اور مشترک رُخ یہ ہے کہ دونوں مقامات پر ملیٹری پولیس نے مسلمانوں کو برباد کرنے اور انہیں مارنے میں ساتھ دیا ہے۔ اس لیے آپ نے حکومت سے یہ مانگ کی کہ فساد کو رکوانے کے لیے اور شہریوں میں تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لیے حکومت مندرجہ ذیل امور کی جانب توجہ دے اور اس کو پورا کرے:

۱۔ ملیٹری پولیس میں مسلمانوں کو قابل لحاظ اور موثر نمائندگی دی جائے۔

۲۔ جمشید پور میں جن حکام کی ناعاقبت اندیشی، غفلت اور سازش سے یہ ہولناک فساد ہوا ہے انہیں معطل کیا جائے، اور ان پر مقدمات چلائے جائیں۔

۳۔ عام پولیس اور فوج میں مسلمانوں کو مناسب ملازمت دی جائے۔

۴۔ بی ایم پی کی جن ٹکڑیوں نے گولیاں چلا کر قتل وخون کا بازار گرم کیا ہے اُنھیں معطل کر کے سزا دی جائے۔

۵۔ مرنے والوں اور لٹنے والوں کو پورا معاوضہ اور مظلومین کو پوری امداد دی جائے اور نقصانات کی تلافی کرائی جائے۔[۳۸]

منت اللہ رحمانی
خانقاہ رحمانی مونگیر
۳۰ر اپریل ۱۹۷۹ء

بھاگل پور کا خونی المیہ:

۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بھاگل پور شہر میں زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا، جو اپنی سنگینی اور بربریت میں ملک کے دوسرے فرقہ وارانہ فسادات سے ایک قدم آگے ہے۔ اس فساد کی ہولناکی اور جارحیت کا اندازہ امارت شرعیہ کی سروے رپورٹ سے ہوتا ہے کہ اس فساد میں ہزار سے زیادہ بے

قصور مسلمان مرد عورت اور بچے بڑے ہی بے دردانہ اور بے رحمانہ انداز میں شہید کیے گئے ۔ یہ سب بلوائیوں کی درندگی سے زیادہ بی ایم پی کی گولیوں اور بربریت کے شکار ہوئے ۔ چندیری اور لوگائیں کے مقامات خاص طور سے ان کی بربریت اور درندگی کی مثالیں ہیں کہ یہاں جس طرح سے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کیا گیا وہ ناقابل بیان ہے ۔ درندہ صفت انسانوں نے اس آبادی کو چاروں طرف سے گھیر کر اس میں آگ لگادی اور جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو درندوں نے مسلمان مرد عورت، بوڑھے اور چھوٹے چھوٹے معصوموں کو گھروں سے نکال کر قتل کیا، چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو ماں کی گود سے چھین کر آگ میں ڈالا، تقریباً ۱۳۲/افراد اس اندوہناک واقعہ میں شہید کیے گئے اس طرح چندیری میں بھی مسلمانوں کا اجتماعی قتل ہوا۔ بھاگل پور کے اس دردناک واقعہ میں مسلمانوں کے جانی اور مالی نقصان کا صحیح اندازہ لگانا ایک مشکل کام ہے۔

ان مشکل حالات میں حضرت امیر شریعتؒ کی ہدایت پر امارت شرعیہ کی ایک ٹیم اجناس و ملبوسات سے لدے ہوئے ٹرکوں کے ساتھ بھاگل پور کے لیے روانہ ہوئی۔ امارت کی یہ ٹیم ۲/نومبر ۱۹۸۹ء کو اس پر خطر حالات میں بھاگل پور پہونچی اور پھر ۴/نومبر ۱۹۸۹ء کو حضرت امیر شریعتؒ کی قیادت میں کل مسلم جماعتوں کا ایک مؤقر وفد بھاگل پور بذریعہ طیارہ پہونچا اور خود سے حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر امارت شرعیہ کی طرف سے بھاگل پور کے فساد زدگان کی امداد اور راحت رسانی اور آبادکاری کا کام زبردست پیمانہ پر کیا گیا۔

ابتدائی ریلیف اور بحالی روزگار کے سلسلہ میں دی جانے والی امداد کے علاوہ ایک ہزار ۲۹/ مکانات تعمیر کرا کر لوگوں کو آباد کیا گیا۔ ان سب کاموں پر تقریباً ایک کروڑ روپیہ امارت نے خرچ کیا۔ ۲۵/نومبر کو پھر حضرت امیر شریعتؒ نے بھاگل پور میں آبادی کے کاموں کا جائزہ لیا اور اس موقع پر آپ نے بھاگل پور کے مسلمانوں کو صبر اور دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ۔ حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''بھاگل پور کے مسلمان بڑے صبر آزما حالات سے گذرے ہیں ۔ امارت شرعیہ کی طرف سے تمام متاثرہ خاندانوں کی امداد اور آبادکاری اور آپ سب حضرات کی

طرف سے اس کام میں تعاون ہم سب کا دینی اور اخلاقی فریضہ تھا۔ ملک کے حالات ابھی تک پوری طرح معمول پر نہیں آئے ہیں اس لیے ہم لوگوں کو حوصلہ اور ہمت کے ساتھ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے امن وسلامتی کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے اور ناموافق حالات کا جرأت اور ہوش مندی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے'' ۳۹؎

آپ نے حاضرین کو دین پر ثابت قدم رہنے نیز اتحادو اتفاق کے ساتھ زندگی گزارنے کی بھی تلقین کی ۔ ۲۷؍نومبر کو حضرت امیر شریعتؒ نے شہر بھاگل پور کے قائدین علماء، دانشوروں اور سماجی کارکنوں کے نمائندہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ''مسلمان کیا کریں'' کے عنوان سے یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے خود ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور حالات کا مقابلہ پوری جرأت ، مومنانہ فراست اور ایمانی قوت کے ساتھ کرنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا:

''ایک خدا کا خوف اگر دل میں پیدا ہوا جائے تو سارے خوف مٹ جائیں گے ، ملک دشمن عناصر اور حملہ آوروں کا ہمت اور جوانمردی سے مقابلہ کرو۔ بزدل کی موت سے لڑ کر مرنا کہیں بہتر ہے'' ۴۰؎

ساتھ ہی آپ نے زور دے کر فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنی تحفظ اور مدافعت کا خود نظم کرنا ہوگا ، کیوں کہ دوسرے کے رحم وکرم پر بھروسہ کر کے زیادہ دن نہیں رہا جا سکتا ، اللہ کی ذات پر بھروسہ اور جرأت کے ساتھ ملک دشمن عناصر کا مقابلہ کرنا ہوگا اور انہیں یہ احساس دلانا ہوگا کہ ان کا بھی نقصان ہوسکتا ہے اور ان کی بھی جان جاسکتی ہے۔

اسی طرح ملک کے اندر بہت سارے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جیسے مراد آباد ، میرٹھ ، رانچی وغیرہ ، جہاں آپ اور آپ کی ٹیم نے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا اور ایک سچے قائد کی طرح مسلمانوں کے جان و مال اور ان کے شعائر و مفادات کی خاطر احتجاج کرتے رہے اور ان کی امداد ، راحت رسانی اور

آبادکاری کی خاطر جدو جہد کرتے رہے اور ساتھ اپنے مواعظ وملفوظات سے مسلمانوں کا حوصلہ اور جوش بڑھاتے رہے اوران حالات سے کیسے نپٹا جائے اس کی ترکیب بتلاتے رہے۔آپ کے ذریعہ دیے گئے بیانات و پیغامات مسلمانوں کے لیے ڈھال ثابت ہوتے تھے۔

آپ کی زندگی میں ہندوستان میں جس طرح فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور ان کے حل کی جو تدبیریں آپ نے کیں اور جس طرح مصیبت زدوں کی امداد و راحت رسانی اور باز آبادکاری کا کام کیا وہ سب آج بھی ہم سبھوں کے لیے ایک مثال ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے روشنی اوراسوہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی امارت اوراس کے کارکنان آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے ہوئے جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت اور پریشانی آتی ہے امارت کی ٹیم وہاں پہونچ کرلوگوں کی راحت رسانی میں سرگرم عمل رہتی ہے۔آج بھی بہار اور ملک کے دوسرے مقامات پر ہونے والے فسادات میں امارت کے کارکن متاثرہ علاقوں میں پہونچ کر ریلیف پہونچاتے ہے۔مسلمانوں میں خوف و ہراس دور کرکے ان کے اندر اعتماد پیدا کرنا نیز مسلم پرسنل لاء، بابری مسجد، مسلم اوقاف وغیرہ کے تحفظ کے سلسلہ کی تحریک میں قائدانہ حصہ لینا اور سیاسی صورت حالات اوراس کے اتار چڑھاؤ کا جو مسلمانوں کے ملی وجود پر اثر پڑتا ہے اس سلسلہ میں موثر اقدامات کرنا امارت کے فرائض میں شامل ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس ملک میں ایک باعزت شہری کا مقام دلایا جاسکے ، یہ سب کام آپ کے ہی انداز تربیت اور آپ کے ہی طریقہ کاراور رہنمائی کی دین ہیں جو آج تک پھل پھول رہے ہیں۔

امارت کے مختلف شعبے اور آپ کی کارکردگی :

شعبہ تعلیم:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنا وغیرہ ہے۔ آپ کے عہد میں اس شعبہ کے اندر بھی کافی ترقی اور استحکام آیا، یہی وجہ ہے کہ آج سینکڑوں مکاتب

امارت کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔آپ نے اس کے تحت دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم پر بھی کافی زور دیا تا کہ مسلمانوں کو جدید اعلیٰ تعلیم سے بھی آراستہ کیا جائے تا کہ وہ ہر میدان میں ممتاز رہ سکیں اس کے اوپر آپ نے خوب دھیان دیا اوران کی حوصلہ افزائی کے خاطر تعلیمی فنڈ کے نام سے باضابطہ ایک فنڈ قائم کیا تا کہ مسلمان بچوں کو اعلیٰ تعلیم مثلاً انجینیر نگ اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے میں مالی دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اوران کی امداد ہوسکے۔

شعبہ تبلیغ و تنظیم:

امارت شریعہ کا یہ ایک اہم شعبہ ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا، دین اوراس کے تقاضوں کو سمجھانا، قوانین شریعت پر عمل کرنے کی تلقین کرنا، غلط رسم و رواج مٹانے اور اسلامی طریقہ زندگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا نیز مسلمانوں کو کلمہ کی بنیاد پر متحد کرنا، مسلکی اور نسبی اختلافات پاٹنے کی کوشش کرنا اور ایک امیر کے ماتحت زندگی گزارنا ہے۔

آپ کے مبارک عہد میں اس شعبہ کے دائرہ کار میں بھی بڑی وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانان بہار واڑیسہ کی ایک بڑی آبادی امارت شرعیہ سے قریب ہوئی اور وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے تقاضوں کا خیال رکھتی تھی۔

شعبہ افتاء:

امارت شرعیہ کے دارالافتاء کو بھی آپ کے دور میں بڑی وسعت حاصل ہوئی اوراس نے ملک و بیرون ملک سے ایسی مرجعیت حاصل کی کہ اب وہ ملک کے چند اول درجہ کے دارالافتاء میں ایک ہے، چوں کہ ایک زمانے تک امارت شرعیہ میں کوئی قابل ذکر کتب خانہ موجود نہ تھا اس لیے آپ نے اس شعبہ کو براہ راست اپنی نگرانی میں ''خانقاہ رحمانی'' منتقل کردیا تا کہ مفتی حضرات وہاں کے کتب خانہ سے استفادہ کرسکیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی امارت کا ۳۴؍سالہ دور امارت شرعیہ کے لیے نہایت روشن دور تھا جس میں امارت کا دائرہ کافی وسیع ہوا جو کہ پہلے کافی محدود شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی امارت شرعیہ کے دفتری نظام اور تمام شعبہ جات میں کافی ترقی ہوئی اور استحکام آیا اس کے گونا گوں شعبے قائم ہوئے اور شاندار عمارتیں وجود میں آئیں۔ امارت شرعیہ کی خدمات کا دائرہ بھی عملی طور پر بہت وسیع ہوا اور اس میں مزید استحکام آیا، آپ کی کوششوں سے ہی بہار واڑیسہ اور دیگر جگہوں میں امارت شرعیہ اور دارالقضاء کا نظام قائم ہوا جس کی وجہ سے اصلاح معاشرہ اور نفاذ شریعت کی راہ استوار ہوئی۔

آپ نے امارت کی ترقی میں توازن باقی رکھا اور روحانی اور مادی دونوں طرح کی ترقی کی بنیاد رکھی۔ معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہری ترقی پر بھی دھیان دیا، چنانچہ آپ ہی کے دور میں امارت شرعیہ کی شاندار عمارت بنی۔ امارت کا دفتر پہلے پھلواری شریف کے اندر واقع تھا جہاں ہر شخص کا پہونچنا بڑا مشکل تھا، صفائی کا بھی اچھا انتظام نہ تھا، برسات میں خاص کر مزید دشواریاں ہوتی تھیں، ان ساری چیزوں کو دیکھ کر آپ نے اس کے لیے لب سڑک ایک لمبا چوڑا پلاٹ خریدا اور عمارت کا سنگ بنیاد رکھا، عمارت کی تعمیر کرائی اور پھر بڑے بڑے علماء ومشائخ اور حکومت کے ذمہ داروں کو مدعو کر کے عمارت کا افتتاح کیا اور اس جدید طرز کی شاندار بلڈنگ میں امارت شرعیہ کو منتقل کیا اس کے علاوہ مولانا سجاد ہاسپٹل کی عمارت بھی آپ کے دور کی ہی مرہون منت ہے، اس ہاسپٹل کا ایک بڑا حصہ آپ کے دور امارت میں مکمل ہوا ساتھ ہی مسلم نوجوانوں کو ٹکنیکل تعلیم سے آراستہ کرنے کے خاطر ٹکنیکل سنٹر کی عمارت کی بنیاد بھی آپ کے دور میں رکھی گئی۔ اس کے علاوہ شعبہ نشر واشاعت کو بھی فعال بنایا، امارت کا نمائندہ نقیب بھی پندرہ روزہ سے ہفت روزہ ہوا اور ملکی صحافت میں اس کو خاص مقام حاصل ہوا۔ بیت المال کو استحکام ہوا اور اس کے ذریعہ امارت کے ایک اہم شعبہ اعانت محرومین میں خاصی وسعت ہوئی۔ اور سب سے بڑی بات آپ کی حکمت وفراست اور مردم شناسی کے وصف نے بھی امارت اور اس کے نظام کو بڑی تقویت پہنچائی، آپ نے امارت میں ایسے باصلاحیت لوگوں کو گوشہ گوشہ سے چن کر جمع کر دیا جو اپنے فن میں آفتاب وماہتاب اور نجوم تھے۔

آپ نے شعبہ قضاء جو امارت کا سب سے اہم شعبہ تھا اس کے لیے حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کا انتخاب فرمایا جو اپنی ذہانت، تفقہ، معاملہ فہمی اور فکر امارت کی ترجمانی ونمائندگی میں ماہر تھے۔ اسی طرح آپ نے امارت کے انتظامی شعبہ کے لیے جو کہ بڑی اہمیت کا حامل ہے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کی خدمات حاصل کیں جو منصوبہ بندی کی گہرائی کے ساتھ مسائل پر غور کرنے اور صبر وتحمل کے ساتھ لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی خاص صلاحیت کے مالک ہیں۔ اسی طرح آپ نے نقیب کی ادارت کے لیے شاہد رام نگری کو مقرر کیا جو ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل پر اظہار خیال میں نمایاں تھے۔

شعبہ افتاء کے لیے بھی آپ نے ہمیشہ باصلاحیت اور عمیق النظر علماء کا ہی انتخاب فرماتے اور خود ان کاموں کی نگرانی کرتے۔ ان حضرات کے تعاون نے بھی امارت اور اس کے نظام کو نئی راہ دی جو آج تک روشن ہے۔

مندرجہ بالا صفحات میں آپ کی خدمات جلیلہ کی چند اہم جھلکیاں پیش کی گئیں جن کی روشنی میں آج بھی بالخصوص امّت مسلمۂ ہند اپنا حال سنوار سکتی ہے اور مستقبل کو روشن تر بناسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں مولانا کے ان خدمات کو فیض رحمانی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کے خوش آئند اثرات ونتائج امت پر مترتب ہوسکتے ہیں اگر آج بھی یہ امت خلوص وللّٰہیت، عزم وجواں اور حکمت عملی کے اثاثوں کے ساتھ اپنا رخت سفر باندھ لے۔

حوالے وحواشی

۱۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات، ص۵۴۹

۲۔ ایضاً، ص۵۵۰

۳۔ ایضاً، ص۵۵۰

۴۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات اسی تحقیقی مقالہ کے تیسرے باب بعنوان ''مولانا اور مسلم پرسنل لا بورڈ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ امارت شرعیہ تعارف، خدمات اور منصوبے، شعبہ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ص۱۶

۶۔ سورہ آل عمران، پ۴، رکوع ا، آیت: ۱۰۴-۱۰۲

۷۔ سورہ الشوریٰ، پ ۲۵، رکوع ۴، ایت: ۳۷

۸۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی: جامعۃ الترمذی، جلد۲، کتاب الفتن، ص ۳۹، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۹۔ شیخ والی الدین محمد بن عبداللہ التبریزی: مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، ص۱۲، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۱۰۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح بخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر۷، ص ۱۰۵۷

۱۱۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی: جامعۃ الترمذی، جلد۲، کتاب الفتن، ص ۳۹، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۱۲۔ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ تاریخ و خدمات کی روشنی میں، ص ۹، دارالاشاعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ، جون ۱۹۹۸ء

۱۳۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ تاریخ وخدمات کی روشنی میں، ص۹

۱۴۔ ہفت روزہ الجمعیۃ، نئی دہلی، ص ۱۲۷

۱۵۔ ایضاً، ۱۲۸

۱۶۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ تاریخ وخدمات کی روشنی میں، ص۱۲

۱۷۔ حافظ محمد امتیاز رحمانی: نقوشِ تاباں، ص۱۴۳، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۱۸۔ ڈاکٹر علامہ اقبال: کلیات اقبال،

۱۹۔ حافظ محمد امتیاز رحمانی: نقوش تاباں، ص۱۴۴

۲۰۔ ایضاً، ص۱۴۲

۲۱۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص۲۶۴

۲۲۔ محمد شفیع پھلواروی: تربیت قضا کے دو ہفتے، ص۲۲-۲۰، دارالاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۹۸۵ء

۲۳۔ ایضاً، ص۲۴

۲۴۔ ایضاً، ۲۶-۲۵

۲۵۔ شمس الدین السرخسی: مبسوط، جلد ۱۶، ص ۱۷، مطبعۃ السعادۃ، مصر، طبع اول

۲۶۔ القضاء فی الاسلام، ص ۳۸

۲۷۔ سورۃ النساء، پ ۵، رکوع ۷، آیت ۳۳

۲۸۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد۲، ص۱۰۵۲

۲۹۔ حافظ محمد امتیاز رحمانی: نقوش تاباں، ص ۱۶۸

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۳۱۔ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص۱۵۳

۳۲۔ ایضاً، ص۱۵۳

۳۳۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اجلاس ہفتم کلکتہ،

۳۴۔ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص ۱۸۶

۳۵۔ نقیب، بحوالہ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص ۱۹۵

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۹۶

۳۷۔ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، ص ۱۹۹

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۳۹۔ ایضاً، ص۲۱۴

۴۰۔ ایضاً، ص۲۱۴

باب سوم
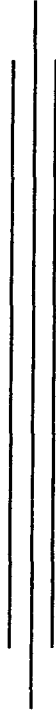
آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
اور
مولانا رحمانی

مولانا منت اللہ رحمانی کی خدمات کا ایک اہم شعبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہے۔ آپ اس کے بانیوں میں سے ہیں اور اس کے روح رواں بھی۔ اس کا قیام آپ کا ایسا کارنامہ ہے جسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ آپ نے شریعت اسلامی کی بقا وتحفظ اور اس کے خلاف اُٹھنے والی سازشوں سے مقابلہ کرنے کی خاطر ہی اس کی داغ وبیل رکھی جو آگے چل کر تحفظ شریعت کی فضا سازی اور اس کی بقا ونفاذ میں ایک اہم کڑی ثابت ہوا۔

مولانا رحمانی کی ایک نا قابلِ فراموش خدمت:

مولانا منت اللہ رحمانی کی عملی زندگی کی ابتداء سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے ہی آپ کا ذہن قانون شریعت کے نفاذ، حفاظت اور بقا کی طرف مرکوز رہا۔ اور دینی وملی قیادت کا فکر شروع سے ہی آپ کے ذہن ودماغ پر حاوی تھا۔ جوانی سے ہی آپ کا یہ ذہن تھا کہ شعائر اسلامی کی بقا سے ملت کا حوصلہ بلند رہے گا اور قانون شریعت کی حفاظت کی وجہ سے شریعت پر عمل کرنا آسان ہوگا اور معاشرے میں اسلامی اثرات اور مسلمانوں کی خوبی وپہچان باقی رہے گی۔ چنانچہ آپ نے اس بلند پایہ مقصد کے حصول کے لیے شروع سے ہی اپنے آپ کو متحرک وفعّال بنائے رکھا اور ۱۹۳۷ء میں جب حکومت بہار نے زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے ضمن میں اوقاف پر ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں ایک بل پیش کیا تو آپ نے اس کی مخالفت کی اور جب اسمبلی میں حکومت بہار کے مشیر قانون مسٹر بلدیو سہائے نے یہ کہا کہ اوقاف پر ٹیکس لگانا قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے تو آپ نے اس موضوع پر بڑی عالمانہ اور مفصل ومدلل تقریر فرمائی یہاں تک کہ حکومت کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ [1]

آپ نے تاریخی شواہد اور دینی کتب کے مستند حوالوں سے ثابت کیا کہ اسلام میں وقف علی

الخیر اور وقف علی الاولاد کا ایک ہی حکم ہے۔ آپ نے اسمبلی کے ایک ممبر کی حیثیت سے اس کے خلاف اپنی اس مدلل و مستند تقریر کے ذریعہ ہر خاص و عام کو اس کی شرعی حیثیت کا احساس دلایا۔ آپ نے اپنی تقریر کے ذریعہ حکومت کی آنکھیں کھول دیں اور تمام مسلم ممبران کو بھی متحرک کر دیا اور وہ لوگ بھی اس معاملے میں متحد و متفق ہو گئے جس سے کانگریس کے مرکزی ہائی کمان کو فکر ہوئی تو پارٹی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو مسئلہ کے حل کا ذمہ دار بنایا۔ وہ پٹنہ تشریف لائے اور انہوں نے بہار کانگریس کے نمائندے شری کرشن سنگھ، انوگرہ نرائن سنگھ اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نمائندے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مسٹر خلیل احمد (سابق چیف اڑیسہ) اور آپ (منت اللہ رحمانی) کے ساتھ کئی میٹنگیں کیں۔

بالآخر مولانا آزادؒ کو دلائل کے پیشِ نظر آپ کی رائے کو ترجیح دینا پڑی جو حق و انصاف کے عین مطابق تھی جسے حکومت نے بھی تسلیم کیا اور اس طرح اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ آپ اپنے دلائل و براہین اور قوت ایمانی و فراست سے حکومت کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یقیناً اگر بہار اسمبلی میں آپ نہ ہوتے تو یہ مذہبی مسئلہ نہ اس کامیابی کے ساتھ بیان کیا جاسکتا اور نہ طے ہوتا۔

اسی طرح ایک اور اہم معاملہ وہ تھا جب کہ مرکزی حکومت نے ۱۹۶۳ء میں مسلم پرسنل لاء میں سماجی اور معاشرتی حالات کے تحت مناسب اصلاح کے نام پر باضابطہ کمیشن مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اصلاح کی آڑ میں دستور کی دفعہ ۴۴ کے مطابق یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کی جائے۔ آپ نے حکومت کی چال کو بھانپ لیا۔ آپ کی دور بیں نگاہ دیکھ رہی تھی کہ حکومت ہند کی نیت مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں صحیح نہیں ہے اور اس نے مسلمانوں میں تجدد پسند طبقہ کو پرسنل لاء کے خلاف کھڑا کرنا شروع کر دیا ہے۔

آپ نے اس کا نوٹس لیا اور اس کے مضر اور دوررس نتائج کا احساس کرتے ہوئے سب سے پہلے قدم بڑھایا۔ امارت شرعیہ کے زیر اہتمام ۲۸/ جولائی ۱۹۶۳ء کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں ایک جماعتی مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقد کر کے حکومت کی سازش کا پردہ چاک کیا اور اس کو ناکام کرنے کی ہر

ممکن سعی فرمائی۔ اس کنونشن میں مسلمانوں کے مختلف حلقوں کے نمائندے شریک ہوئے جس کی صدارت حضرت مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی (ورکنگ صدر جمعیۃ علماء ہند) نے فرمائی۔ اس کنونشن کے ذریعہ دو تجویزیں پاس کی گئیں:

(۱) حکومت ہند نے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کے لیے کمیشن کے تقرر کا اعلان کر کے انتہائی غلط اقدام کیا ہے۔ اجلاس متفقہ طور پر اس رائے کا اظہار کر دینا چاہتا ہے کہ مسلمان مسلم پرسنل لاء میں کسی تبدیلی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

(۲) یہ کنونشن مسلمانوں کے ان نادان دوستوں کی روش پر اپنی بیزاری اور افسوس کا اظہار کرتا ہے جو جدت پسندی کے جنون میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کے غلط مشورے دے رہے ہیں۔[۲]

مولانا رحمانی کی اس نوٹس اور جرأت مندانہ اقدام نیز اس کنونشن کی آواز اور مسلمانوں کے نمائندے کی متفقہ مخالفت کے نتیجے حکومت کے لیے تشویش کا باعث بنے اور انہیں نظرانداز کرنا حکومت کے لیے مشکل ہوگیا۔ بالآخر حکومت نے کمیشن مقرر کرنے کا فیصلہ واپس لیا۔ وزیر قانون نے پارلیامنٹ میں یہ کہہ کر بحث کو ختم کر دیا کہ حکومت اس وقت مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔

چنانچہ ۳۱/اگست کو راجیہ سبھا میں مرکزی وزیر مسٹر اشوک کمار سین نے اعلان کیا کہ حکومت نے ایسی کسی بھی کمیٹی کے تقرر کا ارادہ ترک دیا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی مخالف ہے اور حکومت اقلیت کے پرسنل لاء میں ان کی مرضی کے بغیر کسی ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی۔[۳]

وزیر قانون کے الفاظ ''حکومت اس وقت مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی'' سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ حکومت کا یہ اعلان وقتی تھا اور یہ اعلان حالات کی سنگینی اور آپ کی مخالفت کے پیشِ نظر کیا گیا تھا۔ نہ حکومت کی پالیسی میں فرق آیا تھا اور نہ یہ مسئلہ ختم ہوا تھا، بلکہ حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کے ارادے میں تبدیلی آئی تھی۔ جیسا کہ بعد میں آنے والے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نہ کسی بہانے برابر مسلم پرسنل لاء پر حملہ ہوا اور اس کے

اندر ترمیم وتبدیلی کی مانگ ہوتی رہی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

۱۹۳۷ء اور ۱۹۶۳ء کے واقعات کو یہاں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا تا کہ ان واقعات سے پتہ لگ جائے کہ آپ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام سے قبل ہی مسلم پرسنل لاء اور قانون شریعت کی حفاظت کے خاطر فکرمند وکوشاں تھے اور شروع سے ہی یکساں سول کوڈ کی مخالفت کرتے رہے تھے۔ شریعت کی حفاظت اور اسلامی معاشرہ کا قیام اور بدلے ہوئے ملکی حالات میں اس کی حفاظت کا نقشہ شروع سے ہی آپ کے ذہن میں تھا۔ آپ نے تحفظ شریعت اور نفاذ شریعت کو ایک مشن کی طرح انجام دیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے پوری زندگی کو شعائر اسلامی کی فکر اور ان کی حفاظت کے خاطر قربان کردیا۔ جب بھی شریعت اور مسلم پرسنل لاء پر حملہ ہوتا آپ اُٹھ کھڑے ہوتے اور جب تک اس سے نجات نہ حاصل کرلیتے چین سے نہ بیٹھتے۔

آپ کی وہ خدمات کو جنھیں بورڈ کے پلیٹ فارم سے تحفظ شریعت کے سلسلہ میں آپ نے انجام دی ہیں، کا تذکرہ کیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ کی ان خدمات وکارناموں کا تذکرہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسلم پرسنل لاء اور بورڈ کا اجمالی جائزہ لیا جائے۔ مسلم پرسنل لا کیا ہے؟ بورڈ کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ نیز اس کا تاریخی پسِ منظر کیا ہے؟ ذیل میں یہی امور وحقائق اس اجمالی جائزے کے مشتملات ہوں گے۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟:

مسلم پرسنل لاء کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے مختلف علماء کی آراء نقل کی جاتی ہیں تا کہ یہ سمجھا جاسکے کہ اس کی حقیقت واصلیت کیا ہے۔ ان علماء کی رائے جاننے کے بعد اس کا تجزیہ کرنا آسان ہوجائے گا اور اس کی حقیقت کا بھی اندازہ لگ جائے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی وجنرل سکریٹری کی رائے ملاحظہ فرمائی جائے:

''مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کا شخصی قانون جب ہم اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں

تو ہماری اس سے کیا مراد ہوتی ہے؟ وہ ایک مکمل قانون شریعت جو قرآن وسنت، اجماع اور اجتہاد ائمہ سے ثابت ہے یا وہ مخصوص قانون جس کو انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفع ۲ میں مسلم پرسنل لا کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے'' ؎۴

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ اس کو یوں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسولؐ کے ذریعہ جو قانون ہمیں عطا فرمایا اس کے مختلف شعبے ہیں ان میں ایک شعبہ اس قانون کا ہے جو انسانی سماج اور معاشرہ سے متعلق ہے جس پر خاندانی نظام کی بنیاد واساس ہے، جو سماجی تعلقات کے اصول بتاتا ہے، جس میں خاندان کے مختلف افراد کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو متعین کیا گیا ہے۔ ان ہی قوانین کو آج عرب علماء ''قوانین احوال شخصیہ'' اردو میں ''عائلی قوانین'' اور انگریزی میں پرسنل لاء یا فیملی لاء کہتے ہیں'' ؎۵

اسی طرح مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی لکھتے ہیں:

''مسلم پرسنل لا کا مفہوم مجموعی طور سے تقریباً پورے ہی اسلامی شریعت پر صادق آتا ہے یعنی وہ قوانین جن کا تعلق مسلمانوں سے اور خاص طور پر جب کسی غیر اسلامی قانون کے مقابلے میں اس کا نام لیا جائے تو اس کے عمومی معنی یہی ہوں گے'' ؎۶

شمس تبریز خاں ''مسلم پرسنل لا کیا ہے؟'' کو بڑے ہی مدلل انداز میں بیان کرتے ہیں:

''مسلم پرسنل لا کا مفہوم انگریزی دور حکومت میں بھی بہت وسعت رکھتا تھا اور مجموعی طور پر اس کے معنیٰ تقریباً پورے ہی اسلامی قانون وشریعت کے ہوتے تھے یعنی وہ قانون جس کا تعلق مسلمانوں سے ہے یعنی "The laws which belong to Muslims"۔ آج بھی حدود اور تعزیرات کو چھوڑ کر بقیہ زیادہ تر معاملات کے لیے یہی لفظ مستعمل ہے اور جب کسی غیر اسلامی قانون کے مقابلے میں اس کا نام لیا جائے گا تو اس کے عمومی معنیٰ یہی ہوں گے۔ چوں کہ یہ مذہب کا جز ہیں اس لیے وہ بنیادی حقوق کے دفعہ ۲۶/۲۵ کے تحت آجاتے ہیں جن میں قانون کوئی تبدیلی نہیں

کرسکتا ہے

اس سلسلہ میں ایک اور صاحب قلم کی رائے یہ ہے:

''اسلامی پرسنل لاء ان مجموعہ قوانین کا نام ہوگا جو مومنین کی عائلی زندگی کو منصوص احکام کے تابع رکھتے ہوئے زمان ومکان کے حالات ومطالبات کے موافق اسلامی طرز زندگی کو باقی و برقرار رکھتے ہوئے ترقی پذیر و جدت پسند زندگی گزارنے میں مدومعاون ہوتے ہیں'' ۸

اسی سلسلہ کو بڑھاتے ہوئے دیکھا جائے کہ خود مسلم پرسنل لاء بورڈ کی نظر میں اس کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ بورڈ کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے:

''اسلامی شریعت کا وہ ضابطہ جس کا تعلق مسلمانوں کے آپسی اور گھریلو معاملات سے ہے، مسلم پرسنل لاء کہا جاتا ہے۔ یعنی نکاح، طلاق، فسخ نکاح، وصیت، وراثت، ہبہ، رضاعت وغیرہ جیسے معاملات کے تعلق سے جو اسلامی قانون ہیں ان کو مسلم پرسنل لاء کہتے ہیں'' ۹

ان سارے صاحب قلم حضرات وعلماء کرام کے خیالات جاننے کے بعد مسلم پرسنل لاء کی حقیقت واصلیت کا بخوبی اندازہ لگ جاتا ہے۔ ان سارے حضرات کے خیالات میں یکسانیت کے پیشِ نظر یہ بات صاف ہوجاتی ہے اور اس کا تجزیہ بھی آسان ہوجاتا ہے کہ یہ مجموعۂ قوانین اسلامی کا ہی حصہ ہے جسے مسلم پرسنل لاء کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ملکی دستور سے واقف حضرات کو یہ معلوم ہے کہ ملک کے اندر رائج قوانین کی دواہم قسمیں ہیں (۱) سول کوڈ (۲) کریمنل کوڈ۔

۱۔ کریمنل کوڈ:

اس کے اندر جرائم کی سزائیں اور بعض انتظامی امور آتے ہیں جو کہ سبھی اہل وطن کے لیے یکساں ہیں اس کے اندر کسی بھی طرح کی تفریق نسل ومذہب کی بنا پر قانوناً نہیں کی گئی ہے۔

۲۔ سول کوڈ:

اس کے دائرہ میں وہ تمام قوانین آتے ہیں جن کا تعلق معاشرتی اور تمدنی جیسے امور سے ہیں۔ اس قسم کے بیش تر قوانین بھی تمام اہل وطن کے لیے یکساں ہیں۔ البتہ اس کے ایک حصہ کو جسے پرسنل لاء کہتے ہیں میں اتنی رعایت دی گئی ہے کہ ملک کی اقلیت بشمول مسلمان کو ان کے مذاہب کے لحاظ سے کچھ شعبوں میں الگ مذہبی قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تا کہ وہ اپنے مذاہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ اپنے مذہبی قوانین پر عمل کریں۔ اس کو پرسنل لاء کی آزادی کہتے ہیں۔

چنانچہ اس کے تحت مسلمانوں کو بھی دستور ہند میں یہ حق دیا گیا ہے کہ نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مباراۃ (خلع کی ایک قسم) فسخ نکاح، عدت، نفقہ، وراثت، وصیت، ولادت، رضاعت، حضانت اور وقف سے متعلق مقدمات و معاملات اگر سرکاری عدالتوں میں دائر کیے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلے کریں گی۔ [۱۰]

مسلم پرسنل لاء کی اہمیت:

مسلم پرسنل لاء کی اہمیت کو مولانا منت اللہ رحمانی بیان کرتے ہیں:

"مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کی مستقل تہذیب اور عائلی نظام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی، عائلی اور سماجی زندگی سے مسلم پرسنل لاء کا بہت گہرا رشتہ اور انہیں قوانین کی بنیاد پر ان کی عائلی اور سماجی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ اگر مسلم پرسنل لاء ختم ہوجائے تو نہ صرف یہ کہ اسلامی قوانین عملاً عبادات کے دائرہ میں سمٹ کر رہ جائیں گے بلکہ سماجی روح کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اور جڑ ہی خشک ہوجائے گی جس کے پتوں کا مخصوص رنگ اسے دوسرے درختوں سے ممتاز کرتا ہے"[۱۱]

مذکورہ بالا معاملات و مسائل کا تعلق براہ راست قرآن شریف سے ہے جن سے بیش تر کے احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور یہ ایسے امور نہیں ہیں کہ ان کے سلسلہ میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار

کیا جائے یا ان امور میں اپنی خواہش کے مطابق کوئی قانون سازی کی جائے کیوں کہ ان سب مسائل کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور ان احکام کی پابندی پر زور بھی دیا گیا ہے اور ان کی خلاف ورزی پر سخت وعید بھی آئی ہے۔ مثلاً نکاح کے احکام بیان کرنے کے بعد قرآن میں ارشاد ہے ''**کتاب الله علیکم**'' (نساء:۲۴) (یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی لازم ہے) طلاق اور خلع کے احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد باری ہے: ''**تلک حدود الله فلا تعتدوها من یتعد حدود الله فاولئک هم الظالمون**'' (بقرۃ:۲۲۹) (یہ اللہ کے حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں) اس طرح وراثت کے قانون کو ذکر کیا گیا: ''**فریضةً من الله**'' (نساء:۱۱) (یہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے)

اس طرح نکاح و طلاق سے متعلق احکام قرآن مجید کی ان سورتوں بقرہ، نساء، احزاب، طلاق کی تقریباً تیس آیتوں میں موجود ہے۔ وراثت کے احکام بھی سورہ نساء کے تقریباً پورے ایک رکوع میں یکجا بیان ہوا ہے اور بعض اس سورہ کے آخر میں۔ زوجین کے حقوق و فرائض کی تفصیلات بھی متعدد سورتوں (بقرہ، نساء، احزاب، طلاق وغیرہ) میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی ان احکام کا ذکر موجود ہے۔[۱۲]

چنانچہ اس کے علاوہ بھی متعدد آیات ایسی ہیں جن سے ان قوانین پر عمل کرنے کی تاکید اور اس کے نہ کرنے پر وعید کا پتہ چلتا ہے:

اتبعو ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعو من دونه اولیاء (اعراف:۳)

(تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کی پیروی نہ کرو)

اسی طرح ''**وان حکم بینهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم واحذر هم ان یفتنوک عن بعض ما انزل الله الیک**'' (مائدہ:۴۹)

(اے پیغمبر تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان

کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر بعض ان احکام سے منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کیے ہیں)

بورڈ کے قیام کا تاریخی پسِ منظر اور مولانا رحمانی:

ویسے تو مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے کسی بورڈ کی تشکیل کی ضرورت مسلمانوں کے دل میں شروع سے تھی، لیکن دستور ہند کی دفعہ ۴۴ نے اس کے لیے اساس مہیا کردی اور متبنیٰ بل کا مسودہ قانون نے اس کے قیام کے محرکات کو جلا بخشی، جس کے نتیجہ میں پورے ملک کے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور پورے ہندوستان میں انتہائی سخت قسم کا ردعمل ہوا اور اس کے قیام کی کوششیں تیز ہوگئیں۔ شمس پیرزادہ دستور ہند کی دفعہ ۴۴ کے عنوان سے ''مسلم پرسنل لا اور یکساں سول کوڈ'' کے اندر لکھتے ہیں:

> ''مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کے لیے ملک میں جو تحریک چلائی جارہی ہے اس کا منشا دراصل مسلم پرسنل لاء کو پوری طرح ختم کرنا اور اس کی جگہ ایک ایسے سول کوڈ کو نافذ کرنے کے لیے راہ ہموار کرنا ہے جو تمام فرقوں کے لیے یکساں ہو، جس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ ہو اور اسلام کا یا کسی اور مذہب کا عائلی قانون باقی نہ رہے۔ اس تحریک کی بنیاد تو اصلاً مغربی تہذیب اور مادہ پرستانہ نظریہ حیات ہے لیکن دستور ہند دفعہ ۴۴ نے جو رہنما اصول میں سے ہے اس کے لیے اساس مہیا کردی ہے'' [۱۳۱]

مسلمانوں کی ہر جماعت، تنظیم، فرقہ اور ادارے نے ایک ساتھ مل کر اس کی پُر زور مخالفت کی اور مداخلت فی الدین برداشت نہ کرنے کا اعلان فرمایا اور متحد ہوکر اس مسئلہ کے تحفظ کا منصوبہ تیار کرنے کا عہد کیا اور یہ اعلان کیا:

۱۔ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی دین اسلام میں مداخلت ہے۔

۲۔ یکساں سول کوڈ یا اس کے مماثل کوئی قانون مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

۳۔ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو ایک منظّم منصوبہ بنا کر کام کرنا چاہیے۔

حالاں کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو ۱۹۳۷ء میں شریعت اپلیکشن ایکٹ کے ذریعہ قانونی تحفظ دیا گیا تھا جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ نکاح، طلاق، فسخ، وراثت، حضانت، ہبہ، وصیت اور وقف وغیرہ سے متعلق معاملات میں اگر فریقین مسلمان ہوں تو لازمی طور پر وہ مسلم پرسنل لاء کے تابع ہوں گے اور ایسے تمام رسوم و رواج باطل قرار دیے جائیں گے جو شریعت محمدیہؐ سے ٹکراتے ہوں۔

جب ہندوستان آزاد ہوا اور دستور سازی ہوئی تو دستور ہند کی دفعہ ۱۲۵ اور ۱۲۹ کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ لیکن دستور کے رہنما اصول دفعہ ۴۴ میں یہ کہہ کر کہ ''اسٹیٹ کوشش کرے گا کہ پورے ملک میں شہریوں کے لیے یکساں قانون نافذ ہو'' مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا بیج بو دیا گیا۔ یہ دفعہ ۴۴ رہنما اصولوں میں شامل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں ریاست جب بھی مناسب سمجھے گی قانون بنائے گی۔ اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''ریاست پورے ہندوستان میں اپنے باشندوں کے لیے یکساں سول کوڈ (شہری قوانین جن میں پرسنل لا شامل ہے) کی تشکیل دینے کی جدوجہد کرے گی'' [۱۴]

اس دفعہ کا اثر اس وقت ظاہر ہوا جب ہندوستان کے مختلف گوشوں سے کچھ نام نہاد اور روشن خیال خاص کر حکومت کے ذمہ داروں نے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب ۱۹۵۶ء میں ہندو پرسنل لاء میں ترمیم کی گئی اور ہندو کوڈ بل پاس ہوا تو اسی وقت اس بات کا خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ اب مسلم پرسنل لاء میں بھی ترمیم و تبدیلی کا نعرہ و مطالبہ زور پکڑے گا۔ اصلاً ہندو پرسنل لاء میں ترمیم درپردہ مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کے واسطے ہی اُٹھایا گیا تھا چنانچہ اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا:

''ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادیوں پر نافذ کی جائیں گی'' [۱۵]

وزیر قانون کا یہ بیان دراصل حکومت ہند کی پالیسی کا اعلان تھا اس کے ساتھ کچھ نام نہاد مسلمانوں کو بھی اس کام کے لیے آگے بڑھایا گیا جنھوں نے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ترقی پسندی

کے نام پر مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کا نعرہ بلند کیا۔ اخبارات و رسائل، سمینار و سمپوزیم اور اشاعت و ابلاغ کے تمام ذرائع مسلم پرسنل لاء کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔

چنانچہ اس نازک موقعہ پر مسلم علماء قانون دانوں اور دانش وروں میں جس نے سب سے زیادہ اس مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کیا اور اسے مسلم پرسنل لاء پر حملہ قرار دیا وہ آپ کی ذات ہی تھی۔ آپ کی شخصیت ہی نے اس کے مضر اثرات کو سمجھتے ہوئے مختلف مشرب کے نمائندوں اور اہل علم حضرات کو یکجا ہونے کا جذبہ پیدا کیا اور اس اہم مسئلہ میں اتحاد ملت کا بہترین موقع فراہم کیا۔ دراصل یہ ایک فتنہ تھا جو مسلمانوں کے تہذیبی اور معاشرتی ارتداد اور شریعت اسلامی سے بغاوت اور اس کی روحانیت کو ختم کر دینے کے مترادف تھا جس کا سب سے زیاہ احساس آپ کو ہوا بقول مولانا ابوالحسن علی ندویؒ:

> ''اس خطرے کا احساس جن لوگوں کو ہوا واقعہ یہ ہے کہ ان میں مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ پیش پیش تھے، انہوں نے بر وقت رہنمائی کی اور اس کے خلاف ایک منظّم مہم اور تحریک چلانے اور ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا''[۱۶]

آپ نے نہ صرف اس کی مخالفت ہی کی بلکہ اس کے تحفظ (مسلم پرسنل لاء) کے لیے مضبوط آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چوں کہ اس کے لیے کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جہاں سے اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا جاسکے، اس لیے سب سے پہلے آپ نے اس کے لیے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا، جو علمی و دینی میدان میں ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ اثرات و وسائل میں بھی مستحکم ہو جو تحفظ شریعت اور ملت کی مضبوط آواز کو بلند کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کو اس کے لیے ایک ایسے قائد کی بھی تلاش تھی جو اس اہم ملی منصب و قیادت کے لیے موزوں ہو۔ اس لحاظ سے اپ کی دور بیں نظر دارالعلوم دیوبند اور قاری صاحبؒ پر پڑی۔ ادارہ کے لحاظ سے دارالعلوم سب سے زیادہ موزوں تھا اور قیادت کے واسطے قاری صاحب کی شخصیت سب سے زیادہ موزوں تھی، کیوں کہ آپ اس ادارہ کے مہتمم تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی ذات علم و تقویٰ اور احترام کے لحاظ سے علماء کی جماعت

میں سب سے ممتاز و منفرد تھی۔

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ نے جو قدم اُٹھایا وہ یہی تھا کہ اس کے لیے باضابطہ ایک ادارہ کا انتخاب کیا تا کہ یہاں سے اس کے تحفظ کی آواز جلد حکومت اور مسلمانوں میں پہنچائی جاسکے اور دوسرا قدم اس کی قیادت کے لیے قاری صاحبؒ کا انتخاب تھا جسے ہر مکتبۂ فکر میں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اس کے بعد آپ نے متبنّیٰ بل دفعہ ۴۴ اور اس کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کے خلاف جو آواز بلند کی جارہی تھی، کے متعلق آپ نے اقدام کیا اور اسی سلسلہ کی سب سے پہلی نشست آپ کی اور قاری صاحبؒ کی تحریک پر برصغیر کی اس مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں بلائی گئی۔

آپ نے ملک کے مختلف مسلم جماعتوں کا ایک نمائندہ اجتماع بلایا۔ اجتماع ان سارے مسائل پر غور و فکر کرنے کے بعد اس بات پر متفق ہوا کہ یکساں شہری قانون کے نفاذ کی کوشش بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کو ختم کرنے اور مسلمانوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کی سازش ہے اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت اور دستور ہند میں دی گئی مذہبی آزادی پر حملہ ہے اور اس نے مزید طے کیا کہ تمام مسلم جماعتوں، اداروں اور مکاتیبِ فکر کا ایک نمائندہ وفد بمبئی جائے اور مسلم پرسنل لاء کے نام پر ایک کنونشن کی تیاری کرے۔ اس کنونشن کے لیے ممبئی کا انتخاب اس وجہ سے کیا گیا کہ اس کی مخالفت بھی یہیں سے ہوئی تھی۔ یہیں کے کچھ نام نہاد دانش وروں نے یہ مسئلہ اُٹھایا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی سرکردگی میں آپ (حضرت مولانا رحمانیؒ)، مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا سالم صاحب پر مشتمل ایک وفد بمبئی پہونچا اور کنونشن کی تیاری میں لگ گیا۔ کئی ہفتے کی محنت کے بعد کنونشن کی تیاری مکمل ہوئی جس کے نتیجہ میں دیوبند سے روانہ ہونے والا یہ چھوٹا سا قافلہ ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں ملت اسلامیہ کا سیلِ بے کراں بن کر اُبھرا اور مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر وہ تاریخی کنونشن ہوا جس کی مثال ہندوستان میں نہیں ملتی۔ اس میں مسلمانانِ ممبئی کی نمایاں اور اہم شخصیتوں نے بھی حصہ لیا تھا۔

باہمی مسلکی، سیاسی اور علاقائی گروہ بندیوں سے بالاتر ہوکر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے اس تاریخی اور نمائندہ ترین کنونشن نے قانون شریعت کی حفاظت کے لیے پوری قوت اور کامل اتحاد کے ساتھ اپنے واضح موقف کا دوٹوک اعلان کیا۔ بالآخر اسی کنونشن کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کا فیصلہ باتفاق رائے عمل میں آیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے مشہور اور تاریخی شہر حیدرآباد میں ۷/اپریل ۱۹۷۳ء کو ایک عظیم الشان اجلاس کے اندر اس کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی جس میں بورڈ کا دستور اساسی منظور کیا گیا اور عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے حضرت قاری صاحبؒ کو بورڈ کا صدر اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کو بورڈ کا جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ دونوں حضرات اپنے اپنے منصب کے لحاظ سے سب سے زیادہ موزوں ترین شخصیت تھے، جنہوں نے اپنے کارناموں اور خدمات سے ثابت بھی کیا اور بورڈ کے وقار کو دوبالا کیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقدہ ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء ممبئی کی منظور شدہ قراردادیں:

قرارداد نمبر (۱):

۱۔ مسلمانان ہند اس صورت حال سے شدید تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہیں جو مختلف قانون ساز اداروں سے منظور شدہ قوانین کے ذریعہ ان کے پرسنل لاء کو ختم کرنے اور مشترکہ سول کوڈ کی راہ ہموار کرنے کے لیے کی جارہی ہیں۔ لہٰذا مسلمانان ہند کا یہ نمائندہ اجتماع منعقدہ بمبئی (بتاریخ ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء) جو مسلمانان ہند کے تمام مکاتیب فکر اور مسالک کے علاوہ ان کی تمام دینی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی انجمنوں، جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے کامل اتفاق اور قطعیت کے ساتھ اپنے اس موقف کا اعلان کرتا ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام وحی الٰہی پر مبنی ہیں ان میں نہ کوئی کمی ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ زیادتی جسے کم کرنے کی حاجت پیش آئے۔

۲۔ یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنے یقین کا اظہار کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کے دین و مذہب کا ایک جز ہے۔ کسی مسلمان کے لیے احکام شرع اسلامی سے گریز جائز ہے اور نہ وہ کسی

ایسے فیصلے کو کسی حال میں قبول کرسکتا ہے جو اللہ کے حلال کیے ہوئے کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے۔ یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنے محکم فیصلے کا اعلان کرتا ہے کہ پارلیمانٹ یا ریاستی مجالس قانون ساز کو شریعت اسلامی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں ہے اور کون سے قوانین شرع اسلامی کے مطابق یا متعلق ہیں اور کون سے نہیں، اس کے بارے میں ہر فرقہ اور مسلک کے مستند و معتمد علماء شریعت ہی کا فیصلہ آخری اور قطعی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ یہ کنونشن ان چند افراد کی مذموم کوششوں سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتا ہے جو مسلم پرسنل لاء کی اصلاح کے نام پر قانون شریعت میں مداخلت کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

۴۔ اگر دور غلامی میں کچھ مذہبی قوانین میں ترمیمات کی گئی ہوں یا کسی مسلم ملک میں عائلی قوانین کے اندر کوئی تبدیلی عمل میں آئی ہو تو یہ عمل قانون شریعت میں ترمیم و تنسیخ کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

۵۔ یہ کنونشن اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ شخصی اور عائلی قوانین امت کے تشخص کی امتیازی حیثیت اور اس کی تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کے ضامن ہیں اور کوئی مسلمان اپنی ملی انفرادیت، دینی امتیازات اور تہذیبی و ثقافتی خصوصیات سے کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوسکتا۔

۶۔ مہذب دنیا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہر تہذیبی اور مذہبی اکائی کو اپنی تہذیب و مذہب کے تحفظ کا نہ صرف پورا پورا حق حاصل ہے بلکہ اگر کسی گروہ کی تہذیبی اور مذہبی خصوصیات کو مٹانے کی کوشش کی جائے تو اسے نسل کشی کا ہم معنیٰ سمجھا گیا ہے۔ اس لیے آزاد ہندوستان کے معماروں نے بھی دستور ہند کے بنیادی حقوق میں مذہبی آزادی اور اس کے قیام و بقا کی بھر پور ضمانت دی ہے، اس لیے کنونشن کو یقین ہے کہ ہندوستانی عوام ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دیں گے جو دستور کی روح کو پامال کرنے اور کسی گروہ کو اس کے دستوری حق سے محروم کردینے والی ہو، یہ کنونشن مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کرتا ہے کہ

(الف) مسلمانوں کے شخصی اور عائلی قوانین جو در اصل ان کے دین و مذہب کا لازمی جز ہیں

انہیں ختم کر کے ان کی جگہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء میں ترمیم یا متوازی قانون سازی کے ذریعہ اُسے بے اثر بنانا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے منافی، تہذیب نسل کشی کے ہم معنیٰ اور دستور ہند کے بنیادی حقوق کے معارض ہوگا۔ اور اس طرح کے کسی بھی اقدام کا مطلب مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے انحراف پر مجبور کرنا ہوگا جو کسی بھی مسلمان کے لیے کسی حال میں قابل برداشت نہیں ہوسکتا۔

(ب) یہ کنونشن اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ دستور ہند کے رہنما اصول کا آرٹیکل ۴۴ بنیادی حقوق کی دفعات کے تابع ہے، اس لیے مسلم پرسنل لاء آرٹیکل ۴۴ کے دائرے سے خارج ہے۔

(ج) یہ کنونشن پارلیامنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز میں پیش ہونے والے ان بلوں کو ناقابل قبول قرار دیتا ہے جو بالواسطہ مسلم پرسنل لاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(د) یہ کنونشن اس امر کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کو عائلی اور معاشرتی زندگی کے شرعی احکام و آداب سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ پوری طرح شرعی احکام پر عمل کر کے معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کر سکیں۔

قرار داد نمبر (۲):

یہ اجلاس قانون تبنیت ۱۹۷۲ء (Adoption of children Bill) اور عوامی اعتماد کا قانون (Public Trust Bill) کو اپنی موجودہ شکل میں قانون شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

قرار داد نمبر (۳):

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن اپنے فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کرتا ہے جو ہمیشہ ہر فرقہ و مسلک کے مسلم علماء، ماہرین شریعت، مسلم قانون داں اور ملت کے دیگر ارباب حل و عقد پر مشتمل ہوگا نیز مختلف فرق و مسالک کی نمائندگی بورڈ کی ضمنی کمیٹیوں میں بھی ملحوظ رہے گی۔

(الف) یہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قوانین شرع کی بقا اور تحفظ کے لیے ہر طرح کی ضروری تدابیر عمل میں لانے اور ہر طرح کی جدو جہد منظم کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ بورڈ علماء و ماہرین قانون پر مشتمل ایک ایسی مستقل کمیٹی بنانے کا ذمہ دار ہوگا جو موجودہ قوانین نیز پارلیامنٹ اور مختلف ریاستی مجالس قانون ساز میں پیش ہونے والے مسودات قانون (بلوں) اور گشتی احکام (سرکلر) کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لے گا اور لیتا رہے گا کہ اس کا کیا اثر مسلم پرسنل لاء پر پڑتا ہے۔

یہ بورڈ شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر اس کے نفاذ کے لیے ہمہ گیر خاکہ تیار کرے گا۔ یہ بورڈ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بھی بنا سکتا ہے جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلہ پر عمل درآمد کے لیے پورے ملک میں جدو جہد منظم کی جاسکے۔

(ب) اس بورڈ کی ایک جنرل کونسل ہوگی جو ۱۵۱/ارکان پر مشتمل ہوگی اور کنونشن کی اسٹیرنگ کمیٹی کے ارکان اس کے رکن بنیادی (Founder Members) ہوں گے۔ باقی ارکان کو جنرل کونسل اختیار کرے گی اور ۴۱/افراد پر مشتمل ایک مجلس عاملہ ہوگا جسے بورڈ منتخب کرے گا۔

(ج) عہدیداروں کا تعین، ان کا انتخاب اور دیگر ضوابط اپنے لیے خود بورڈ تیار کرے گا۔ ۱۷

ان منظور شدہ قراردادوں کی بنیاد پر ہی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ ان قراردادوں کی ہر طبقہ کے نمائندوں نے تائید کی اور ان کو سراہا۔ ان قراردادوں کو ترتیب دینے میں بھی آپ کی بیدار مغزی کا بڑا دخل تھا۔ یہ قرار دادیں اتنے واضح اور مستحکم طریقے سے پیش کی گئیں کہ اخبارات و جرائد میں بھی اس کی بڑی ستائش کی گئی۔

بورڈ کے اغراض و مقاصد:

ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے موثر تدابیر اختیار کرنا۔ بالواسطہ، بلا واسطہ یا متوازی قانون سازی کے خلاف صدائے احتجاج

بلند کرنا جس سے قانون شریعت میں مداخلت ہوتی ہو، چاہے وہ قوانین پارلیامنٹ یا ریاستی اسمبلی میں کیوں نہ بنائے گئے ہوں یا وضع کیے جانے والے ہوں۔ یا ایسے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا سبب بنتے ہوں انہیں ختم کرانے یا ایسے قوانین سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیے جانے کی جدو جہد کرنا۔

مسلمانوں کو عائلی و معاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام و آداب، حقوق و فرائض اور اختیارات و حدود سے روشناس کرانا نیز اصلاح معاشرہ کی کوشش اور اس کے خاطر ضروری اقدام کرنا، ساتھ ہی شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ کی خاطر ہمہ گیر خاکہ تیار کرنا۔

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا، جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلے پر عمل پیرا ہونے کے لیے پورے ملک میں جدو جہد منظم کی جاسکے۔

علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circular) یا ریاستی اسمبلی اور پارلیامنٹ میں پیش کیے جانے والے مسودات قانون (بل) کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لاء پر کیا اثر پڑتا ہے۔

مسلمانوں کے تمام فقہی مسلکوں اور فرقوں کے مابین خیر سگالی، اخوت اور باہمی اشتراک و تعاون کے جذبات کی نشونما اور مسلم پرسنل لاء کی بقاء و تحفظ کے مشترکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان رابطہ اور اتحاد و اتفاق کو پروان چڑھانا۔

ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا اور نئے مسائل کے پیشِ نظر مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کرنا اور شریعت اسلامی کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب وسنت کی اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کرنا۔

بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے وفود کو ترتیب دینا Study Teaim تشکیل دینا، سمینار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دوروں اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا نیز ضروری لٹریچروں کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات و رسائل اور خبر ناموں وغیرہ کا اجراو دیگر ضروری امور انجام دینا اہم کام ہیں۔ ۱۸

خلاصہ یہ ہے کہ شعائر اسلامی اور قانون اسلامی کی تحفظ اور ساتھ ہی ملت کے اندر اتحاد و اتفاق ہی اس کا اصل مقصد ہے تاکہ مسلمانوں کے منتشر گروہ کو متحد کر کے ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا جائے اور اس کے مختلف عناصر کو اتحاد کے مضبوط دھاگوں سے منسلک کر کے ان کو آگے بڑھایا جائے تا کہ دین کی حفاظت کی راہ بھی ہموار ہو سکے اور شریعت کے وقار میں اضافے کا سبب بھی بن سکے۔

لہذا ان مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کو مختصراً اہم چھ مختلف عنوانات پر منقسم کر سکتے ہیں:

۱۔ شریعت اسلامی کے نفاذ اور اس کی بقا کی خاطر تدابیر اختیار کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان جذبہ اتحاد و خیر سگالی کو فروغ دینا۔

۳۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ذریعہ وضع کردہ قوانین کا جائزہ لینا۔

۴۔ مسلمانوں کو شرعی احکام سے روشناس کرانا اور اس کے متعلق ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا۔

۵۔ حکومت کے مداخلت فی الدین جیسے اقدام کو روکنا۔

۶۔ اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر منظم کوشش کرنا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب تک ان تمام محاذوں پر جامع منصوبہ بندی کے ساتھ کام نہیں کیا جائے گا، ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے وجود، ان کی تہذیبی خصوصیات کی بقا اور ایک تابناک مستقبل کو قابل یقین نہیں بنایا جاسکتا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کا دائرہ کار اور مولانا رحمانی:

مسلم پرسنل لاء بورڈ کا دائرہ کار پورا ہندوستان اور شریعت ایکٹ کا نفاذ ہے۔ یعنی ہندوستانی مسلمانوں کے سبھی ذاتی اور عائلی مسائل زندگی کا حل شریعت اسلامی کے مطابق کرنا۔ اس کو عملاً نافذ

کرانے کی ہر ممکن کوشش کرنا اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ہٹانا اس کا دائرہ کار ہے۔ لیکن اس دائرہ عمل کو بحال کرنے میں بورڈ کیا اقدام اور کیسا طریقہ اختیار کرے گا، اس کے متعلق بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ''مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلے میں'' لکھتے ہیں:

''یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حکومت مسلم پرسنل لاء میں براہ راست ترمیم کرے گی یا بالواسطہ قانون کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء میں کاٹ چھانٹ کرنا چاہے گی تو بورڈ خاموش تماشائی بنا بیٹھا نہیں رہے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بورڈ مسلمانوں کے ووٹ کا استحصال کرے گا یا وہ خواہ مخواہ حکومت کے کاموں میں رخنہ اندازی اور حکومت کے عام اقدامات میں ناجائز مداخلت یا رکاوٹ پیدا کرے گا'' ۹۱

بورڈ کے جنرل سکریٹری کی اس تحریر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بورڈ کا مطلوب و مقصود شریعت ایکٹ کا نفاذ ہے، اس کے علاوہ حکومت کے دوسرے معاملات یا ملک کے سیاسی انتخابات سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں، بورڈ صرف حکومت کی یقین دہانیوں اور وعدوں پر یقین کر کے مطمئن بھی نہیں رہے گا بلکہ حکومت کے طریقہ کار اور اس کے حساس معاملات پر نظر رکھتے ہوئے (جس سے مسلمانوں اور اس کی شریعت پر ضرب پڑسکتی ہے) اس کے دفاع کی خاطر پروگرام بھی تیار کرتا رہے گا اور اپنے مقاصد کے حصول کی طرف توجہ اور اس کا خاکہ بنائے گا، نیز بورڈ مسلمانوں سے بھی اپیل کرتا رہے گا کہ وہ شریعت کے مطابق اپنی زندگی کے معاملات درست کریں اور ایسا طرز بھی اختیار کریں کہ جس سے حکومت کو بھی احساس ہوتا رہے کہ مسلمان عملی زندگی میں پرسنل لاء کو پوری اہمیت دیتے ہیں اور قوانین اسلامی کے موجودگی میں انہیں کسی دوسرے قانون کی ضرورت نہیں ہے۔

یکساں سول کوڈ اور مولانا رحمانی:

یکساں سول کوڈ سے مراد:

''یونیفارم سول کوڈ'' یا ''یکساں شہری قانون'' سے مراد وہ قوانین ہیں جو کسی بھی خطہ میں

آبادلوگوں کی سماجی اور عائلی زندگی کے لیے بنائے گئے ہوں۔ ان کے نفاذ میں کسی طرح کی تفریق نسل و مذہب کی بنیاد پر نہ ہو۔ ان قوانین کے ذریعہ ہر فرد کی شخصی اور خاندانی زندگی کے معاملات آتے ہیں اور نکاح وطلاق، فسخ و ہبہ، وصیت و وراثت اور تبنیت جیسے اہم امور کا حل ان ہی قوانین کی رو سے ہوتا ہو۔ ان قوانین کے نفاذ میں کسی شخص کے مذہب اس کی تہذیب اور رسم و رواج کا خیال نہ کیا جاتا ہو اور ہر مذہب کے ماننے والے کے لیے ایک قانون ''یونیفارم سول کوڈ'' ہو یعنی سول کوڈ کے ذیل میں وہ سارے امور آجاتے ہوں جن کا تعلق پرسنل لاء سے ہوتا ہے۔ [۲۰]

اس کا مطلب صاف ہے کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کو مسلم پرسنل لاء سے جس کے احکام کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے ماخوذ ہیں اور جس کی بنیاد ہی قرآن وسنت ہے، مسلمانوں کو اس سے جبراً محروم ہونا پڑے گا اور مسلمانوں کو اس ملک میں اپنی مذہبی ہدایات واحکامات کے خلاف نکاح و طلاق جیسے اہم معاملات کو انجام دینا پڑے گا اسی طرح وصیت و وراثت جیسے معاملات میں بھی دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوگا۔

مطالبہ کے ذریعے یکساں سول کوڈ کے ذریعہ چند دیگر امور میں بھی جن میں مسلمانوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کا جو دستوری حق دیا گیا اُسے بھی چھین لینے کی سازش شروع ہوگئی۔ دشمنوں کی پوری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو اپنے ان چند امور میں بھی ان قوانین کی پابندی پر قانوناً مجبور کیا جائے جو تمام اہل وطن کے لیے بنائی جائیں۔

ظاہر ہے کہ اس قانون کے نفاذ سے مسلمانوں کی اپنی شخصی اور مذہبی معاملات میں شریعت سے ٹکراؤ ہورہا تھا کیوں کہ مسلم پرسنل لاء جن احکام سے عبارت ہے وہ بھی دیگر شرعی قوانین کی طرح کتاب وسنت سے ہی ماخوذ ہے، لہذا اس کے خلاف ذی شعور مسلمانوں کا آواز بلند کرنا ایک فطری تقاضا تھا جسے ملک کے مسلمان علماء کرام، ماہرین قانون اور مسلم دانشوروں خاص طور سے مولانا منت اللہ رحمانی نے ان خطرات ونقصانات کو سمجھا اور اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے، اس کے نفاذ کے بعد مسلم پرسنل لاء پر زد پڑنے والے خطرات سے لوگوں کو باخبر کیا اور اس کے خلاف بیانات دیے۔

حکومت وقت پر دباؤ بنایا اور اسے مسلم پرسنل لاء پر حملہ قرار دیتے ہوئے اسے غیر اسلامی قرار دیا۔ آپ نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ یونیفارم سول کوڈ سے مکمل واقفیت کے لیے باضابطہ ''یونیفارم سول کوڈ'' نامی ایک کتابچہ بھی تحریر کیا جس میں آپ نے یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کس حد تک متاثر ہوگا، اس کی وجہ سے شریعت سے کس حد تک ٹکراؤ ہوتا رہے گا، اس کے مفاسد، مضر اثرات اور دوررس نتائج کیا ہوں گے ان سب کو اُجاگر کیا۔ اس کے محرکین و موئدین کے دلائل اور مسلمانوں کی مخالفت کے اسباب کو بھی مختصراً مگر جامع انداز میں پیش کیا اور اس مقصد کے تحت کہ لوگوں کو اس مسئلہ کی حقیت اور اس کی سچائی کا علم ہوجائے پورے ملک میں اس کے ہندی، انگریزی، بنگلہ میں تراجم کرا کر تقسیم کرایا۔ ایک عام مسلمان سے لے کر ممبران پارلیامنٹ تک پہونچانے کی کوشش کی اور کامیاب بھی ہوئے۔ سبھوں نے اس کتاب کو بطور استدلال استعمال کیا۔

چنانچہ مسلم پرسنل لا کی اہمیت کو آپ خوب سمجھتے تھے۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

> ''میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ہماری گردنیں اڑا دی جائیں، ہمارے سینے چاک کردیے جائیں مگر ہمیں یہ برداشت نہیں کہ مسلم پرسنل لاء کو بدل کر ایک غیر اسلامی لا ہم پر لاد دیا جائے۔ ہم اس ملک میں ایک باعزت قوم اور مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں''[۱۲]

آپ کے ان الفاظ سے اندازہ لگ جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت تھی اور یہ کتنا اہم معاملہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک گیر پیمانے پر اس مسئلہ کو اُٹھاتے ہوئے علماء کرام، دانشورانِ ملت اور مختلف مکتبہ فکر کے نمائندوں کو متحد کر کے ایک ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کی اپیل کی اور مسلمانوں کو اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا کیا، کیوں کہ یہ ایسا معاملہ تھا جو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو الجھنوں میں مبتلا کر دیتا۔

یکساں سول کوڈ کی مخالفت کے اسباب اور مولانا رحمانی:

مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنی کتاب ''یکساں سول کوڈ کے اندر اس کی مخالفت کے اسباب''

میں مسلمانوں کے اختلاف کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

''یونیفارم سول کوڈ مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے اس کے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی زندگی میں قرآن وسنت کی ہدایات سے مسلمانوں کو دست بردار ہونا پڑے گا اور ایک ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا جس کے نتیجہ میں مذہب کی مقرر کی ہوئی حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود ختم ہوجائے گا'' ۲۲

اس لیے آپ اس کی مخالفت کو ضروری سمجھتے تھے کیوں کہ آپ اس بات کے لیے تیار نہ تھے کہ مسلمانوں پر ایسا قانون نافذ کیا جائے جن کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے عائلی اور شخصی معاملات و مسائل کے حل میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے اور جس کا براہ راست ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔ چنانچہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب یکساں شہری قانون کے مضر اثرات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے ملی تشخص کی پامالی کا خطرہ بڑھ جانے کا اندیشہ تھا کیوں کہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ملت کا پرسنل لاء اس کی شخصیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر وہ قائم نہیں رہ سکتا، اس لیے مسلمانوں پر سے شخصی قوانین کو ختم کردینا دراصل ان کی ملی انفرادیت کو ختم کردینا ہے۔ نام ان کا مسلمان ملت اور مسلم کمیونٹی تو ضرور رہے گا مگر اس ملت کی کوئی نمایاں علامت اور پہچان حدود مسجد سے باہر بمشکل ہی باقی دکھائی دے گی''۔ ۲۳

ماہر قانون یدھسٹر صاحب اپنی کتاب میں رقم کرتے ہیں:

''مسلم قانون دین و مذہب کے ساتھ اس طرح مخلوط ہے کہ ان کے درمیان کوئی خط امتیاز کھینچنا غیر ممکن ہے۔ ۲۴

ایک انگریز دانشور روزنتھال بھی شریعت کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''فقہ نے مسلم معاشرہ کے اخلاق و اقدار اور معاملات و مسائل کو منضبط کردیا ہے۔

اسلامی شریعت ہمیشہ کے لیے مسلم معاشرہ کی وحدت کی بنیاد قرار پا چکی ہے۔ جمہور مسلمانوں نے شریعت کو سماجی اقدار کا معیار تصور کیا ہے جس کے اقرار وانکار پر اسلام کے وجود کا دارومدار سمجھا گیا ہے"۔ ۲۵

مولانا منت اللہ رحمانی نے بھی اس کی وسعت اور مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تئیں لگاؤ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی تعلیمات کی وسعت اور مسلمانوں کی مذہب سے بھرپور وابستگی اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ وہ شخصی زندگی کے مذہبی قوانین سے دست بردار ہوں کیوں کہ یہ مذہبی قوانین بھی دین کا ایک اہم حصہ ہیں اور ان کی بنیاد بھی اسی طرح قرآن وحدیث میں موجود ہے جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے عبادات کی" ۲۶

دوسری طرف یکساں سول کوڈ کی وکالت کرنے والوں کا خیال دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا یہ خیال وگمان محض ایک وہم تھا۔ کیوں کہ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس سے قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوگی اور تمام قومیں ایک دوسرے سے قریب آئیں گی اسی کا رد قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے بڑے ہی مدلل اور واضح انداز میں کیا اور ان کے اس گمان کی قلعی کھولتے ہوئے اس کی حقیقت کو سامنے کردیا۔ آپ بیان کرتے ہیں:

"ہمارے ہی ملک کے صوبہ پنجاب میں ایک عرصے تک سکھ اور ہندو ایک دوسرے کے دست وگریباں رہے، آسام میں آسامیوں اور بنگالیوں بلکہ خود آسام کے مختلف قبائل میں جس درجہ آویزشیں پائی جاتی ہیں ان سے کون ناواقف ہوگا؟ حالاں کہ ان کے پرسنل لاء ایک ہی ہیں، برطانیہ اور جرمنی میں کیسی خونریز جنگیں ہو چکی ہیں جنھیں تاریخ میں جنگ عظیم کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا مذہب ایک ہی تھا اور ان کے پرسنل لاء بھی ایک ہی تھے لیکن پرسنل لاء کی وحدت نے ان بھیانک جنگوں کو نہیں روکا۔ ماضی قریب میں عراق اور کویت کی جنگ کل

کی بات ہے ۔ حالاں کہ دونوں ملکوں کے رہنے والے مسلمان تھے اور ان کے پرسنل لاء بھی ایک تھے تو اگر یہ پرسنل لاء کی وحدت قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں موثر ہوتی تو یقیناً ایسی بھیانک جنگیں نہ ہوئی ہوتیں'' ۲۷

اور پھر آگے آپ اسی سلسلہ کو بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قومی یکجہتی کے لیے کہاں تک وحدت پیدا کی جاسکتی ہے ؟''اگر معاشرتی قوانین یکساں کر بھی دیے جائیں تو تہذیب و تمدن اور ثقافت کا اختلاف ضرور باقی رہے گا'' ۲۸

چنانچہ اب یہ بات صاف ہوگئی کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے ان کی جو دلیل تھی کہ قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوگی یہ حقیقت ایک امر موہوم اور بے حقیقت بات تھی ۔

یکساں سول کوڈ کی تلوار مسلمانوں پر:

جسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ حکومت کے دل و دماغ میں برابر یہ مسئلہ حاوی رہا اور یہ ہمیشہ موقع کی تاک میں لگی رہی کہ اسے لاگو کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرے۔ اسی جذبہ کے تحت ۱۹۷۳ء میں متبنیٰ بل کا مسودہ لایا گیا جو یکساں سول کوڈ کی طرف حکومت کا پہلا مضبوط قدم تھا جس کے اندر ایک متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم قانون ، وراثت اور قانون نکاح کو بے اثر کر دینے کی صلاحیت موجود تھی جو سراسر شریعت اسلامیہ کے خلاف تھا اور جس کے ذریعہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا گیا تھا۔

اس متبنیٰ بل کے ذریعہ ہی حکومت یکساں سول کوڈ کی تلوار کو مسلمانوں کے اوپر لٹکانا چاہتی تھی جسے علماء دین خاص طور سے مولانا منت اللہ رحمانی ، ماہرین قانون اور مسلم دانشوروں نے سمجھا اور قانون شریعت پر آنے والے خطرات کو محسوس کیا اور ۲۷/ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء میں منعقد ہونے والے تاریخی کنونشن میں اس بل کی مخالفت کی اور اپنے قرار داد میں اسے واضح طور پر واپس لینے کا دوٹوک مطالبہ کر ڈالا:

''قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کو اپنی موجودہ شکل میں یہ اجلاس قانون شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنٰی قرار دیا جائے''۲۹؎

اس مناسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ متبنٰی بل کا مختصراً جائزہ لیا جائے اور اس کے خلاف آپ کے ذریعہ کیے گئے اقدامات کو قلمبند کیا جائے۔

متبنٰی بل اور مولانا رحمانی:

متبنٰی بل دراصل ایک متوازی قانون سازی ہے جو ۱۹۷۲ء میں ملک کے پارلیامنٹ میں پیش کیا گیا۔

بل سے متعلق حکومت کے مقاصد:

اس بل کا مقصد حکومت کی نظر میں:

۱۔ان نادار اور خبر گیری سے محروم بچوں کی کفالت اور حفاظت کو یقینی بنانا اور ان کے لیے مناسب گھر اور خاندان کے نظم کی راہ نکالنا۔

۲۔تبنیت کے لیے ایک ایسا قانون وضع کرنا جس کا اطلاق تمام فرقوں پر ہو سکے۔

۳۔اس کے قانونی شکل میں آنے کے بعد اس سے فائدہ اُٹھانے والوں کے درمیان عملی اعتبار سے حقیقی رشتہ کا درجہ دینا۔۳۰؎

اس بل کا عملی نتیجہ یہ ہوتا کہ متبنٰی (منہ بولا بیٹا) کا درجہ وہی ہوتا جو حقیقی اولاد کا ہوتا ہے۔یعنی غیر حقیقی اولاد صلبی اور حقیقی اولاد کا درجہ لے لیتی اور زندگی کے تمام امور میں اس کو وہی حقوق ملتے جو حقیقی اولاد کو ملا کرتے ہیں۔

یہ بات نہ صرف اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہے بلکہ عقل وخرد کے بھی خلاف ہے۔والدین اور اولاد کا رشتہ ایسا نہیں کہ صرف زبان سے وجود میں آجاتا ہے بلکہ یہ ایک فطری رشتہ ہے اور ایک فطری محبت جو والدین اور اولاد میں ہوا کرتی ہے اس مصنوعی رشتہ کی وجہ سے پیدا نہیں ہوسکتی۔

عرب میں اسلام سے پہلے اس کا رواج تھا مگر قرآن نے اسے ختم کیا اور حضورؐ نے ایسے زبانی رشتے منسوخ قرار دیے۔

متبنیٰ بل۱۹۷۲ء کے ذریعہ دور جاہلیت کی اسی رسم کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس نے مسلمانوں کو مضطرب کردیا۔یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے وسیع پیانے پراس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کرنے کا مطالبہ کیا۔ چوں کہ یہ ایک اہم معاملہ تھا جو بغیر منظم تحریک کے کامیاب نہیں ہوسکتی تھی ۔ چنانچہ آپ نے اس بل کے خلاف ملک گیر جدوجہد کرنے کا اعلان کیا۔ آپ نے نہ صرف کھل کر اس بل کی مخالفت کی بلکہ آپ نے اہل علم اور عوام الناس کے سامنے اس بل کی خرابیوں اور مضر اثرات کو بھی واضح کیا۔

آپ نے باضابطہ ''متبنیٰ بل۱۹۷۲ء ایک جائزہ'' نامی ایک جامع رسالہ اس موقعہ سے تحریر کیا جس سے مسلمانوں کو تبنیت کے مسئلہ میں اسلامی ہدایات کی صحیح واقفیت حاصل ہوئی۔ یہ رسالہ اردو، ہندی، انگریزی زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کرایا اور پورے ملک میں اہل علم، قانون دانوں، دانشوروں اور عوام تک پہونچایا۔ مسلمانوں کو اس رسالہ کے ذریعہ مسلم نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے اور جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے اپنی شہادتیں دینے میں مددگار ثابت ہوا۔

حکومت نے اس بل پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لیے متبنیٰ بل کا مسودہ پارلیامنٹری جوائنٹ کمیٹی کے حوالہ کردیا، جس کا مقصد ہندوستان کے مختلف بڑے شہروں میں جاکر قابل ذکر مسلمانوں سے شہادت لے کر مسلم رائے عامہ معلوم کرنا تھی۔ اس سلسلہ میں اس کمیٹی نے آپ سے بھی اس بل پر رائے دینے کی فرمائش کی، جس پر آپ نے صاف طور سے لکھ دیا کہ یہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے اور اس کے ذریعہ نادار اور غریب بچوں کے مسئلہ کو حل نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس سے مسلم پرسنل لاء پر زد پڑتی ہے۔[۳۱]

حضرت امیر شریعت کی یہ تحریر کمیٹی کے سامنے بطور شہادت پیش کی گئی اور یہ تحریری بیان پارلیامنٹ کی کمیٹی میں ریکارڈ کرایا گیا اور پھر افادہ عام کے لیے رسالہ کی شکل میں اس کی طباعت کی

گئی جس کی وجہ سے لوگوں نے اس بل کی حقیقت کو سمجھا اور اس کے مفاسد اور غیر اسلامی رجحان و خیالات سے واقف ہوئے۔ آپ کے اس عملی اقدام اور بروقت احتجاج نے مسلمانوں کو اس بات کے لیے آمادہ اور تیار کردیا کہ وہ پارلیامنٹری کمیٹی کے سامنے حاضر ہوکر مضبوط بنیادوں پر بل کی مخالفت کریں اور بتادیں کہ یہ متبنیٰ بل شریعت اسلامیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

بورڈ نے بھی اس محاذ پر پورے ملک میں رائے عامہ کو متحرک کیا، مختلف مقامات پر جلسے اور اجتماعات منعقد کرائے۔ مجلس عاملہ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے حیدرآباد، الہ آباد، بھوپال، بنگلور، رانچی، دہلی اور پونہ وغیرہ میں اہم تجاویز منظور کیں جن میں مسودہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کو شریعت اسلامی اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف قرار دیا۔

متبنیٰ بل کے خلاف بورڈ کی قرار داد اور اس کے خلاف اجتماعات، تجاویز اور ٹیلی گراموں کی کثرت نے مرکزی حکومت کو محسوس کرادیا کہ مسلمانوں میں اس بل کی وجہ سے بڑی بے چینی ہے نیز بورڈ نے اس بل کے خلاف تفصیلی تجاویز حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے بھی رکھیں اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ اس متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کو ختم کرنے کی صورت نکالی گئی ہے، جس سے شریعت میں مداخلت ہوتی ہے جو مسلمانوں کے لیے قابل برداشت نہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مولانا منت اللہ رحمانی (سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ) کے ذریعہ تیار کی گئی فضا کا یہ نتیجہ ہوا کہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پارلیمانی کمیٹی کے سامنے علماء کرام، قانون داں حضرات، دانشوران اور ادارے کے نمائندوں نے اتنی بڑی تعداد میں شہادتیں دیں اور ملی اتحاد کا مظاہرہ کیا اور بل کی مخالفت میں مشورے دیے۔

بالآخر ۱۹ر جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتا حکومت (جنتا پارٹی) نے اس مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کیا اور مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کو معقول تسلیم کرتے ہوئے بل کو واپس لیا۔ اس وقت کے وزیر قانون مسٹر اشوک شانتی بھوشن نے پارلیامنٹ میں یہ اعلان کیا:

"اسلامی فقہ متبنیٰ کو وراثتی حقوق عطا نہیں کرتا۔ یہ بل مسلمانوں کے جذبات کے

مغائر ہے اس لیے واپس لیا جارہا ہے'' ۳۲؎

اس کامیابی میں آپ کی منظم کوشش اور جدوجہد کا بڑا دخل تھا اور آپ کو بھی اس بل کی واپسی کے بعد ہی چین وسکون ملا۔ اس کی واپسی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''متبنٰی بل کی واپسی مسلمانوں کی منظم اور مشترکہ جدو جہد کا نتیجہ ہے اور ان کی مسلسل بیداری نے مسلم پرسنل لاء مخالف قانون سازی کے ارادہ کو ناکام بنادیا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ سے جس میں مسلمانوں کے تمام طبقوں اور فرقوں کے نمائندے شریک ہیں، معزز ارکان نے اس بل کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی ہے، پارلیامنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی ملک کے جن اہم شہروں میں گئی وہاں بورڈ کے معزز ارکان، مسلم قانون دانوں اور تمام مسلم جماعتوں کے ذمہ داروں نے بل کے خلاف شہادتیں دیں''۔ ۳۳؎

آپ نے مستقبل میں بھی حکومت کی جانب سے اس طرح کی حقیقت پسندی کے ثبوت اور مسلم رائے عامہ کے احترام کی امید کی۔ اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مشترکہ مسائل کے لیے سیاسی اور سماجی اختلافات کو بھول کر ایک ساتھ مل کر جدو جہد کریں کیوں کہ مسلمانوں کے مسائل کے حل کی یہ بہترین راہ ہے۔ ۳۴؎

دوبارہ پارلیامنٹ میں لانے کی تحریک:

۱۹۸۰ء میں جب کانگریس مرکز میں برسرِ اقتدار آئی تو پھر کچھ نام نہاد مسلمانوں اور ترقی پسندوں نے اس مسئلہ کو دوبارہ ہوا دینا شروع کردیا اور اس کو دوبارہ پارلیامنٹ میں لانے کی تحریک چلائی۔ حضرت امیر شریعت اُٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت بیدار مغزی کے ساتھ اپنی جدو جہد جاری رکھی۔ حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں، ماضی کی تاریخ یاد دلائی اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ایک وفد لے کر وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور انہیں ایک مفصل میمورنڈم پیش کیا جس

میں مطالبہ کیا گیا کہ حکومت نے ۱۹۷۲ء میں متبنٰی بنانے کا بل جو پیش کیا تھا اس کو نافذ نہ کرے۔ لیکن ۱۶/دسمبر ۱۹۸۰ء کو وزیر قانون مسٹر پی شیوشنکر نے پارلیمانٹ میں متبنٰی بل پیش کردیا اور پھر مئی ۱۹۸۳ء میں سیشن کے آخری دن وزیر قانون نے پارلیمانٹ میں یہ بیان دے کر تمام مسلمانوں کو مضطرب کردیا:

''گورنمنٹ اقلیتی کمیشن کی اس تجویز پر غور کررہی ہے جس میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ متبنٰی بل کی اس دفعہ کو ختم کیا جانا چاہیے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے'' ۳۵

اس بیان کے بعد پھر سے آپ متحرک ہوگئے اور بورڈ کے ذریعہ آپ نے ان خطوط، ٹیلیگرام اور بیانات کو جو پورے ملک سے جاری کیے گئے تھے پہونچا کر گورنمنٹ کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور ان کی بے چینی سے واقف کرایا جس کے نتیجہ میں وزیر قانون ۱۶/اگست ۱۹۸۳ء کو پارلیمانٹ میں یہ بیان دینے پر مجبور ہوئے کہ سرکار کسی ایسی تجویز پر غور نہیں کررہی ہے جس کے ذریعہ اس استثنائی دفعہ کو ختم کردیا جائے جو مسلمانوں کو متبنٰی بل کے نفاذ سے مستثنٰی کرتی ہے۔ ۳۶

فیملی پلاننگ اور مولانا رحمانی:

آپ کی قومی وملی تحریکات کا ایک باب ایمرجنسی کے دوران خاندانی منصوبہ بندی کے سرکاری پروگرام کی مخالفت بھی ہے۔ آپ نے نہ صرف اس کی مخالفت کی بلکہ اس کے خلاف ملکی سطح پر ایک شرعی جہاد چھیڑ دیا اور اپنے قلم وزبان کے ذریعہ حکومت ہند کو یہ باور کرادیا کہ خدا کے سامنے جھکنے والا سر بندوں کے سامنے جھکا نہیں کرتا۔ آپ نے اس دور پُر آشوب میں جس بے باکی، خودداری اور مجاہدانہ طریقے کا ثبوت دیا وہ ہر ایک کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس دور پرفتن وپُر خطر میں بھی آپ نے فریضۂ حق گوئی ادا کرنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی اور اپنی بے مثال ہمت وجرأت کی بدولت ہر خطرے سے بے نیاز وبے پرواہ ہوکر اسلام کے دفاع سے متعلق قابل قدر کردار ادا کرنے میں پوری

طرح مشغول ومنہمک رہے۔

آپ نے نہ صرف خاندانی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت اور اس کے امور ومسائل کو ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے مدلل انداز میں پیش کیا بلکہ اسلامی نظریہ اور اپنا صحیح موقف کو پورے حوصلہ و استعداد کے ساتھ حکومت اور عوام کے سامنے برملا اور بلا جھجھک ظاہر فرمایا اور اپنے خیالات ونظریات کا اظہار عوامی وعمومی جلسوں، پمفلٹوں، چھوٹے چھوٹے رسائل و کتابچوں کے ذریعہ ہر اندیشہ سود و زیاں سے بے پرواہ ہوکر کیا اور ان سارے رسالوں اور کتابچوں کو مختلف زبانوں میں طبع کراکر ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرایا۔آپ نے صدائے حق وانصاف کا نعرہ پوری جرأت مندی کے ساتھ بلند کیا اور خوفناک سیاہ دور میں دین مبین کا دفاع کرتے ہوئے ''افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان الجائر'' کا عملی نمونہ پیش کیا۔

ایمرجنسی کا دور ۱۹۷۵ء میں اندا گاندھی کے زمانہ وزارت عظمیٰ میں شروع ہوا جو مسلمانوں کے لیے اور خاص کر علماء حضرات کے لیے ایک آزمائش کی گھڑی ثابت ہوا۔

اندرا گاندھی نے اپنے بیٹے (سنجے گاندھی) کی مدد سے عوام اور خاص کر مسلمانوں میں جبراً نسبندی کا سلسلہ حکومت کی سرپرستی میں شروع کیا۔لوگوں کے بولنے کا حق چھین لیا گیا۔حق گوئی و صداقت کی سزائیں وحدیں مقرر کردی گئیں۔اخبارات و رسائل پر سخت پابندیاں عائد کردی گئیں، حکومت کے خلاف استعمال ہونے والی زبانیں قلم کی جارہی تھیں اور حکومت کے خلاف لکھنے والوں کے قلم چھینے جارہے تھے،لوگوں میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا ہوگیا تھا،عوام وخواص کو ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش شروع کردی گئیں، ظلم و بربریت کا دور شروع ہوگیا،بڑے بڑے قائدین جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیے گئے، لوگ اپنے گھروں میں غیر محفوظ سمجھنے لگے اور اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور کردیے گئے۔

مسلم علماء کو بھی کبھی نرمی کے ساتھ تو کبھی سختی کا سہارا لے کر حکومت کے سُر میں سُر ملانے کو کہا جانے لگا اور مفتیان کرام کو نس بندی کے حق میں فتوے دینے پر مجبور کیا گیا اور ملک کے علماء اور

قائدین کو زبردستی انٹرویو لے کر اُسے غلط ڈھنگ سے پیش کیا جانے لگا۔حالات اتنے بُرے ہو گئے تھے کہ حق بات کہنا اور لکھنا گویا اپنے بُرے انجام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔یہی وجہ تھی کہ بہت سارے علماء وقائدین گوشۂ گمنامی میں چلے گئے اور مصیبت کے ٹلنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ سیاسی قائدین محترمہ کی قصیدہ خوانی کو اپنے لیے باعث فخر وافتخار سمجھ رہے تھے۔ مذہبی رہنماؤں کا ایک حلقہ بھی سیاسی جال میں اُلجھا ہوا تھا۔

ان حالات اور اس مشکل کی گھڑی میں آپ کسی طرح کے خوف وڈر سے بے نیاز ہو کر ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آ گئے اور کلمۂ حق کے اظہار کا بیڑا اُٹھایا۔آپ نے سب سے پہلے مسلم قائدین کا ایک اجلاس منعقد کیا۔ ۱۷۔ ۱۸ / اپریل ۱۹۷۶ء کو درگاہ شاہ ولی اللہ دہلی میں سخت خطرات اور اندیشوں کے باوجود مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔اجلاس میں ارکان عاملہ کے علاوہ ملک کے جید علماء کرام، مفتیان عظام، دانشور اور اصحاب فکر نے شرکت کی اور غور و بحث کے بعد جبری نس بندی کے خلاف ایک تجویز منظور کی گئی جس میں مسئلہ کی صحیح وضاحت کی گئی اور نس بندی کے مسئلہ پر شرعی موقف واضح کیا گیا۔آپ نے نس بندی کو اسلام کے خلاف قرار دیا اور تمام شرکاء جلسہ نے آپ کی تائید کی اور اس خیال سے اتفاق کیا۔ ۳۷

آپ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی پلیٹ فارم سے جبری نس بندی کے خلاف اپنے موقف کا اظہار کیا اور اس کے خلاف بیانات دیے اور متعدد رسائل تصنیف کیے جس میں نس بندی سے متعلق اسلام کا موقف واضح کیا، حالاں کہ پریس نے ان فیصلوں کو شائع کرنے سے انکار کر دیا مگر بورڈ نے اپنے ذرائع سے اس شرعی موقف کو طبع کرایا، جس میں مختلف ملی جماعتوں اور افراد نے بھی اس کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ ۳۸

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آزمائش کی اس گھڑی میں سب سے پہلے آپ نے ہی حوصلہ مندانہ کردار ادا کیا اور آپ کے پیش قدمی کے بعد ہی دیگر علماء اور قائدین کا حوصلہ بلند ہوا اور وہ بھی اس کے خلاف کچھ کہنے اور بولنے کی ہمت جُٹا سکے۔ویسے تو آپ نے نس بندی کے خلاف متعدد رسائل لکھ کر

شائع کرایا جس سے اس کے متعلق اسلامی موقف سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہوئی لیکن آپ نے اس موقعہ پر ''خاندانی منصوبہ بندی'' نامی ایک اہم رسالہ تصنیف کیا جس میں آپ نے نس بندی کے عملی، دینی اور عقلی نقطۂ نظر کا جائزہ لیا اور اسلام کے صحیح موقف کو واضح کیا۔ یہ کتاب اس مسئلہ کی نزاکت کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔

آپ نے اپنے اس رسالہ میں ان مقاصد اور پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جس کی بنیاد پر حکومت اس پروگرام کو جبراً نافذ کررہی تھی سو آپ نے اپنی اس معرکۃ الآرا تصنیف کے ذریعہ انہی چیزوں کا جواب بڑے واضح انداز میں دیا ہے اور اس مسئلہ کی دینی اور معاشی حیثیت کو واضح کیا۔[۳۹]

آپ نے نس بندی کو نسل انسانی کو قتل کردینے کے مترادف قرار دیا اور اسے قدیم جاہلیت کا عمل قرار دیا۔ اسی کو آپ خاندانی منصوبہ بندی کے اندر رقم کرتے ہیں: ''عرب جاہلیت میں بھی لوگ اولاد کی کثرت کو ایک بڑا خطرہ سمجھتے تھے اور محتاجی، معاشی تنگی نیز افلاس کے خوف کے مارے اپنے بچوں کو قتل کرڈالتے تھے۔''[۴۰]

اسی طرح آپ حکومت کے اس پروگرام اور قدیم عرب جاہلیت کے اس رواج کو کہ جس میں وہ لوگ محتاجی اور معاشی تنگی کی وجہ اپنے بچوں کو قتل کردیتے تھے۔ مماثلت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دونوں عمل کا پسِ منظر ایک ہی ہے، حاصل اور نتیجہ بھی ایک، طریقہ کار میں تھوڑا سا فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ قدیم جاہلیت علم و دانش اور سائنسی تحقیقات کے ہتھیاروں سے مسلح نہیں تھی اور کھلے قتل کے جرم کی مرتکب ہورہی تھی آج کی جاہلیت علم و دانش کی ہتھیاروں سے مسلح ہے، اناٹومی پر ان کی نگاہ ہے، توالد و تناسل کی سربستہ میکنزم سے وہ واقف ہے اس لیے ان رگوں پر بندھن لگا کر جن سے تولیدی جرثومے برآمد ہوتے ہیں یعنی نس بندی کے ذریعہ اپنا مقصد پورا کررہی ہے اور اس طرح وأدِ خفی یعنی مخفی قتل کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہے اس طرح مقصد اور نقطۂ نظر ایک ہے اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ وہاں ایک انفرادی عمل تھا جس نے آج منصوبہ بند اجتماعی

عمل کی شکل اختیار کر کے جرم کی شناعت کو اور بڑھادیا ہے''۔[۴۱]

آپ کی یہ تحریر ایک سچے قائد اور ایک صاحب بصیرت عالم دین کی طرف سے حکومت کی اس تحریک (پروگرام) کا جواب تھا، ساتھ ہی علماء کرام پر تشریح دین اور اظہار کلمہ حق کا فریضہ اور اس کی ادائیگی تھا۔ آپ نے ملک کے مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ کرا کر ملک کے کونے کونے میں تقسیم کرایا تا کہ مسلمانوں کے اندر خاندانی منصوبہ بندی کی دینی حیثیت کا علم ہو اور باشعور طبقہ کے لیے لائحۂ عمل بھی۔

آپ نے صرف زبان اور قلمی لڑائی پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ عملی میدان میں بھی پیش پیش رہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی اور کلمہ حق کے اظہار کی ترغیب بھی دی جس سے دوسرے علماء قائدین اور عوام کے اندر حوصلہ و جذبہ پیدا ہوا اور پھر یہ حضرات بھی کھل کر اس کی مخالفت میں آگئے۔ عوام نے ان کا خوب ساتھ دیا اور حکومت کے خوف و ڈر کی پرواہ کیے بغیر انھوں نے جاہلیت کے اس پروگرام کے خلاف آواز بلند کی۔

چنانچہ آپ کی منظم تحریک، شرعی مسئلہ کے بار بار اظہار و اعلان اور اس کے خلاف بیانات نے حکومت کے اس پروگرام کے زوال میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ حکومت کی غضب آلود نگاہیں صداقت و عزیمت کی راہ سے آپ کو روک نہ سکیں۔ بلا شبہ یہ ایک بڑی کامیابی تھی مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے پلیٹ فارم سے مولانا رحمانی کی۔

شاہ بانو کیس اور مولانا محترم:

محمد احمد خاں بنام شاہ بانو مقدمہ نفقہ مطلقہ سے متعلق آپ کی تحریک اور قائدانہ صلاحیتوں کا احساس دلاتا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۸۵ء کا ہے جب ہندوستانی سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ نے تہلکہ برپا کر دیا جسے لوگ ''شاہ بانو کیس'' کے نام سے جانتے ہیں۔ ہندوستانی سپریم کورٹ نے ۲۳/اپریل ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے یہ حکم دیا کہ مسلم مطلقہ کو اس کے طلاق دہندہ شوہر پر

اس وقت تک نفقہ واجب ہوگا جب تک مطلقہ شادی نہ کر لے۔ ۴۲؎

یہ حکم کھلم کھلا اسلامی شریعت پر حملہ اور اس کے خلاف تھا اس فیصلہ کی رو سے نہ صرف یہ کہ ایک ناحق کو (مطلقہ عورت کو بعد عدت بھی تا نکاح ثانی یا موت) سابق شوہر سے زبردستی نفقہ دلانے کا معاملہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور دوررس نتائج کا حامل تھا۔اس فیصلہ کا یہ پہلو کہ قرآن و حدیث کی تشریح (اور مراد کے تعین) کا حق مستند علماء ومفسرین سے چھین کر ججوں کو دے دیا گیا۔ یہ پہلو ایسا خطرناک تھا کہ اس سے پوری شریعت کے (معاملات میں ہی نہیں عبادت تک کہ) احکام خطرہ میں پڑ گئے تھے اور جس نے ہندوستانی عدالتوں کے لیے اسلامی قوانین کی من مانی تشریح کا دروازہ کھول دیا۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ قرآنی آیات کی من مانی تشریح کی گئی تھی۔ ۴۳؎

ان تشریحات کے ذریعہ ایسا مطلب نکالا گیا جو احادیث رسولؐ، آثارِ صحابہ اور فقہ اسلامی کے بالکل خلاف تھا اور پھر کورٹ نے حکومت ہند کو اسی بنیاد پر یکساں سول کوڈ بنانے اور نافذ کرنے کی ہدایت بھی دے دی۔ کورٹ نے ارادہ کرلیا تھا کہ صحیح ہو یا غلط دستوری یا غیر دستوری کسی بھی طریقہ سے وہ ملک میں تمام فرقوں کے لیے یکساں سول کوڈ لاکر رہے گی۔ چنانچہ کورٹ نے حکومت ہند کو الٹی میٹم بھی دے دیا کہ وہ اگر یہ مقدس کاروائی (بقول کورٹ کے) نہیں کرتی ہے تو وہ خود ہی ایک مصلح کی شکل میں اس کارخیر کا آغاز کریں گے۔ انہوں نے اپنے فیصلے میں بڑی صراحت کے ساتھ واضح کردیا:

> ''عدالتوں کو ناگزیر طور پر سماجی مصلح کا رول ادا کرنا پڑے گا، کیوں کہ حساس ذہن اس طرح کی ناانصافی کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے، لیکن مختلف شخصی قوانین کے درمیان پائی جانے والی اس خلیج کو پُر کرنے کے لیے عدالتوں کی جستہ جستہ کوششیں ایک مشترکہ سول کوڈ کا بدل نہیں بن سکتیں'' ۴۴؎

یہ فیصلہ مسلمانوں کے لیے دین وشریعت سے وفاداری کا امتحان تھا۔ مسلمانوں کے لیے اس

مسئلہ پر خاموش بیٹھنا اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی ہوجانا دینی عزت وحمیت کے خلاف تھا، جس سے ہر باشعور اور حساس مسلمان کی نیند اڑگئی اور مسلمانان ہند تلملا اُٹھے۔

حضرت امیر شریعتؒ اس غیر اسلامی فیصلے کے خلاف پوری طاقت وقوت کے ساتھ میدان میں اُتر گئے اور اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر کس لی۔

آپ نے اس فیصلے کے خلاف بے مثال منظم تحریک شروع کی جس نے ملک گیر شکل اختیار کرلی اور ہندوستان کے چپہ چپہ میں پہونچی۔ اس فیصلے کے خلاف ہر گھر سے صدا بلند ہوئی آپ نے ہندوستان کے طول وعرض کا سفر کیا۔ مسلم رائے عامہ کو اس فیصلے کے خلاف بیدار کیا اور اس کے در پردہ مسلم پرسنل لاء میں دخل اندازی کے لیے کارفرما جذبہ سے عوام وخواص کو واقف کرایا اور اس کی خاطر آپ نے بورڈ کو بھی متحرک کیا۔ بورڈ نے بھی اس سلسلے میں ملک کے مختلف شہروں میں جلسے اور نشستیں کرائیں۔

حضرت امیر شریعتؒ کی آواز پر مسلمانان ہند نے لبیک کہا اور ہندوستان بھر میں یہ تحریک وسائل کی کمی کے باوجود دور دراز کے دیہاتوں تک پہونچی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تحریک میں مسلمان عورتوں نے بھی پورا حصہ لیا، پورے ملک میں سینکڑوں چھوٹے بڑے جلسے خواتین نے منعقد کرکے اس فیصلے کے خلاف اپنی ناراضگی ظاہر کی اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اسلامی شریعت کے احکام کو سینے سے لگانے کا جذبہ دکھلایا۔ [۴۵]

مسلمانوں میں ایسی بیداری پیدا کرنے میں آپ کی مساعی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ آپ کی ہی انتھک محنت وکوشش، توازن، شخصی وزن اور بورڈ سے متعلق علماء وقائدین کے جہد مسلسل کی وجہ سے ہی حکومت کو مسلمانوں کے ارادے کے سامنے بفضل تعالیٰ سپر انداز ہونا پڑا۔

اس مسئلہ میں بورڈ کے سابق قابل احترام صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور آپ نے وزیر اعظم سے براہ راست ملاقات کرنے اور اپنے موقف کو ان کے سامنے رکھ کر ان کو مطمئن کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اسی سلسلہ میں سب سے پہلے ۳۰/ جولائی ۱۹۸۵ء کو ایک نمائندہ وفد جس میں

بورڈ کے دیگر ارکان بھی شامل تھے وزیر اعظم (راجیو گاندھی) سے ملا۔ پھر اسی سلسلہ میں ۲رفروری ۱۹۸۶ء کو صدر بورڈ (مولانا علی میاں) اور ۱۷رفروری ۱۹۸۶ء کو بورڈ کے دونوں ذمہ داران نے وزیر اعظم سے مل کران کے سامنے نفقہ مطلقہ کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا۔ ۴۶

چنانچہ کئی ملاقاتوں اور نفقہ مطلقہ کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کے بعد وزیر اعظم نے معاملے کی نزاکت کو سمجھا اور بڑی حد تک مطمئن ہوئے جس کی تائید وزیر اعظم کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انہوں نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایک تمل اخبار کو دیتے ہوئے کہا تھا:

''اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دیے ہیں وہ کہیں نہیں ملتے'' ۴۷

آخر کار آپ کے زیر قیادت ''تحفظ شریعت'' کی اس ملک گیر تحریک کو کامیابی ملی اور حکومت ہند نے ۶، مئی کو قانون حقوق مسلم مطلقہ ۸۶ پاس کر کے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو رد کر دیا اور اسلامی نفقہ جاری کیا جس کا تعلق صرف مسلم عورتوں سے تھا۔

مساجد و مقابر کے تحفظ میں آپ کا کردار:

یہ واقعہ ۱۹۷۸ء کا ہے جب الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنو بنچ نے مساجد و مقابر سے متعلق ایک ایسا فیصلہ دیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔ اس فیصلے کے تحت لکھنو کی دو مسجدوں اور قبرستانوں اور جے پور کی ایک جامع مسجد کو وہاں کی کارپوریشن نے ایکوائر کر لیا۔ مساجد و مقابر کی مسلمہ حرمت ختم کر دی گئی اور حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ جس مسجد اور قبرستان کو مفاد عامہ کی خاطر اپنے قبضہ میں لینا چاہے تو لے سکتی ہے اور اس کی ملکیت سلب کر کے کسی بھی مصرف میں استعمال کر سکتی ہے۔ ۴۸

اس موقعہ پر بھی آپ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے ایک گشتی مراسلہ کے ذریعہ ملک کے مسلمانوں کو اس فیصلہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور اس کے مضر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے حکومت کے ذمہ داروں کو اس کے خلاف تجاویز اور ٹیلی گرام بھیجنے کی اپیل کی۔ اس اپیل کا پورے ملک میں مثبت اثر دکھائی دیا۔ چنانچہ آپ کی

ہدایت کے مطابق پورے ملک میں اس فیصلے کے خلاف اجتماعات منعقد ہوئے اور ہندوستان بھر میں سینکڑوں خاموش جلوس نکالے گئے۔ آپ نے پوری ملت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی فکرمندی کو اپنی دانش مندی کے ساتھ بیدار کیا اور اتنے بڑے عوامی تحریک کو آپ نے بغیر کسی تخریب کاری کے کامیاب کردکھایا جوکہ جوش وتوازن کے ساتھ بڑے مجمعوں کی شکل میں نکلا تھا مگر کہیں بھی ہندو مسلم تعلقات میں عوامی سطح پر کسی طرح کی تلخی کا مظاہرہ نہ ہوا۔ بلاشبہ یہ سب آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے انجام پایا۔

آپ نے بورڈ کے ذمہ داروں کے ساتھ کئی مرتبہ وزیراعظم سے اس سلسلہ میں ملاقاتیں کیں اور میمورنڈم پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ لینڈ ایکویزیشن ایکٹ میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے ہر مذہب کے مقدس مقامات محفوظ ہوجائیں اور انہیں گورنمنٹ یا کوئی بااختیار ادارہ ضبط نہ کرسکے۔

اس کے علاوہ بورڈ کے ذمہ داروں نے جنتا پارٹی کے صدر مسٹر چندر شیکھر، اقلیتی کمیشن کے چیرمین جناب محمد رفیع الدین انصاری، وزیر پٹرولیم ہیموتی نندن بہوگنا سے ملاقاتیں کیں اور وزیراعظم مسٹر مرارجی ڈیسائی، وزیر داخلہ، وزیر قانون، مسٹر رام نریش یادو وزیراعلیٰ اتر پردیش، مسٹر بھیروسنگھ شیخاوت کو میمورنڈم دیا اور خطوط لکھے۔ سبھوں کے خاطر خواہ جوابات آئے جن کی نقلیں بورڈ کے دفتر میں محفوظ ہیں۔ ۴۹؎

بالآخر آپ کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ جناب رام نریش یادو اور جناب بھیروسنگھ شیخاوت نے آپ کو یقین دلایا اور لکھا کہ ضروری کاروائی کا حکم دے دیا گیا ہے، سابقہ نوٹس کی اصلاح کی جارہی ہے اور حکومت کا مسجد اکوائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ۵۰؎

لکھنؤ کی دونوں مسجدیں اور قبرستان اور جے پور کی مسجد مسلمانوں کو واپس کردی گئیں جو آج بھی مسلمانوں کے قبضہ اور مصرف میں ہے۔ بے شک ان کی بازیابی میں آپ کے ذریعہ چلائی گئی عوامی تحریک، حوصلہ مندانہ کردار اور جدو جہد کا بڑا دخل تھا۔ آپ کے ان جرأت مندانہ اقدامات کی بدولت ہی مقدس مقامات کے تحفظ کی راہ ہموار ہوئی۔

اوقاف پر انکم ٹیکس اور اس کے خلاف آپ کا نوٹس:

انکم ٹیکس کے نئے قوانین (مجریہ اپریل ۱۹۸۰ء) میں وقف کی آمدنی پر انکم ٹیکس لگانے کی گنجائش پیدا کی گئی تھی اور ان تمام وقفی جائدادوں کو انکم ٹیکس ادا کرنے والے اداروں کے زمرہ میں شامل کیا گیا تھا جس میں ۱۹۷۳ء کے بعد نقد آمدنی میں اضافہ ہوا تھا۔ ٹیکس کی تعین کی شکل یہ رکھی گئی تھی کہ وقف کی پوری جائداد کی قیمت متعین کر کے اس پر انکم ٹیکس لگایا جائے۔

آپ نے اس کا سخت نوٹس لیا کیوں کہ یہ ہزاروں اوقاف کے خاتمہ کا ذریعہ بنتا۔ آپ فوراً مونگیر سے دہلی تشریف لائے اور بورڈ کے ذمہ داروں کو جمع کیا اور اس کا جائزہ لیا اور پھر آپ اپنی قیادت میں ایک موثر وفد لے کر محترمہ اندرا گاندھی سے ملے۔ آپ نے پوری صورت حال کو سامنے رکھا اور ایک میمورنڈم دیا جس میں اوقاف کی جائداد پر اس طرح کے ٹیکس کو مفاد وقف کے سخت خلاف اور شریعت میں مداخلت قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت وفد کی موجودگی میں اندرا گاندھی نے مسٹر آر وینکٹ رمن کو جو اس وقت وزیر مالیات تھے فون پر ہدایت دی اور پھر بعد میں یہ بلا دور ہوئی۔ [۵۱]

لازمی نکاح رجسٹریشن کے خلاف آپ کی کاروائی:

لازمی نکاح رجسٹریشن کا مسئلہ کئی دفعہ مختلف ریاستوں میں اُٹھایا گیا۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں حکومت اتر پردیش نے مرکزی حکومت سے نکاح کے لیے رجسٹریشن کروانے کے لیے قانون بنانے کی درخواست کی تا کہ ہر ایک نکاح کا مفصل ریکارڈ حکومت کے پاس محفوظ رہے۔

چنانچہ مولانا رحمانی کو اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو متعین کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ حکومت سے بات چیت کے وقت مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح رہے۔ اسی کے خاطر آپ نے ۴/ نومبر ۱۹۸۱ء کو ہندوستان کے قابل ذکر علماء ومفتیان عظام کو ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا جس میں رجسٹریشن سے متعلق تمام تفصیلات اور حکومت کے ارادوں سے واقف کراتے ہوئے اس مسئلہ کی فقہی اور شرعی لحاظ سے اس کی حیثیت معلوم کی۔ علماء نے اپنی آراء آپ کے پاس بھیجیں۔ مجلس عاملہ میں اس پر

غور و بحث کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے علماء کی آراء پر غور کیا اور مسئلہ کے ہر ہر پہلو پر بحث کے بعد ایک رپورٹ تیار کی اور ۲۸/دسمبر ۱۹۸۳ء کو منعقد ہونے والے بورڈ کے اجلاس میں اسے پیش کیا گیا۔ رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ رجسٹریشن سے متعلق کوئی ایسا ایکٹ جس کی رو سے نکاح کا انعقاد اس پر موقوف ہو شریعت مطہرہ سے متصادم ہے۔

۲۔ رجسٹریشن کو ثبوت نکاح کے لیے لازم قرار دینا بھی شرع اسلام کے خلاف ہے۔

۳۔ ریکارڈ کے تحفظ کی خاطر سیکولر حکومت کے ہاتھوں میں دینا غیر محدود مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔

۴۔ البتہ بطور خود تحفظ ریکارڈ کا نظام مستحسن اور مفید ہے لیکن اسے لازم اور ضروری قرار دینا مضر ہے۔ ۵۲

اسی سلسلہ میں آخری مرتبہ ۲۰/مئی ۱۹۹۰ء کو حکومت بنگال کے وزیر قانون عبدالقیوم ملا کے جانب سے ایک بیان شائع ہوا۔ ''حکومت نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی بنانا چاہتی مگر کچھ بنیاد پرست لوگ اس میں رخنہ اندازی کرر ہے ہیں'' ۵۳ اور پھر اسی کے متعلق دوسرا بیان ۲۸/جولائی کو شائع ہوا:

''حکومت بنگال نے لازمی رجسٹریشن بل کا مسودہ تیار کرلیا ہے جس کا نفاذ تمام فرقوں پر ہوگا'' ۵۴

آپ نے حکومت بنگال کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے حکومت کے ان بیانات کا جائزہ لیا اور ایک سرکلر جاری فرمایا جس میں آپ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ارکان، دینی اداروں اور عام مسلمانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ بنگال اسمبلی میں لازمی نکاح رجسٹریشن بل پیش کیے جانے سے پہلے پہلے اس بل کے خلاف اپنی رائے ظاہر کریں۔ ٹیلی گرام اور خطوط کے ذریعہ وزیر اعلی بنگال کو مطلع کریں کے لازمی نکاح رجسٹریشن شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اس موقع پر آپ نے اخبار ہند میں ایک واضح بیان بھی دیا جس کا عنوان تھا'' لازمی نکاح رجسٹریشن بل مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں، حکومت مغربی بنگال قانون شریعت میں مداخلت کی کوشش نہ کرے''

مسلمانان ہند نے آپ کے سرکلر اور بیان پر پوری توجہ دی اور اس قدر ہزار ہا تار و خطوط

چیف منسٹر بنگال کے پاس پہونچے کہ ۳۱/اگست ۱۹۹۰ء کو حکومت مغربی بنگال نے اعلان کیا کہ اس طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے اور اخباری رپورٹیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ ۵۵

آپ نے حکومت کی یہ تردید کافی نہیں سمجھی اور بیان دیا کہ حکومت کا پریس نوٹ غیر تشفی بخش ہے اس لیے بورڈ کی تحریک جاری رہے گی۔ چنانچہ احتجاجی تحریک میں شدت پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں پھر دوسرا پریس نوٹ ۱۳/ستمبر ۱۹۹۰ء کو حکومت بنگال نے جاری کیا جو کافی واضح اور تشفی بخش تھا جس میں کہا گیا:

"ایسا کوئی فیصلہ گورنمنٹ نے نہیں کیا ہے کہ تمام فرقوں کے لیے لازمی نکاح رجسٹریشن کا قانون بنایا جائے اور حکومت بنگال کسی بھی پرسنل لاء میں مداخلت کا ارادہ نہیں رکھتی" ۵۶

اس موقعہ پر وزیر قانون جناب عبدالقیوم ملا نے بھی مولانا منت اللہ رحمانی کو خط لکھ کر اطمینان دلایا۔ حکومت کا پریس نوٹ اور وزیر قانون کا خط آ جانے کے بعد آپ نے تحریک کو بند کرنے کا اعلان فرمایا۔

مولانا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے:

مولانا منت اللہ رحمانیؒ اٹھارہ سال تک بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے اس اہم منصب پر تاحیات فائز رہے۔ آپ نے اس عرصہ میں اپنی دور اندیشی، خدا ترسی، صحیح پالیسی، مناسب اقدام اور مربوط و منظم تحریک کے ذریعہ اس پلیٹ فارم سے بہت سے نمایاں اور قابلِ ذکر کارنامے انجام دیے جو بورڈ اور مسلمانوں کے وقار کے ضامن بنے جن میں چند کا اجمالی تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ متبنیٰ بل کے خلاف ملک گیر جدوجہد اور بل کی واپسی۔

۲۔ یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور اس کے لیے مناسب اقدام۔

۳۔ خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف موقف اور اعلان حق۔

۴۔ تحریک تحفظ مساجد و مقابر۔

۵۔ اوقاف اسلامی کا انکم ٹیکس سے استثناء۔

۶۔ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے خلاف تحریک۔

۷۔ اصلاح معاشرہ کی کوششیں اور اس کے خاطر لٹریچر کی اشاعت۔

۸۔ بابری مسجد کی شرعی حیثیت کا دوٹوک اعلان اور بازیابی کی مسلسل کوشش۔

۹۔ قانون تحفظ خواتین ۱۹۸۶ء کا پارلیامنٹ سے پاس ہونا اور اسلامی قانون نفقہ کا جاری ہونا۔

۱۰۔ اسلامی قانون کے متعلق مسلم پرسنل لاء کی تدوین وترتیب۔

یہ کارنامے آپ کے دور امارت اور آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کی عظمت کو دوبالا کرتی ہیں اور جو تاریخی کردار کے حامل بھی ہیں جسے ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ جن میں صرف بابری مسجد کو چھوڑ کر سب میں آپ کو خاطر خواہ کامیابی ملی، لیکن اس میں بھی آپ نے جو رول ادا کیا اور تجاویز رکھیں وہ بھی کافی اہم تھیں مگر افسوس کہ یہ آپ کا آخری وقت تھا۔ بابری مسجد کی شہادت سے پہلے ہی آپ نے اس دنیا کو خیر باد کہہ دیا۔

اس کے علاوہ آپ نے جب جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھالا تو سب سے پہلے مسلمانوں میں تحفظ شریعت کے جذبہ کو اُبھارنے اور اس کے متعلق مسائل و معاملات سے واقفیت اور لوگوں میں بورڈ کی اہمیت وضرورت کے احساس کو پیدا کرنے کی خاطر ہر گوشہ میں مقامی، ضلعی اور صوبائی سطح پر کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کیے اور مسلمانوں میں اپنے حقوق اور شریعت کے تحفظ کا جذبہ پیدا کیا اور ان کے ذمہ دارانہ احساس کو جگایا جو کہ امت مسلمہ ہند کے لیے تاریخ ساز اور قابل قدر پیش رفت تھی۔ آپ نے مسلم پرسنل لاء کے مسئلہ کو عام لوگوں کو واقف کرانے اور آنے والے خطرات سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر کئی اہم رسالے مختلف زبانوں میں شائع کرا کر مسلمانوں تک پہونچایا۔

آپ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کو ایک تحریک کی شکل دی اور اپنی فکر وتدبر، اخلاص، دوراندیشی،

قوت فیصلہ اور جرأت مندانہ اقدام کے ذریعہ حکومت کو ایسے فیصلے لینے پر مجبور کردیا جو مسلمانوں کے دین ومذہب کے منافی نہ ہو۔ آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک جس فکرمندی اور استقامت کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحریک کو آگے بڑھایا اس کی نظیر ہندوستان میں دور دور تک نہیں ملتی جس کا اعتراف سبھوں نے کیا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جن کی دینی اور دعوتی خدمات کا اعتراف عرب وعجم نے کیا ہے۔ آپ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی فعالیت مولانا منت اللہ رحمانی کی بے پناہ محنت اور عالی دماغی کی رہین منت تھی'' [۵۷]

آپ نے بورڈ کو مسلمانان ہند کا ایسا نمائندہ اور حسین گلدستہ بنادیا جس میں مختلف دینی ملی جماعتوں، تحریکوں اور مسلم سیاسی تنظیموں کے سربراہوں اور نمائندوں کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ علماء کرام ومفتیان شرع کا طبقہ بھی شریک وسہیم ہوگیا۔ اپنے دور امارت میں آپ نے ہمیشہ حق کی حمایت کی اور کبھی باطل کے آگے سر نہ جھکایا۔ آپ نے مصلحت اندیشی اور حکومت کی خوشنودی کے خاطر کبھی ناجائز کو جائز نہ کہا اور نہ تحفظ شریعت کے مسئلہ پر کسی طرح کا سمجھوتہ کیا بلکہ تحفظ شریعت کے میدان میں بڑی قوت کے ساتھ بڑے بڑے فتنوں، سازشوں اور خطرات کے سامنے سینہ سپر ہوکر ان سے مقابلہ کیا اور کامیابیاں حاصل کیں۔ اپنی فکری دیانت داری، بے لچک اصول پرستی، حق وانصاف کی بے دریغ حمایت، استقامت اور اصابت رائے کے ذریعہ بورڈ کو موثر اور فعال بنادیا۔ آپ نے اپنے صحیح فیصلے صحیح پالیسی اور مناسب وبروقت اقدام کے ذریعہ جو کارنامہ انجام دیے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

بورڈ کے وقار کی خاطر آپ کی جدوجہد:

آپ نے بورڈ کے وقار کی خاطر ہمیشہ جدوجہد کیا اور ایسا طریقہ اختیار کیا کہ بورڈ کا وقار

لوگوں میں بالخصوص مسلمانوں میں باقی و بلند رہے ۔چنانچہ مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر کو جوڑے رکھنا اس کے وقار کے سلسلہ میں آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے جسے آپ نے اپنی حکمت اور خداداد بصیرت سے آخری دم تک بحسن وخوبی انجام دیا۔

اس سلسلہ میں آپ نے پہلی کوشش یہ کی کہ بورڈ کو گروہی اور جماعتی اختلافات سے بچائے رکھا ۔آپ جانتے تھے کہ بورڈ کے اندر مختلف عقائد وافکار اور مختلف تنظیم وتحریک سے جڑے لوگ ہیں۔اس وجہ سے آپ سبھوں کوایک ساتھ پورے توازن کے ساتھ لے کر چلنا اورصبر وتحمل کے دامن کو پکڑتے ہوئے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمائے رکھنا ضروری سمجھتے تھے ۔اس کی خاطر آپ نے خوب محنت کی اور بغیر کسی اختلاف کے بورڈ کو بلند و بالا کرنے اور اس کے وقار و احترام کے خاطر مناسب اقدام اورکوشش کرتے رہےاور پیش آنے والی رکاوٹوں کوبحسن خوبی دفاع کرتے رہے۔

اس کے علاوہ آپ کی ہوش مندانہ قیادت اورمحنت نے بھی اس کے وقار کو بلند کیا۔مسلمانوں کے سامنے پیش آنے والے خطرات خواہ وہ جبری نسبندی ہو،اوقاف کی آراضی کواکوائر کرنے ،نکاح کے لازمی رجسٹریشن یا پھر متبنیٰ بل،شاہ بانو کیس اور بابری مسجد جیسے اہم اورسنگین معاملات ہوں ۔ان حالات اور درپیش مسائل میں آپ کے ذریعہ اقدام وعمل کیا گیا۔صحیح فیصلہ،صحیح پالیسی اور مناسب و بروقت اقدام نے بھی بورڈ کے وقار کو بلند کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

بورڈ کوعلمی وفکری مواد کی فراہمی میں آپ کا حصہ:

کسی بھی ادراہ،تنظیم اورتحریک کی رہنمائی کے لیے مفیدلٹریچر کا ہونا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جو لوگوں کو حالات و واقعات اور وقت کے تقاضوں میں صحیح رہنمائی کرتا ہے ۔ چوں کہ آپ کوملکی حالات پر گہری نظرتھی مسلمانوں کے خلاف حکومت کی کون کون سی سازشیں رچی جارہی تھیں اور کیا کیا پلان بنتا تھا آپ کواس کی پوری خبر رہتی ۔انہی باتوں کو دھیان میں رکھ کراور حالات اورضرورتوں کے تقاضوں کے مدنظر آپ نے بورڈ کوعلمی وفکری مواد کی فراہمی اوردفاع کی خاطر وقتاً فو قتاً مختلف النوع

مسائل پر مشتمل لٹریچر اور عمدہ مضامین تحریر کیے جو بورڈ اور عام افراد ملت دونوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے جنھیں مسلمانوں کے ہر طبقہ تک بلکہ غیر مسلم دانش وروں تک بھی بہونچایا گیا جو اصلاح معاشرہ اور تحفظ شریعت کے مختلف النوع مسائل میں معین و مددگار ثابت ہوئے۔

ذیل میں آپ کے ان مفید تحریروں کو حوالۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو آپ نے مختلف النوع حالات و مسائل کے تحت سپرد قلم کیں اور جنھیں لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں شائع کیا گیا۔

۱۔ ''طلاق'' دینے سے پہلے کیا کریں؟

۲۔ ''طلاق برا کام''

۳۔ طلاق دینے کا صحیح طریقہ

۴۔ مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلے میں

۵۔ متبنیٰ بل ایک جائزہ

۶۔ مذہب اخلاق اور قانون

۷۔ یونیفارم سول کوڈ

۸۔ خاندانی منصوبہ بندی

۹۔ قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل

۱۰۔ مسلم پرسنل لاء بحث ونظر کے چند گوشے

۱۱۔ مسلم پرسنل لاء

مذکورہ بالا تحریریں قابل ذکر ہیں جنھیں مختلف حالات، مواقع اور ضرورتوں کے پیشِ نظر مولانا نے قلم بند کر کے بورڈ کو علمی وفکری مواد کی فراہمی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

بابری مسجد اور مولانا رحمانی کا کارنامہ:

بابری مسجد سے متعلق مسلم پرسنل لاء بورڈ کا فیصلہ مولانا منت اللہ رحمانی کی زندگی کا اہم ترین اور آخری کارنامہ ہے۔ حالاں کہ بابری مسجد کا معاملہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ہاتھ میں نہ تھا کیوں کہ

بعض اسباب کی بنا پر بورڈ نے اسے خود اپنے ہاتھ میں نہ لیا۔ اس کے تحفظ کی تحریک کی کمان بابری مسجد ایکشن کمیٹی اور بابری مسجد رابطہ کمیٹی کے ہاتھوں میں تھی ۔ انہی تنظیموں کے افراد اس سے متعلق معاملات ومسائل کی دیکھ ریکھ کر رہے تھے۔

بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک کی ذمہ داری جن لوگوں کے ہاتھوں میں تھی ان میں بعض علماء بھی شامل تھے لیکن اس کی اصل قیادت غیر علماء کے ہاتھوں میں تھی ۔ دوسری طرف اس کے قائدین میں خود اختلافات رونما ہونے لگے جن کی وجہ سے یہ تحریک دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ۔ ان حالات کا فائدہ اُٹھا کر فرقہ پرستوں نے چاہا کہ مسلمانوں میں اس کے تحفظ کی تحریک کو لے کر اختلافات پیدا کر دیے جائیں اور اس مسئلہ کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقات میں ایسی دراڑ پیدا کر دی جائے جو اس تحریک کو سرے سے ہی بے جان بنا دے اور مسلمان باہمی اختلافات کے بھنور میں پھنس کر خود ہی بابری مسجد کو حوالہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

اخبارات میں مراسلات ومضامین کے ذریعہ یہ تجویز بھی آنے لگی کہ بابری مسجد کا مسئلہ علماء حل کریں کیوں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے اور اسے علماء ہی حل کر سکتے ہیں تو کچھ نے یہ آواز بلند کرنا شروع کر دیا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ بابری مسجد ایکشن کمیٹی وغیرہ کو بے دخل کر کے یہ مسئلہ اپنے ہاتھوں میں لے اور شاہ بانو کیس کی طرح اس کی کمان بھی سنبھالے ۔ گویا ہر روز بابری مسجد کے متعلق نئی نئی تجویزیں آنی شروع ہوگئیں اور جو لوگ اس سلسلہ کو لے کر عدالت اور عوام میں لڑ رہے تھے ان کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کرنے کی مہم تیز ہوگئی۔ اس پوری مہم کا اصل مقصد علماء اور غیر علماء کے درمیان بے اعتمادی کی فضاء بلند کرنا تھا اور یہ کوشش تھی کہ خود مسلمانوں کے مختلف طبقات، تنظیموں اور افراد کو آپس میں ٹکرا کر خود مسلمانوں میں غیر معمولی انتشار پیدا کر دیا جائے ۔ بعض فقہی کتابوں کے حوالہ سے جزئیات بھی پیش کی جانے لگیں جس کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ بابری مسجد منتقل کی جاسکتی ہے ۔ غرضیکہ عجیب افراتفری اور انتشار کا عالم تھا۔

ہندوستان کے سیاسی حالات کی سنگینی:

دوسری طرف فرقہ پرست اور سیاسی تحریکیں اپنی رتھ یاترا اور اپنی ریشہ دوانیوں، دل آزار تقریروں اور اشتعال انگیز نعروں سے پورے ملک کو فساد کی لہروں میں جھونکنے پر آمادہ تھیں۔ فسطائی طاقتوں نے مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو پر کھلم کھلا حملہ کرنا شروع کردیا جس سے ایک عجیب خوف و ہراس کا ماحول ملک کے اندر پیدا ہوگیا۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہورہے تھے اور ہمتیں ٹوٹ رہی تھیں۔

بورڈ نے بابری مسجد کے مسئلہ کو اپنے ایجنڈے میں شامل کیا:

ان حالات میں مسلمانوں کے پیہم مطالبہ اور ملکی حالات کی سنگینی اور مسلمانوں کے اندر بڑھتے ہوئے خوف و اضطراب کے پیش نظر آپ نے اس مسئلہ کو پہلی مرتبہ اپنے ایجنڈے میں شامل کیا اور ۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ بلائی جس میں قابل ذکر علماء و دانشوروں کو مدعو کیا۔ اس میں بابری مسجد ایکشن کمٹی اور رابطہ کمیٹی کے اہم ذمہ داران و اراکین اور مختلف مکاتب فکر کے علماء و قائدین بھی شریک ہوئے۔ آپ نے اس اجلاس کے ذریعہ کئی اہم تجاویز منظور کرائیں اور بابری مسجد کے بارے میں شرعی نقطہ نظر سے ملک کے سیکولر عناصر اور حکومت نیز تمام مسلمانوں پر اپنی تجویز کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ بابری مسجد، مسجد ہی ہے نہ تو یہ غصب شدہ زمین پر واقع ہے اور نہ مندر توڑ کر اس کی جگہ بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد ہے اور مسجد کی جگہ خدا کی ملک ہے نہ اُسے تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی خرید و فروخت ہوسکتی ہے، نہ کسی مصالحت کی بنا پر کسی فرد، جماعت یا حکومت کے حوالہ کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی حکومت اسے ایکوائر کرسکتی ہے۔ ۵۸؎

بورڈ کے اس فیصلے کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ حالات کے دباؤ میں آکر مسجد کی منتقلی کی بات کررہے تھے اور اس کے لیے کوشاں تھے ان کے قدم رُک گئے اور بابری مسجد سے متعلق کمیٹیوں کو بھی بورڈ کے اس واضح موقف سے حوصلہ ملا اور تذبذب دور ہوا۔

آپ نے اس اجلاس میں نہ صرف یہ کہ بابری مسجد اور ملحقہ قبرستان کے بارے میں شرعی موقف کی وضاحت کی بلکہ اس موقع پر آپ نے انتہائی جرأت مندانہ پیغام بھی مسلمانوں کو دیا اور ان کو ہمت و حوصلہ کے ساتھ رہنے اور فرقہ پرستوں کا مقابلہ حکمت عملی اور بہادری کے ساتھ کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ حالات ناساز گار ضرور ہیں لیکن اس کا علاج بزدلی اور پست ہمتی نہیں ہے بلکہ جرأت و ہمت اور صبر وتحمل کے ذریعہ حالات کا رُخ موڑا جاسکتا ہے۔ اس پسِ منظر میں آپ نے مسلمانوں کو جو پیغام دیا اس کو ملاحظہ فرمائیں:

''آپ اس ملک میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں، ملک کی تاریخ کو نیا رُخ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ اس کے لیے آمادہ ہوں۔ اتنی سی بات یاد رکھیے کہ ایک بہت بڑی تعداد کا مزاج تخریبی بن چکا ہے۔ اُسے توڑ پھوڑ، شکست و ریخت سے خاص دلچسپی ہوگئی ہے۔ مگر آپ اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ آپ خود بھی مضبوط ہوں اپنی قوت جمع کریں۔ شرپسند فتنہ پرور اور شہری زندگی کے امن وسکون کو برباد کرنے والوں کے مقابل مضبوط اور بہترین دفاع کے لیے تیار ہوں۔ آپ کی اپنی قوت اور دفاعی صلاحیت وہ بنیادی چیز ہے جس کے ذریعہ آپ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔ آپ مرنا سیکھیں، بزدلوں کو ہر روز اور ہر صبح و شام موت آتی رہتی ہے۔ جواں مرد ایک بار اور صرف ایک بار مرتا ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہوں گا کہ آپ دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں۔ خدا سے لو لگائیں اور اپنے مستحکم دفاع کے لیے تیار رہیں۔ موجودہ صورت حال میں فرقہ واریت اور نسل کش حملوں کا علاج میرے خیال میں یہی ہے کہ مظلوموں کو چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کریں۔ دفاع آپ کا قانونی حق ہے جسے کوئی بھی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی'' [۵۹]

آپ کے اس تاریخی اقدام و پیغام نے جہاں بابری مسجد کے متعلق فرقہ پرستوں اور قوم دشمن

عناصر کی گھناؤنی سازشوں کو ناکام بنادیا وہیں مسلمانان ہند کے حوصلوں کو بھی بلند کیا اور ان کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کا جذبہ، قوت اور ہمت پیدا کیا، اور مخالف طاقتوں کی اس چال کو بھی ناکام کردیا کہ مسلمانوں کے اندر اختلاف پیدا کر کے آپسی انتشار و خلفشار کے بھنور میں ڈال دیں۔

اس تاریخی اجلاس نے بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک چلانے والے مختلف دھڑوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی اور مسلمانوں کو بابری مسجد کے مسئلہ میں ایک موقف پر متحد کردیا نیز علماء اور غیر علماء ایکشن کمیٹی اور بورڈ کی کشمکش کا خاتمہ کردیا۔ آپ نے بابری مسجد کے سلسلے میں یہ پیغام دیا کہ بابری مسجد کا مسئلہ بیک وقت مختلف حیثیتوں کا حامل ہے۔ یہ مسئلہ بیک وقت مذہبی، سیاسی اور قانونی ہے اس لیے مسلمان بابری مسجد کے محاذ پر اس وقت کامیاب ہوسکتے ہیں، جب ان کے علماء، اصحاب افتاء، ماہرین قانون اور سیاست داں پورے اخلاص و اتحاد کے ساتھ اس محاذ پر اپنی توانائیاں صرف کریں۔ مسلمانوں کا کوئی طبقہ خواہ علماء کا ہو یا ماہرین قانون کا، یا سیاست دانوں کا، اگر اس مسئلہ کو دوسرے طبقوں سے بے نیاز ہوکر تنہا حاصل کرنا چاہے گا تو اسے ذلت آمیز ناکامی ہوگی اور غیر محسوس طور پر سازش اور دھوکہ کا شکار ہوجائے گا۔[۶۰]

آپ کے اس بیان و پیغام سے آپ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے دراصل اس کے ذریعہ امت کے مختلف طبقوں اور حلقوں کو جوڑنا چاہا اور یہ پیغام دیا کہ اس کے تحفظ کی خاطر اس کے قائدین اپنی ذاتی رنجشوں اور رجحانات کو پس پشت ڈال کر متحدہ مقصد کے لیے عمل اور طریقۂ کار میں اتحاد پیدا کریں تبھی کامیابی سے ہم کنار ہوا جاسکتا ہے۔

بابری مسجد کے سلسلہ میں وزیر اعظم چندر شیکھر سے ملاقات:

آپ نے بابری مسجد کے معاملہ سے متعلق حکومت وقت کے ساتھ بھی مذاکرات کیے اور حکومت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ اسی کے تحت اپنی قیادت میں ۵/دسمبر ۱۹۹۰ء کو بورڈ کے ایک وفد کے ساتھ وزیر اعظیم چندر شیکھر سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی اور بابری مسجد تنازعہ اور متعلقہ امور

پر بورڈ کی منظور کردہ قراردادیں وزیر اعظم کے حوالہ کیں اور مسجد کی شرعی حیثیت کے بارے میں واضح کیا اور ان سے اپیل کی کہ اس تنازعہ میں وہ حق و انصاف سے کام لیں۔ قانون کی بالادستی کو برقرار رکھ کر ہی اس مسئلہ کا منصفانہ حل نکالا جاسکتا ہے اور ملک کو درپیش مسائل سے نکالا جاسکتا ہے۔ جس پر انہوں نے حق و انصاف اور ضمیر کی آواز کے مطابق قدم اُٹھانے کا بھروسہ دلایا۔[۶۱]

چندر شیکھر سے دوٹوک گفتگو:

جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ایک موقر وفد بابری مسجد کے سلسلے میں آپ کی سربراہی میں وزیر اعظم سے ملا تو شروع میں ہی وزیر اعظم نے ایسا جملہ کہہ دیا کہ وفد مرعوب ہوجائے اور کوئی مضبوط بات نہ رکھ سکے۔ وزیر اعظم نے کہا ''بابری مسجد کے مسئلہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک ہی بھنگ کے کنویں سے پانی پی لیا ہے'' گویا دونوں برابر کے قصوروار ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ کا ایمانی جوش اُبل پڑا اور آپ نے برجستہ جواب دیا ''حکومت نے تو بھنگ کے کنویں سے پانی نہیں پیا ہے وہ کیوں اپنے فرض سے غافل ہے''[۶۲]

آپ نے اپنے ملاقات کے تاثرات کا اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

''میں بہت پرامید ہوکر ان سے ملنے گیا تھا کہ یہ قومی لیڈر ہیں، سوشلسٹ ہیں ملک اور ملک کے لوگوں کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن جیسی امیدیں تھیں ملاقات ویسی نہیں رہی۔ ہاں یہ اندازہ ضرور ہوا کہ وہ جو کچھ وعدہ کریں گے اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے''۔[۶۳]

آپ اس تاثر کی وضاحت کرتے ہوئے آگے تذکرہ کرتے ہیں:

ہماری گفتگو کا آغاز جس انداز سے ہوا تھا اچھا نہیں تھا ہم سب نے محسوس کیا کہ وہ ظالم اور مظلوم کو ایک ہی صف میں کھڑا کررہے ہیں چنانچہ جب ان سے کہا گیا پورے ملک میں تشدد کی آگ بھڑکائی جارہی ہے۔ بے قصور اور معصوم لوگ قتل کیے جارہے ہیں، لوٹ مچی ہوئی ہے۔ گاؤں گاؤں

کیسٹ اور تقریروں کے ذریعہ آگ لگائی جارہی ہے۔اس کی طرف آپ کو توجہ کرنی ہوگی۔ جواب ملا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب نے بھنگ کے کنویں سے پانی پیا ہے اور سب پاگل ہوگئے ہیں۔ یہاں آپ خود اپنے جواب کو بتلا رہے ہیں کہ جب ان سے جواباً کہا گیا ''حکومت نے تو بھنگ نہیں پی رکھی ہے'' اس پر وہ سنبھلے اور پھر بتایا کہ اجودھیا میں کارسیوا کسی قیمت پر ہونے نہیں دیں گے، چاہے گولی چلانی پڑے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو یہ منظور ہے کہ پانچ سو آدمی گولی سے مریں لیکن پانچ آدمی چھرے سے نہیں مریں گے۔[۶۴]

آپ نے آگے بتایا کہ مسٹر چندر شیکھر کو اعتراض یہ تھا کہ بورڈ نے اپنے فیصلوں کے ذریعہ بابری مسجد تنازعہ میں مصالحت کے دروازے بند کردیے ہیں جس پر انہیں بتایا گیا کہ بورڈ اس مصالحت کا استقبال کرے گا جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہو۔

اس پوری گفتگو کو جناب شاہد رام نگری مدیر اعلیٰ ''نقیب'' ہفت روزہ پٹنہ نے ۱۸ر فروری ۱۹۹۱ء کو شائع کیا ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں اور آپ کی جرأت کے مشاہدہ کے بعد یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر آپ کا انتقال ۱۹۹۱ء میں نہ ہوتا اور آپ بورڈ کی قیادت کررہے ہوتے تو بہت ممکن تھا بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک غلط ہاتھوں میں پڑکر ایسے المناک انجام سے دوچار نہ ہوئی ہوتی۔ آپ کی فعال قیادت سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ بابری مسجد کے انہدام اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات میں مسلمانوں کو صحیح سمت میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے۔ آج ملت کو آپ جیسے ہی مضبوط ارادے اور واضح موقف رکھنے والے رہنماؤں کی ضرورت ہے۔اس دورِ قحط الرجال میں اس کی ضرورت اور اشد ہوجاتی ہے۔

حوالے وحواشی

۱۔ زین العابدین: ملاحظہ فرمائیں خطبات امیر شریعت، ص ۵۰، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۲۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات ، ۴۴۷، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، جنوری ۲۰۰۲ء

۳۔ ایضاً، ص ۴۴۸

۴۔ مولانا منت اللہ رحمانی: مسلم پرسنل لاء، ص ۷، طبع سوم، ۱۹۸۵ء

۵۔ ماہنامہ معارف قاسمی، دہلی، ص ۱۳۰، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء

۶۔ اسرار الحق قاسمی: مسلم پرسنل لاء اور ہندوستانی مسلمان، ص ۳۱، کتابستان، بیگوسرائے

۷۔ شمس تبریز خان: مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، ص ۱۴، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۹ء

۸۔ سید معین الدین قادری: مسلم پرسنل لاء کا ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۱۰، قرآن وسیرت سوسائٹی

۹۔ اصغر حسین اعجازی: مسلم پرسنل لاء اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، ص ۲، شائع کردہ: مسلم پرسنل لاء بورڈ

۱۰۔ مولانا منت اللہ رحمانی: اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء، ص ۳۴، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۲۰۰۲ء

۱۱۔ ظفر عبدالروف رحمانی: مسلم پرسنل لاء زندگی کی شاہراہ، ص ۱۴، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۱۲۔ مولانا منت اللہ رحمانی: اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء، ص ۳۵

۱۳۔ شمس پیرزادہ: مسلم پرسنل لاء اور یکساں سول کوڈ، ص ۱۲، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، نومبر ۱۹۷۲ء

۱۴۔ تحفظِ شریعت اور آزاد ہندوستان، دعوت نئی دہلی، خصوصی شمارہ، ص ۸۸، فروری ۲۰۰۴ء

۱۵۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ – خدمات اور سرگرمیاں، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی، ص ۷

۱۶۔ عثمان منیار: مسلم پرسنل لاء اور ملت کی بیداری، ص ۹، حافظ پبلی کیشنز ممبئی، نومبر ۱۹۸۵ء

۱۷۔ روداد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن ممبئی، مجلس استقبالیہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن، ص ۱۲۸ – ۱۲۵، ۲۷/ ۲۸/ دسمبر ۱۹۷۲ء

۱۸۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، ص ۵۹

۱۹۔ مولانا منت اللہ رحمانی: مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلے میں، شائع کردہ: سکریٹری آفس آل انڈیا مسلم

پرسنل لاء بورڈ مونگیر، نومبر ۱۹۷۳ء

۲۰۔ مولانا منت اللہ رحمانی: یونیفارم سول کوڈ، ص ۳، شائع کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۸۹ء

۲۱۔ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ص ۷۰

۲۲۔ مولانا منت اللہ رحمانی: یونیفارم سول کوڈ، ص ۱۵

۲۳۔ صدر الدین اصلاحی: یکساں سول کوڈ اور مسلمان، ص ۴۳، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، جون ۱۹۷۳ء

۲۴۔ A Text Book of Mohammadon law P.No.6

۲۵۔ Rosanthal, Political Thought in Mediaval Islam P.No.200

۲۶۔ مولانا منت اللہ رحمانی: یونیفارم سول کوڈ، ص ۱۵

۲۷۔ ماہنامہ معارف قاسمی دہلی، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۴

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ظفر عبدالرؤف رحمانی: مسلم پرسنل لاء زندگی کی شاہراہ، ص ۱۶۵

۳۰۔ مولانا منت اللہ رحمانی: متبنّیٰ بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ، ص ۱، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۷۴ء

۳۱۔ ظفر عبدالرؤف رحمانی: مسلم پرسنل لاء زندگی کی شاہراہ، ص ۱۵۲

۳۲۔ ۱۹/ جولائی ۱۹۷۸ء کو لوک سبھا میں تقریر

۳۳۔ تحفظ شریعت اور آزاد ہندوستان، حصہ دوم، خصوصی شمارہ، دعوت نئی دہلی، ص ۸، اپریل ۲۰۰۴ء

۳۴۔ ایضاً، ص ۸

۳۵۔ روزنامہ آزاد ہند کلکتہ، ۱۹/ مئی ۱۹۸۳ء

۳۶۔ روزنامہ قومی آواز، ۱۷/ اگست ۱۹۸۳ء، پی ٹی آئی

۳۷۔ مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات، ص ۴۵۲

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''خاندانی منصوبہ بندی'' مولانا منت اللہ رحمانی

۴۰۔ مولانا منت اللہ رحمانی: خاندانی منصوبہ بندی، ص ۱۴، شائع کردہ: آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۵

۴۲۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، ص ۱۰

۴۳۔ ملاحظہ فرمائیں مطلقہ عورت کا نان نفقہ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء

۴۴۔ محمد شہاب الدین ندوی: سپریم کورٹ کا فیصلہ حقائق و واقعات کی روشنی میں، ص ۴۳، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، فروری ۱۹۸۶ء

۴۵۔ ایضاً، ص ۶۵

۴۶۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، ص ۲۰

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۱

۴۸۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص ۴۵۷

۴۹۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، ص ۱۷

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۱۔ ایضا، ص ۲۴

۵۲۔ مولانا نیاز احمد رحمانی: لازمی نکاح رجسٹریشن کشمیر سے بنگال تک، ص ۱۶، شائع کردہ آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ پھلواری شریف، پٹنہ

۵۳۔ روزنامہ جوگانتر، ۲۰ر مئی ۱۹۹۰ء

۵۴۔ آج کل، ۲۸ر جولائی ۱۹۹۰ء

۵۵۔ مولانا نیاز احمد رحمانی: لازمی نکاح رجسٹریشن کشمیر سے بنگال تک، ص ۲۰

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۱

۵۷۔ ماہنامہ معارف قاسمی، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء ص ۹۶

۵۸۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، ص ۳۶

۵۹۔ امیر شریعت رابع حیات و خدمات، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ص ۱۸۶

۶۰۔ ایضاً، ص ۲۴۴

۶۱۔ ہفت روزہ نقیب پٹنہ، ۱۸ر فروری ۱۹۹۱ء

۶۲۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی: حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات، ص ۴۵۴

۶۳۔ ہفت روزہ نقیب پٹنہ، ۱۸ر فروری ۱۹۹۱ء

۶۴۔ ایضاً

باب چہارم

مولانا کی علمی خدمات

مولانا منت اللہ رحمانی کی شخصیت کا اندازہ ان کی علمی خدمات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک اہم پہلو آپ کی تصنیفی خدمات سے متعلق بھی ہے۔ اللہ نے آپ کو اس میدان میں تبحر علمی، وسعت نظری، بصیرت قلبی اور زبان وقلم کی انمول نعمتوں سے نوازا تھا جس کا مشاہدہ آپ کی تحریروں اور آپ کے خطبات سے کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کی علمی حیثیت:

مولانا رحمانیؒ نے اپنی دینی وملی کاموں کی گونا گوں مصروفیتوں، تحریک تحفظ شریعت اور تعمیر ملک و قوم کی قیادت و سیادت کے باوجود تصنیف و تالیف، مقالہ نگاری اور وعظ و خطابت کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ حالاں کہ تصنیف و تالیف کے لیے سکون و اطمینان اور یکسوئی کی ضرورت شدت سے درکار ہوتی ہے، وہ آپ کی اپنی دینی، روحانی، اصلاحی اور ملی وسیاسی خدمات کی مصروفیتوں کی وجہ سے نہ مل پائیں لیکن اس کے باوجود آپ نے اس میدان میں بھی جو کارنامے انجام دیے وہ بھی آپ کی شخصیت کا ایک اہم حصہ ہیں۔

آپ کے زور آور قلم کے ذریعہ بہت ساری قیمتی تحریریں منظر عام پر آئیں جو کتب و رسائل اور مقالات کی شکل میں آپ کے علمی کارناموں کی یادگار ہیں جو اپنی نوعیت اور موضوع کے لحاظ سے محدود و مختصر ہونے کے باوجود عظیم اہمیتوں کی حامل اور علم وتحقیق کے میدان میں آپ کی ظرف نگاہی اور علمی استعداد کا مظہر ہیں۔

آپ کی تحریروں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنی تحریروں میں صحت کا بہت زیادہ

اہتمام کیا اور جو کچھ لکھا اُسے پوری تحقیقات و دلائل کے ساتھ لکھا جن سے ان تحریروں کی اہمیت دوبالا ہوجاتی ہے۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ وعظ وخطابت اور فتاوی نویسی میں بھی آپ نمایاں تھے۔ اللہ نے آپ کواس کے اندر ایک خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ جو بات کہتے وثوق کے ساتھ کہتے ۔ آپ کا خطاب وقیع، قیمتی اور وقت کے اہم تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوتا تھا اور ساتھ ہی اس میں حق و بے باکی کا انمول خزانہ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے بیانات میں تاثیر پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے بیانات کے ذریعہ ہمیشہ اجتماعی زندگی کی اہمیت، اتحاد، رواداری، سادگی، اخلاص، صبر اور یقین محکم کا پیغام دیتے ۔ آپ کے وہ بیانات و تقاریر بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے علمی حیثیت کے حامل ہیں جنھیں زین العابدین صاحب اسسٹنٹ کمشنر نارتھ بہار نے خطبات امیر شریعت نام سے مرتب فرما کر ایک مستحسن کام انجام دیا ہے۔

اسی طرح فقہی بصیرت میں بھی آپ ممتاز تھے اور اس سلسلہ میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور تقریباً چودہ سال تک مسلسل فتوی نویسی میں لگ کر بہت سے اہم فتووں کا جواب دیا ہے۔

تصنیفات وتالیفات ایک نظر میں:

اس باب کے اندر آپ کے علمی خدمات کا مختصراً تذکرہ کیا جائے گا جو آپ نے مختلف اوقات میں مختلف عنوانات پر بوقت ضرورت اپنے مقالات ومضامین اور مواعظ وتقاریر کے ذریعہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ اس باب کا آغاز آپ کی گرانقدر علمی تحریروں کی فہرست سے کیا جاتا ہے:۔

(۱) کتاب حدیث

(۲) مکاتیب گیلانی

(۳) ہندوستان کی صنعت وتجارت

(۴) تعلیمی ہند

(۵) سفر مصر و حجاز

(۶) نسبت اور ذکر شغل

(۷) حج کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی اثرات

(۸) حج مبرور اور زیارت مقبول

(۹) مسلم پرسنل لاء

(۱۰) مسلم پرسنل لاء بحث ونظر کے چند گوشے

(۱۱) مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلے میں

(۱۲) یونیفارم سول کوڈ

(۱۳) متبنٰی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ

(۱۴) قضاء کی شرعی اور تاریخی اہمیت

(۱۵) مذہب، اخلاق اور قانون

(۱۶) قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل

(۱۷) نکاح وطلاق

(۱۸) فتنہ قادیانیت اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری

(۱۹) تحفظ دین کا منصوبہ

(۲۰) خاندانی منصوبہ بندی۔تنقیدی جائزہ

(۲۱) نقوش تاباں

(۲۲) خطبات امیر شریعت

تعلیم ہند:

یہ آپ کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔ جسے آپ نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کی تکمیل و فراغت کے بعد مزید کچھ دنوں وہاں قیام کر کے لکھا تھا۔اس کے اندر آپ نے ہندوستان کے تعلیمی انحطاط کو محققانہ طور پر پیش کیا ہے اور تعلیم کی راہ سے ان زیادتیوں اور مظالم کا مفصل تذکرہ کیا ہے جو انگریزوں نے ہندوستانیوں خاص طور پر مسلمانوں پر کی تھیں۔ آپ نے ان تعلیمی زیادتیوں کا ذکر تاریخی شواہد و دلائل کو سامنے رکھ کر قلم بند کیا ہے۔لیکن انگریزوں نے یہ کتاب ضبط کر لی اور اب یہ نایاب ہے کیوں کہ آپ کی یہ کتاب انگریز حاکموں کے لیے چیلنج تھی۔

اسی کتاب کے متعلق مولانا محمد نعیم رحمانی صاحب ''حضرت امیر شریعت۔نقوش و تاثرات'' کے اندر لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں حضرت امیر شریعت نے انگریز مصنفین اور اہل علم و قلم کے حوالے سے وہ ساری باتیں بیان کی ہیں جو انگریز حاکموں کے لیے چیلنج تھیں اس لیے اس کی اشاعت پر روک لگا دی گئی اور اسے ضبط کر لیا گیا۔آپ نے اس کتاب کو جدوجہد آزادی کی ایک کڑی قرار دیا۔

ہندوستان کی صنعت وتجارت:

یہ آپ کی دوسری وقیع کتاب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے انگریزوں کے صنعتی اور تجارتی مظالم کو انگریزی تصانیف اور انگریزوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب بھی برطانوی حکومت و حکمرانوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔اس کو بھی ضبط کر لیا گیا۔

اس کتاب کے سلسلہ میں مولانا علاء الدین صاحب ندوی ''امیر شریعت رابع حیات و خدمات'' میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۹ء میں جب بہار اسمبلی توڑ دی گئی اور صوبہ میں گورنر راج نافذ ہوا تو حکومت نے نہایت چالاکی کے ساتھ کتاب ضبط کر لی اور اس کے تقریباً آٹھ سو نسخے دفتر ''الہلال'' سے پولیس اُٹھا کر لے گئی۔اس کتاب کی دوبارہ اشاعت نہ ہو سکی اور محدود تعداد میں ہی یہ کتاب عوام تک پہونچ پائی۔مولانا

علاء الدین صاحب اس کتاب کی خصوصیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود اپنے موضوع پر کافی حاوی تھی اور بہت سے حقائق کو واشگاف کرنے والی تھی۔ آپ نے یہ کتاب ۱۹۳۸ء میں تحریر فرمائی۔ مذکورہ بالا دونوں کتاب اس وقت نایاب ہیں۔

کتابت حدیث:

دراصل یہ کتاب آپ کے ایک مخلص کے خط کا جواب ہے۔ جنھوں نے خط کے ذریعہ آپ سے احادیث نبویہ کے متعلق کچھ شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا، جن کا ماحصل یہ تھا کہ رسولؐ کے زمانہ میں احادیث کی کتابت نہیں ہوئی۔ نہ خود آنحضرتؐ نے حدیثیں لکھوائیں اور نہ صحابہ کرامؓ نے قلم بند کیں بلکہ حدیثوں کی کتابت کا خیال کم وبیش ایک صدی کے بعد پیدا ہوا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ احادیث کے براہ راست سننے والے صحابہ کرام بھی اُٹھ چکے تھے اور ان میں سے ایک بھی موجود نہ تھے۔ اس کے علاوہ حدیث کی کتابت کو خود حضورؐ نے سختی سے منع بھی فرمادیا تھا۔ اس لیے بھی صحابہ کرام نے احادیث کو قلم بند کرنے سے گریز کیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں سینکڑوں برس بعد جب حدیث کی کتابیں عالم وجود میں آئیں تو ان پر کس طرح اعتبار کرلیا جائے۔

یہی اعتراض اس کتاب کی تحریر کا سبب بنا۔ آپنے اس میں انہی باتوں کا جواب بڑے ہی مدلل انداز میں دیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کے ذریعہ حدیث کی کتابت کی تاریخ بیان کی اور بتایا کہ بہت سارے صحابہ کرام ایسے ہیں جو حضورؐ سے سن سن کر احادیث لکھا کرتے تھے اور بعض نے تو احادیث کا مجموعہ بھی تیار کرلیا تھا اور اس کا نام بھی رکھا تھا۔ آپ نے اس کتاب کے ذریعہ کتابت حدیث کے اسی موقف کو ثابت کیا ہے اور حدیث شریف کو سنی سنائی باتوں کا مجموعہ اور غیر مستند ذخیرہ قرار دینے کو ایک تاریخی جھوٹ پر مبنی غیر حقیقی اور غیر علمی بات قرار دیا۔

آپ کتابت حدیث کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں: ''بہر حال یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ

حدیث کا بہت بڑا حصہ سرکار دوعالم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام کے ہاتھوں مرتب ہو چکا تھا اور حدیث کے اس ذخیرہ کو جو حدیث کے براہ راست سننے والے صحابۂ کرام کے ہاتھوں قلم بند ہوا اگر جمع کیا جائے تو اس کی مقدار ان احادیث سے کسی طرح کم نہ ہوگی جو آج مستند اور مطبوع کتابوں میں موجود ہیں جن کو ہم صحاح ستہ کے نام سے جانتے ہیں''۔[۱]

آگے آپ نے ان احادیث کے ذخیرہ کو جو خود رسولؐ کے زمانہ میں یا صحابہ کرام کے عہد میں منظر عام پر آیا اُسے تین حصوں میں تقسیم کیا:

''(۱) احادیث کا وہ ذخیرہ جو خود حضرت رسالت مآب ﷺ کے حکم سے قلم بند کیا گیا۔

(۲) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرامؓ نے قلم بند کیا اور پھر دربار رسالت میں بغرض تصحیح پیش کیا اور آپؐ نے سننے کے بعد اس کی تصدیق کی اور توثیق فرمائی۔

(۳) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرامؓ نے خود زبان مبارک سے سُن کر یا صحابہ سے پوچھ کر رسولؐ کی حیات میں یا آپؐ کے بعد قلم بند کیا۔'' [۲]

پھر آپ نے آگے ان تینوں کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بھی بیان کی۔ آپ نے تابعین اور تبع تابعین کی بھی احادیث کے جمع کرنے اور قلم بند کرنے میں ان کی جانفشانی کا تذکرہ کیا۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت ہی جامع ہے اور اختصار کے باوجود ایک عام آدمی کے لیے ہی نہیں بلکہ ارباب علم کے لیے بھی مفید اور معلومات افزا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی اہمیت کے متعلق شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ''مولانا منت اللہ نے جس عرق ریزی اور جدو جہد سے اس رسالہ میں مضامین عالیہ اور افادات نادرہ کو جمع کیا ہے وہ مستوجب صد شکر و ثنا ہے''

آگے آپ اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت مولف موصوف نے بہت سے صحیح اور ایسے عمدہ مضامین درج فرمائے ہیں جن سے بہت سے علماء زمانہ ناواقف ہیں۔ ان مضامین کاملہ نے ہمارے علوم میں بہت سا اضافہ کیا ہے۔ یہ رسالہ یقیناً اس قابل ہے کہ نہ صرف طلباء دینیات بلکہ علماء

کاملین بھی اس کو سُرمہ چشم بنائیں اور اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات کا استفادہ کریں۔ حضرت مولف سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو تالیف فرما کر اہل علوم دینیہ اور امت مرحومہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔'' [۳]

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ اس کتاب کی اہمیت کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''برادر عزیز حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی نے اس کتاب میں یہ دکھایا ہے کہ صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے بھی ہر قرن اور ہر دور میں توارث اور درایت کی دو مستقل راہوں کے ذریعہ بھی رسولؐ کی حدیثیں اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ مولانا سلمہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں منتشر معلومات کو بڑے سلیقہ کے ساتھ اس رسالہ میں جمع کرکے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ دینی قیود سے نکل بھاگنے کی نئی راہ فتنہ انکار حدیث کے ذریعہ جو اس زمانہ میں کھولی گئی ہے اس پر مولانا نے ایسا آہنی دروازہ چڑھا دیا ہے کہ شاید اس کے کھولنے کی جرأت فتنہ پردازوں میں آئندہ پیدا نہ ہوگی۔'' [۴]

مذہب اخلاق اور قانون:

آپ کا یہ ایک مقالہ ہے جسے آپ نے نئی دہلی میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سمینار کے لیے لکھا تھا جس کا موضوع ''مذہب اخلاق اور قانون'' تھا۔

یہ سمینار اسلام اینڈ دی موڈرن ایج سوسائٹی اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسڈیز کے زیرِ اہتمام ۱۱ر سے ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۳ء میں منعقد ہوا تھا۔

اس مقالہ میں آپ نے مذہب اخلاق اور قانون کے باہمی رشتوں سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ قانون کی بے پناہ وسعت زندگی کے پھیلے ہوئے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے یا نہیں؟ مذہب اور اخلاق کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور قانون کی کیا سرحد ہونی چاہیے؟ نیز اس تفصیل کے ضمن میں مسلم پرسنل لا سے بھی بحث کی گئی ہے اور مسلم پرسنل لاء میں ترمیم وتبدیلی کے مسئلہ پر وضاحت کے ساتھ روشنی

ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کے تحت آپ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مذہب اسلام نے زندگی اور اس سے مربوط مسائل پر تفصیلی ہدایتیں دی ہیں۔ پرسنل لاء کا تعلق بھی زندگی کے اہم حصہ سے ہے اس لیے پرسنل لاء کے متعلق مسائل بھی اسلامی قانون کا ایک اہم حصہ ہیں اور اسلام کے دوسرے قوانین کی طرح اس کی بھی بہت پائدار بنیادیں ہیں جو ایک ''جز'' کی حیثیت سے اسلام کی تعلیمات میں پیوست ہیں اس لیے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے'' [۵]

اس مقالہ کو اگست ۱۹۷۵ء میں دارالاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شائع کیا ہے اور یہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تحریر اصحاب علم و دانش کے لیے بالخصوص سودمند سرمایہ ثابت ہوتی ہے۔

قضاء کی شرعی اور تاریخی اہمیت:

مولانا رحمانی جب امیر شریعت منتخب کیے گئے تو آپ نے امارت شرعیہ کو فروغ دینے اور اسے ہر جہت سے بلند کرنے کی فکر کرنے لگے۔ اس کے تحت آپ نے درالقضاء کی توسیع اور علاقائی دارالقضاء کے قیام کے جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ چوں کہ دارالقضاء کا کام علمی اور عملی دونوں ہے اس لیے دونوں جہتوں سے علماء کے لیے قضاۃ کی تربیت ضروری تھی۔

اسی کے پیش نظر آپ نے خانقاہ رحمانی مونگیر میں دو ہفتے کا تربیت قضاء کے لیے ایک پروگرام منعقد کیا جو ۱۶/اگست ۱۹۵۸ء سے شروع ہوا۔

پہلے ہفتے کا افتتاح آپ نے اپنے قیمتی مقالے سے فرمایا جس میں آپ نے اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرے میں شریعت کی ضرورت اور اس کے اجراء و نفاذ کے لیے دارالقضاء کا قیام اور قاضیوں کی تقرری کی حیثیت پر آپ نے گفتگو کی۔ آپ کے اس مقالہ سے محکمہ قضاء کی تاریخی اور معاشرتی اہمیت بھی پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔

اسی طرح تربیت قضاء کے دوسرے ہفتے میں بھی آپ نے ایک اور مقالہ پڑھا جو قضاء کی تاریخ پر ایک قیمتی دستاویز ہے۔ اہلیت قضا کی شرطوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے دلائل سے واضح کیا ہے کہ قاضی کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کا علم ضروری ہے اور فہم معاملات کی استعداد کے علاوہ عدل و انصاف کی صلاحیت اور ہمت بھی۔

''قضاء کی شرعی اور تاریخی اہمیت'' آپ کے ان ہی دونوں مقالے کا مجموعہ ہے جسے رسالہ کی شکل میں طبع کیا گیا۔ یہ رسالہ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے دارالاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شائع کیا۔

قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل:

قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل یہ آپ کی ایک خاص علمی تحریر ہے۔ جس کا مقصد اسلامی قانون کے مصادر اور شریعت کی بنیادوں کا ایسا تعارف کرانا تھا کہ جس سے ہر ایک مصدر کا صحیح تصور ذہنوں میں قائم ہو سکے اور اصولاً یہ بات بھی واضح کر دینا مقصد تھا کہ جدید مسائل صرف آج کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جدید مسائل سامنے آتے رہے ہیں اور ان کا حل بھی شریعت کی روشنی میں نکالا جاتا رہا ہے۔ اور یہ بات بھی باور کرانا کہ آج بھی اگر ہم نئے مسائل سے دوچار ہیں تو یہ بھی ان ہی مصادر سے حل ہوں گے جو قانون شریعت کے لیے مقرر ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں قانون اسلامی کی بنیادوں کی ایسی وضاحت کر دی ہے کہ ان کی صحیح تصویر سامنے آ جاتی ہے۔

آپ نے ''نئے مسائل کے حل کا طریقہ'' کے ذیل میں لکھا ہے:

''بہر حال اگر چہ قیاس کی حجیت کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن یہی وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ قانون شریعت کا بڑا حصہ ترتیب پایا ہے''

آگے اس سلسلہ کو بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’صبح وشام تغیرات سامنے آتے رہتے ہیں، ہر نیا دور نئے تقاضے لے کر سامنے آتا ہے خصوصاً بیسویں صدی کے نصف اول سے تغیر انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور زندگی کے معاملات اور مسائل ہر تھوڑے عرصہ کے بعد نئی شکلوں اور پیچیدہ صورتوں میں سامنے آرہے ہیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور زندگی کے نئے مسائل میں شرعی احکام بتانے کے لیے قیاس اور اجتہاد کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ ہم قیامت تک پیش آنے والے ہر نئے معاملہ کا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر دروازہ اجتہاد بند کردیا جائے تو قرآن کریم کا آخری اور ابدی قانون ہونا اور جناب محمد رسول ؐ کی رسالت کی ابدیت قائم نہیں رہ سکتی اس لیے فقہ اسلامی کو ایک زندہ اور متحرک قانون باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ قیاس و اجتہاد ہمیشہ جاری رہے اور قرآن وسنت کے خشک نہ ہونے والے چشمہ سے ہر دور و زمانہ کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔‘‘ ۶ے

اس کتاب میں آپ نے ان ہی باتوں کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو دارالاشاعت رحمانی مونگیر نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی زبان عام فہم اور سلیس ہے، علماء وفضلاء اور ماہرین قانون ہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو دین و مذہب سے متعلق تھوڑا بھی علم رکھتا ہے وہ اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

حج مبرور اور زیارت مقبول:

مولانا نے اپنے اس رسالہ میں طریقہ حج اور اس کے متعلق مسائل کو مختصر مگر واضح اور آسان تعبیروں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس رسالہ کو بہار اسٹیٹ حج کمیٹی پٹنہ نے شائع کیا ہے اس کے علاوہ دوسرے اداروں کی طرف سے بھی یہ رسالہ طبع ہوچکا ہے۔

حج کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی اثرات:

آپ نے اس رسالہ میں کعبۃ اللہ کی حیثیت کو بڑے واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے عالی

صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

''یہ کعبۃ اللہ کہنے کو خدا کا گھر ہے، سچ پوچھیے تو انوار الٰہی کا ایک مینار اور خدا کے بندوں کے لیے مضبوط روحانی اور اخلاقی مرکز ہے، جہاں انسانی آبادی کے کونے کونے سے لوگ جمع ہو کر ایمان و یقین، وحدت و اجتماعیت، حسن اخلاق اور روحانیت کا سبق حاصل کرتے ہیں'' ؎

آپ نے کعبۃ اللہ کو جلالت خداوندی کا مظہر، انوار الٰہی کا مرکز، روحانیت کا مینار اور وحدت و اجتماعیت کا عظیم شاہ کار قرار دیا اور اس کی زیارت کو اہل ایمان کے لیے محبت، امن، مساوات، روحانیت اور حسن اخلاق کا درس و پیغام بتایا، نیز آپ نے اس کا بھی احساس دلایا کہ حج ہی محبت، امن، مساوات اور اجتماعیت کا اصل نمونہ ہے جو کہ حج کے علاوہ کہیں اور مشاہدے میں نہیں آتا۔

آپ نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں بڑے جامع اسلوب کے ساتھ ان حقائق کو اس کے اندر ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ حج سیمینار مدراس کی مجلس استقبالیہ نے فروری ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔

یونیفارم سول کوڈ:

ملک میں جب یکساں شہری قانون نافذ کرنے کی باتیں زور و شور سے اُٹھائی جانے لگی تو آپ نے اس کی حقیقت کو واضح کرنے کی خاطر یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ آپ نے اس مختصر رسالہ میں یونیفارم سول کوڈ کیا ہے اس کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کس حد تک متاثر ہوگا؟ اس کے مصادر کیا ہیں۔ اس کے علاوہ خود ملک پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس کے محرکین و موئدین کے دلائل کیا ہیں؟ مسلمان اس کے مخالف کیوں ہیں۔ ان تمام باتوں کے جوابات آپ نے اس رسالہ میں دیے ہیں نیز یکساں سول کوڈ نافذ کیے جانے پر پیدا ہونے والے خطرات سے بھی آپ نے لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ یہ رسالہ ان سب باتوں کی بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

آپ نے یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ دی ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں۔ ان میں یکجہتی کے جذبہ کو فروغ دینے اور اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے شخصی قوانین ایک ہوں ۔ مختلف قسم کے شخصی قوانین باہمی اختلاف کا ذریعہ بنتے ہیں اور قومی یکجہتی کو نقصان پہونچتا ہے ۔ اس پر بحث کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''ملک کے لیے اتحاد اور قومی یکجہتی بڑی اہم ضرورت ہے اور ہندوستان میں آباد مختلف فرقوں کے درمیان دوستی خیر سگالی اور رواداری کے جذبہ کو فروغ دینا بہترین ملکی خدمت ہے ۔ لیکن قومی یکجہتی کو سیاسی استحصال کے لیے استعمال کرنا بدترین قسم کی وطن دشمنی ہے۔ ہر وہ چیز جو ایک مخصوص قسم کے ذہن رکھنے والوں کو اپیل کرے وہ سیکولرزم کا تقاضہ اور قومی یکجہتی کا ذریعہ بن جائے اور جو چیز اس ذہن کے خلاف ہو اُسے تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے خانہ میں رکھ دیا جائے یہ غلط اور ملک کے مستقبل کے لیے مہلک ہے۔'' [۸]

آگے آپ ان کے قومی یکجہتی کے دلائل کی پول کھولتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' قومی یکجہتی اور باہمی رواداری کا ''یکساں سول کوڈ'' سے کتنا اور کس طرح کا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ اس طرح لگانا چاہیے کہ جن مسائل کا تعلق افراد کی شخصی زندگی سے ہے ان کی بنا پر آج تک دو فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی یا دوسرے فرقوں کے درمیان نکاح وطلاق، ہبہ و وراثت وغیرہ جیسے مسائل کو لے کر کبھی اختلاف ہوا ہو اس کی مثال نظر نہیں آتی ، کیوں کہ یہ معاملات دو فرقوں کے درمیان نہیں ہوا کرتے ایک فرقہ کے دو یا چند افراد کے درمیان ہوتے ہیں، اس کے برخلاف دو فرقوں کے درمیان شادی جو یونیفارم سول کوڈ کی ایک دفعہ بن سکتی ہے) سے

بڑے تلخ نتائج سامنے آئے ہیں اور کئی بار شدید ترین فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی ہے۔
اس لیے واقعات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مختلف فرقوں کے علیحدہ شخصی قوانین قومی
یکجہتی اور ملکی اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتے'' ۹

یہ کتاب ان مسائل پر روشنی ڈالنے کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے۔ یہ ہر شخص کے مطالعہ کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے اور مسئلہ سے پوری واقفیت حاصل کرنے کا آسان نسخہ ہے۔ اس رسالہ کے ترجمے ہندی، بنگلہ انگریزی اور گجراتی زبانوں میں شائع ہوکر مقبول عام ہو چکے ہیں۔

نکاح وطلاق:

شریعت اسلامیہ میں نکاح وطلاق کی کیا حقیقت و اہمیت اور ضرورت ہے؟ کن حالات میں نکاح ضروری اور کن کن حالات میں اسلامی تعلیم کے مطابق طلاق دینا جائز ہے اور معاشرہ پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اور اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ آپ نے اس مختصر رسالہ میں جامع انداز سے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

تحفظ دین کا منصوبہ:

اس رسالہ میں آپ نے دین کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ آدمی دیندار کس طرح بنتا ہے، انسانی زندگی میں دین پر عمل کرنے سے کیسے انقلاب آتے ہیں، دین کی حفاظت کس طرح ہوسکتی ہے اور اس کا منصوبہ کیا ہے؟ اس رسالہ میں ان تمام گوشوں پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

نسبت اور ذکر و شغل:

اس کے محرکات کا علم اس رسالہ کے پیش لفظ سے ہو جاتا ہے۔ دراصل مولانا کے ایک مجاز جناب قمر الہدی صاحب کو یہ اشکال پیدا ہوا کہ اصل مقصود حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت پیدا کرنا ہے۔ وہ بندہ بندہ

نہیں جسے اپنے معبود سے ربط و تعلق نہ ہو گویا انسان کی زندگی کا ماحصل اور ایک دیندار انسان کی منزل اور مراد حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل کرنا ہے اس لیے راہ سلوک طے کرنے والے کو اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ ذکر و شغل اور مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ پر اتنی محنت اور وقت صرف کرنے اور اتنی توجہ دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے، بس اصل کوشش و توجہ حصول نسبت کے لیے ہونی چاہیے۔ پھر کیوں بزرگان طریقت نسبت الی اللہ کے حصول پر اپنی کوشش صرف کرنے کے بجائے ذکر و شغل پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

یہی اشکال تھا جس کا اظہار آپ نے (جناب قمر الہدیٰ صاحب) مولانا منت اللہ رحمانی کے پاس کیا۔ یہ تحریر اس اشکال کے جواب میں آپ نے قلم بند کی۔ قمر الہدیٰ صاحب نے ایک خط کے ذریعہ ان خیالات کا اظہار کیا، آپ نے انہیں تفصیل سے جواب دیا۔ بالآخر یہی اشکال و جواب اس رسالہ کے وجود کا سبب بنا۔

مولانا رحمانی نے علم و تحقیق کی روشنی میں اور بڑی آسان زبان میں آپ کو جواب دیا اور بتایا کہ بلا شبہ راہ سلوک کا خلاصہ "نسبت الی اللہ" کا حصول ہے لیکن یہ نسبت کئی طریقوں سے حاصل ہوا کرتی ہے ان میں سب سے زیادہ مفید، آسان اور مجرب طریقہ "ذکر و شغل" ہی ہے۔

آگے اسی کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "اس کے ذریعہ اب تک خدا کے بے شمار نیک بندوں نے "نسبت" حاصل کی ہے، اس ذکر کی تلقین خود قرآن مجید میں بھی ہے۔ حدیث شریف میں ترغیب کے ساتھ اجر بھی بیان کیا گیا ہے اور صوفیائے کرام نے اس کی تفصیل دی ہے اور بے شمار انسانوں پر اس کا کامیاب تجربہ بھی کیا ہے۔ صوفیاء کرام کے بتائے اور آزمائے ہوئے طریقہ سے ہٹ کر ایک عام انسان شاید ہی "نسبت الی اللہ" حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے طالبین راہ سلوک کو اپنے نیک مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے پوری توجہ اور انہاک

کے ساتھ ''ذکر وشغل'' میں لگنا چاہیے'' ۱۰؎

یہ قیمتی مکتوب افادہ عام کی خاطر ایک مختصر رسالہ کی شکل میں طبع ہوا تا کہ طالبین راہ سلوک عموماً اور منتسبین خانقاہ خصوصاً اس سے فائدہ اُٹھائیں ۔ دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر نے ۱۹۷۱ء میں طبع کرا کر اسے شائع کیا۔

مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی استاذ دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد اس رسالہ کے سلسلہ میں ''امیر شریعت رابع'' میں لکھتے ہیں کہ یہ کتابچہ جب حضرت مونا محمد منظور نعمانیؒ کو پہونچا تو آپ نے پڑھ کر مولانا رحمانی کو اپنے تاثرات لکھے اور یہ بھی لکھا:

''آپ نے اس میں وہ بات لکھی ہے جس کو لکھنے کے لیے میں برسوں سے سوچ رہا ہوں لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی''۔

فتنہ قادیانیت اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری:

دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام ۲۹/۳۰/۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد کی گئی جس میں برصغیر ہندو پاک کے جید اور ممتاز علماء کو شرکت کے لیے مدعو کیا گیا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اجلاس میں شرکت کے لیے آپ (مولانا منت اللہ رحمانی) کو بھی مدعو کیا اور یہ فرمائش کی کہ ایک ایسے مقالے کے ساتھ شریک ہوں جس میں تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت سے متعلق قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی خدمات اور کاوشوں کا تذکرہ خاص طور پر ہو جو انھوں نے اس سلسلہ میں انجام دی ہیں۔

دعوت نامہ موصول ہونے پر آپ نے اس اہم اور تاریخی اجلاس کے لیے مقالہ تحریر فرمایا، مگر علالت کی وجہ سے آپ کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ بالآخر مولانا محمد نعیم صاحب استاذ جامعہ رحمانی کو اس گراں قدر مقالہ کے ساتھ دیوبند روانہ کیا اور آپ ہی نے اس مقالہ کو مولانا منت اللہ رحمانی کی جانب

سے کانفرنس میں پڑھ کر سنایا۔ حاضرین و شرکاء اجلاس نے اس مقالہ کو پسند کیا اور اسے عمدہ و تاریخی مقالہ قرار دیا۔

اس مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند اور دارالاشاعت جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر دونوں نے اسے شائع کیا۔ یہی مقالہ ''فتنہ قادیانیت اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ جنوری ۱۹۸۷ء میں کتابی شکل میں چھوٹے سائز کے ۳۶ صفحات پر شائع کیا گیا۔

متبنّٰی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ:

متبنّٰی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ نامی یہ رسالہ آپ نے اس وقت تحریر کی جب ۱۹۷۲ء میں پارلیامنٹ میں اس بل (متبنّٰی بل) کو پیش کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے نادار اور غریب بچوں کے مسئلہ کو حل کیا جائے گا۔ حکومت کے اس بل سے زمانہ جاہلیت کے اس غلط رسم و رواج کی پھر سے داغ و بیل رکھی جارہی تھی جس کا خاتمہ اسلام نے کردیا تھا۔ اسلام سے قبل عرب کے دستور کے مطابق لے پالک اور منہ بولے بیٹے کو حقیقی اور صلبی اولاد کا درجہ دیا جاتا تھا لیکن اسلام نے ایسے مصنوعی رشتوں کو ناقابل قبول قرار دیا اور اس وہمی نسب کا خاتمہ کردیا۔ اس بل کا عملی نتیجہ یہ ہوتا کہ متبنّٰی منہ بولے بیٹے اور غیر حقیقی اولاد بھی صلبی اور حقیقی اولاد کا درجہ لے لیتی اور انہیں جملہ امور میں وہی حقوق ملتے جو حقیقی اولاد کو ملا کرتے ہیں۔

چوں کہ اس بل کا اسلامی شریعت کے ساتھ ٹکراؤ ہو رہا تھا اس لیے مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سے مستثنٰی قرار دیے جانے کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے یہ بل پارلیامنٹ میں منظور نہ ہوا۔ اس کے پس منظر میں مسلمانوں کی رائے عامہ جاننے کے غرض سے پارلیامنٹری جوائنٹ کمیٹی بنائی گئی جس نے ہندوستان کے مختلف اہم شہروں میں پہونچ کر اہل علم اور اصحاب فکر و دانش کا بیان محفوظ کیا۔

چنانچہ اس موقعہ پر بہار و بنگال کے علماء کرام اور دانشوروں کو بھی اظہار رائے کے لیے کلکتہ مدعو کیا

گیا۔ ۱۷؍جنوری تا ۲۱؍جنوری ۱۹۷۲ء کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس مجلس میں مولانا منت اللہ صاحبؒ کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ آپ نے ایک تحریری بیان مرتب کیا۔ جس میں آپ نے اس کی شرعی حیثیت کی کھل کر وضاحت فرمائی اور اس بل کو اسلامی اصول وضوابط کے خلاف قرار دیا اور صاف طور پر بتادیا کہ اس کے ذریعہ نادار وغریب بچوں کے مسئلہ کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۱

آپ اس مسئلہ کے ایک اہم پہلو کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس موقعہ پر یہ بھی غور کرلینا مناسب ہوگا کہ گود لینے والے کس جذبہ کے تحت بچوں کو گود لیتے ہیں ایسے افراد مشکل سے نظر آئیں گے جنہوں نے کسی کی غربت پر ترس کھا کر بے گھر کو گھر بنانے کے لیے معاشرت سے ٹھکرائے ہوئے بچوں کو سینے سے لگانے کے لیے گود لیا ہو۔ جو افراد گود لیا کرتے ہیں ان کی بہت بڑی اکثریت صرف اولاد کی کمی کو دور کرنے اور بچوں سے محرومی کی کسک کو مٹانے کے لیے گود لیا کرتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عام طور پر نادار، بے گھر، مفلس اور قابل رحم بچے گود نہیں لیے جاتے، خاندان ہی کے کسی بچے کو گود لیا جاتا ہے اور اکثر خاندانی رشتہ کو نیا رنگ دے کر ایک فطری جذبہ کی تکمیل کی کوشش کی جاتی ہے۔ غیر ملکی حضرات کے سامنے کچھ اور مقاصد بھی ہوا کرتے ہیں مگر عام طور پر ناداری اور افلاس کسی کو گود لینے کا سبب نہیں بنا کرتے۔ اس لیے یہ بل قانون کی شکل میں آجانے کے بعد قابل رحم بچوں کے درد کا مداوا نہیں بن سکتا'' ۱۲

یہ آپ کا وہی تحریری بیان ہے جو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جسے لوگوں کے استفادہ کے خاطر رسالہ کی شکل میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء اور پھر ۱۹۸۳ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے طبع کرا کر شائع کیا۔ اس رسالہ کی وجہ سے لوگوں نے متبنّیٰ بل کی حقیقت کو سمجھا اور اس کے مفاسد اور غیر اسلامی انداز نظر کو محسوس کیا۔ یہ رسالہ اختصار کے باوجود جامع اور موضوع پر حاوی ہے۔ اردو کے علاوہ انگیریزی

میں بھی اس کے کئی ایڈیشن آچکے ہیں۔

سفر مصر وحجاز:

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ نے ۱۹۶۴ء میں مؤتمر اسلامی منعقد کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ دور جو علم وتحقیق اور سائنس کی ترقی کا دور ہے جس میں آئے دن ایسے مسائل سامنے آرہے ہیں جن کے لیے واضح طور پر شریعت اسلامیہ میں ہدایتیں موجود نہیں ہیں۔ سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں ایسے ہی مسائل پر غور وفکر اور شرعی احکام کی وضاحت کی خاطر اس کا انعقاد کیا گیا تھا تاکہ ساری دنیا کے علماء وفضلاء حضرات ایسے مسائل میں نصوص شرعیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصول شرع کے مطابق ایسے فیصلے کریں جو روح شریعت سے ہم آہنگ اور ہر طرح سے دائرہ شریعت کے اندر ہوں۔

چنانچہ اس کے پیش نظر دنیا بھر سے جید علماء مدعو کیے گئے جن کی تعداد کے متعلق خطبات امیر شریعت میں زین العابدین صاحب لکھتے ہیں کہ اس مؤتمر میں شریک ہونے والے عالم اسلام اور دنیا کے مختلف ممالک کے نمائندوں کی تعداد ایک سو پندرہ تھی۔[۱۳] جن میں ایک نام مولانا منت اللہ رحمانی کا بھی تھا۔ آپ نے اس تاریخی مؤتمر میں حصہ لیا اور اپنا ایک قیمتی مقالہ بھی پیش کیا۔ جو خطبات امیر شریعت میں موجود ہے۔

آپ نے مؤتمر کے اجلاس میں شرکت کے بعد بھی یہاں مزید تین ہفتے قیام فرمایا اور مصر کے اہم تاریخی اور قابل ذکر مقامات کو دیکھا۔ اس کے علاوہ مصر کے تعلیمی نظام کا بھی جائزہ لیا۔ مصر کے سفر کے بعد حجاز کی مقدس سرزمین پر بھی حاضری کی سعادت حاصل کی۔

آپ نے اس سفر میں جو کچھ دیکھا، مؤتمر میں جو کچھ ہوا اور جو حالات مشاہدہ میں آئے یہ کتاب اسی تاریخی سفر کے حالات وواقعات اور مشاہدات کی ترجمان ہے۔

مولانا رحمانی کے اس سفرنامہ پر تبصرہ جناب شمس الرحمٰن فاروقی مشہور (نقاد وادیب) ایڈیٹر ماہنامہ

شب خون الہ آباد نے کیا ہے۔ آپ نے اس سفر کے حوالہ سے چند امور پر روشنی ڈالی ہے جسے آپ نے ''نقوش امیر شریعت'' کے اندر ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''مولانا منت اللہ نے اس سفرنامے میں مصر کی تعلیم اور طرز تعلیم پر مفصل گفتگو کی ہے اس سلسلہ میں انھوں نے جزئیات کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔ مثلاً الازہر کے طالب علموں کے لیے جو ہاسٹل انھوں نے دیکھا ان میں غسل خانے اور بیت الخلاء کس طرح کے تھے اس کا بھی انھوں نے ذکر کیا ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ اس میں استدبار قبلہ کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ چوں کہ فقہ شافعی میں استقبال و استدبار قبلہ کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا نے داڑھی کے متعلق مصری علماء کا اجتہاد پیش کیا ہے۔ ہم لوگوں کے عقیدے میں تو حلق لحیہ حرام ہے لیکن مصری کہتے ہیں کہ پیغمبر کے وہ افعال جو انھوں نے عرب رسم و رواج کے مطابق فرمائے ہیں ہمارے لیے حجت و سنت نہیں ہیں یعنی داڑھی رکھنا، لمبا کرتا پہننا، بکری کا اگلا دست اور کدو کی ترکاری پسند کرنا وغیرہ یہ سب عربی رسم و رواج ہیں اور ان کی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی نے جواب دیا کہ نبیؐ تو ہر وقت نبی ہوتا ہے اور پھر داڑھی کے لیے تو رسولؐ نے خاص طور پر ہدایت کی ہے۔ بحث کے باوجود نہ مصری قائل ہوئے اور نہ حضرت مولانا'' [۱۴]

یہ کتاب زبان و بیان اور دونوں جگہوں کے حالات وواقعات کا عمدہ مرقع ہے۔ اس کتاب کی اشاعت دوبار ہو چکی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء اور دوبارہ ۱۹۶۹ء میں۔ ۱۹۲ رصفحات پر مشتمل دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر نے اسے شائع کیا۔

مکاتب گیلانی:

مکاتب گیلانی مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے گرانقدر علمی ادبی مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ مولانا گیلانیؒ

کا علمی تبحر وجدید دونوں حلقہ ہائے علم وفکر کے درمیان مسلم رہا ہے۔آپ علم وفضل میں ممتاز اور بے پناہ صلاحیتوں کے پیکر تھے۔آپ نے اپنی ضخیم تصنیفات،مقالات اور مضامین کے علاوہ اپنے علم کا اچھا خاصہ حصہ اپنے خطوط کے ذریعہ بھی لوگوں تک منتقل کیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ مولانا منت اللہ رحمانی کو آپ کے وصال کے بعد خیال آیا کہ ان خطوط کو بھی جمع کیا جائے جو آپ نے مختلف حضرات کو لکھے تھے کیوں کہ آپ کے یہ خطوط بھی بیش بہا علمی تحفہ اور معلومات کا گرانقدر خزانہ تھا۔

اسی کے پیش نظر آپ نے ان خطوط کے جمع وترتیب کا کام کیا۔آپ نے نہ صرف یہ کہ ان خطوط کو مرتب کردیا ہے بلکہ ان خطوط میں جن شخصیتوں،اداروں،تنظیموں اور مقامات کے نام آئے ہیں خواہ وہ معروف ہوں یا غیر معروف سبھوں کا تعارف بھی کیا ہے اور حاشیہ میں سلیقہ کے ساتھ بہتر انداز میں ان کے تذکرے بھی کیے ہیں تاکہ لوگ ان سے بھی واقف ہوجائیں اور مولانا گیلانی کے ساتھ ضمن میں ان حضرات کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوجائے جن کے حالات گوشۂ گمنامی کی وجہ سے منظر عام پر نہ آسکے۔کیوں کہ مولانا گیلانی کے یہ خطوط نہ صرف یہ کہ مشاہیر کے نام تھے یا جن مقامات کا تذکرہ ان خطوط میں کیے تھے وہ سب کے سب معروف تھے بلکہ ان میں کثرت سے ایسے نام بھی تھے جن کی شخصیت اہمیت کی حامل تو تھی مگر ان کا تعارف اور ان کے متعلق معلومات موجود نہ تھیں۔

آپ نے اس کتاب میں سب سے پہلے ان حضرات کا تعارف کرایا ہے جن کے نام سے خطوط شائع کیے گئے ہیں اور پھر ان خطوط میں جن شخصیتوں،کتابوں اور مقامات کے نام آئے ہیں ان پر بھی آپ نے مختصر نوٹ لکھا ہے۔

کسی محقق کے لیے ایسے افراد ومقامات پر نوٹ لکھنا کہ جن کے متعلق معلومات موجود نہ ہوں آسان کام نہیں اور یہ کتنا مشکل کام تھا اور آپ کو ان حالات میں کن کن مراحل اور کن کن دشواریوں سے گزرنا پڑا اور کس حد تک پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے متعلق آپ خود لکھتے ہیں:

''کسی شخص، کتاب یا مقام پر دو چار سطریں لکھ دینا بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن تجربہ نے بتادیا کہ اس طرح کے نوٹ لکھنا بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ اگر مکاتیب صرف مشاہیر کے نام ہوتے، یا معروف مقامات کا تذکرہ ہوتا تو کام اتنا مشکل نہ تھا۔ لیکن کثرت سے ایسے نام ہیں جن کی شخصیت اپنی جگہ پر اہم سہی لیکن لوگوں میں ان کا تعارف بہت کم ہے۔ ایسے حضرات کے حالات معلوم کرنا ہمارے خیال میں بہت ہی پیچیدہ اور مشکل کام ہے۔ بعض حضرات کے حالات دریافت کرنے کے لیے دس پندرہ اور بیس بیس خطوط لکھنے پڑے، بعض موقع پر دریافت حال کے لیے کسی کو بھیجنا پڑا یا خود جانا پڑا بعض لوگوں کے متعلق دو تین سال کے بعد معلومات فراہم ہوسکیں، اس طرح مکاتیب کی ترتیب وتسوید کا کام جو ۱۹۵۷ء سے شروع ہوا تھا ۱۹۶۱ء میں بڑی حد تک پورا ہوسکا۔'' ۱۵

لیکن آپ نے جس محنت، لگن اور صبر کے ساتھ یہ کام انجام دیا وہ بذات خود ایک کارنامہ ہے۔ جو آپ کے علم وتحقیق، تلاش وجستجو کے مزاج کی شہادت دیتا ہے۔ آپ نے اس کی ترتیب میں ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ مولانا مناظر احسن کے ان منتشر جواہر پاروں تک آسانی کے ساتھ رسائی کے واسطے کتاب کے شروع میں ہی ہر مکتوب کی تفصیلی فہرست دے دی ہے۔

بے شک آپ کے طریقۂ تحقیق وتدوین نے اس کتاب کو انفرادیت بخشی ہے اور اس کے مختلف خطوط کے تعلق سے جو حواشی آپ نے لکھے ہیں ان سے آپ کی محنت، مستند معلومات اور عالمانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

''مکاتیب گیلانی'' کے اندر آپ نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے کُل ۸۷ خطوط کو شامل کیا ہے جن میں ایک بڑا حصہ ان خطوط کا ہے جو آپ نے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کے نام لکھے ہیں۔ ''مکاتیب گیلانی'' چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو

دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر نے ۱۹۷۲ء میں شائع کیا ہے۔

مسلم پرسنل لاء:

مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر آپ کا یہ ایک خاص مقالہ ہے جسے آپ نے ۱۴/۱۵/ستمبر ۱۹۶۹ء کو اسلامک اسٹڈیز سرکل علی گڑھ کی جانب سے منعقد ہونے والے مسلم پرسنل لاء سمینار میں پڑھا تھا۔ اس مقالہ کو اہل علم و دانشوران ملت نے پسند کیا اور بعد میں اسی مقالہ کو اسی نام سے رسالہ کی شکل دے کر شائع کیا گیا۔ اس کو مختلف اردو اور عربی کے اخبارات و رسائل نے بھی شائع کیا۔ یہ رسالہ مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر اہم اور ضروری معلومات فراہم کرنے والا ہے۔ آپ نے کئی اہم عنوانات کو اس کے اندر شامل کیا ہے جیسے مسلم پرسنل لاء کی مراد، مسلم پرسنل لاء انگریزوں کے عہد میں، مسلم پرسنل لاء موجودہ دستور میں، تبدیلی کا مطالبہ کیوں؟ اور قرآن مجید کی رہنمائی وغیرہ۔ جن سے اس رسالہ کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

مسلم پرسنل لاء کو سمجھنے اور جاننے کے لیے یہ رسالہ بڑا اہم اور کارآمد ہے۔ مسلم پرسنل لاء قانون شریعت کا اہم حصہ ہے۔ قانون شریعت کا تحفظ اور مسلم معاشرہ میں اس کا نفاذ اسلام کا مطالبہ ہے ان سب باتوں پر آپ نے مفید بحث کی ہے جس سے ان تمام امور پر رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ آخری ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں طبع ہو کر پورے ملک میں پہونچا، یہ ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مسلم پرسنل لاء بحث ونظر کے چند گوشے:

اس رسالہ میں آپ نے مسلم پرسنل لاء کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کے چند گوشوں کی جانب بھی اشارے فرمائے ہیں اور غور وفکر کے لیے ان کی نشان دہی بھی کی ہے۔ جس سے پرسنل لاء کی اہمیت اور ایک مسلمان کے لیے اس کی ضرورت سامنے آتی ہے کہ مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کے لیے کیوں

ضروری ہے اور اس کے نہ ہونے سے اسلامی معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے اور اسلامی معاشرہ کس طرح غیر اسلامی بن جاتا ہے؟ اس رسالہ میں ان تمام گوشوں کو آپ نے واضح کیا ہے اور ساتھ ہی آپ نے لوگوں کے اس سوچ وخیال کا بھی جواب دیا ہے کہ مسلم پرسنل لاء پر عمل کرنے سے معاشرتی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں اور مسلم معاشرہ ان قوانین کی وجہ سے کراہ اُٹھتا ہے، خاص طور سے طلاق اور تعدد ازدواج یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کی زندگی ہر وقت خطرات میں گھری رہتی ہیں اور طلاق کی ننگی تلوار عورت کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔

آپ نے اس کا جواب بڑے ہی واضح انداز میں دیا ہے، لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ مسلم پرسنل لاء کی رو سے مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور اسے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی ہے لیکن یہ قانون کی خامی نہیں ہے نہ کوئی ایسا جرم ہے جس کے تذکرے سے فضا گونج جائے، شریعت نے شوہر اور بیوی میں علیحدگی کی مختلف شکلیں بتائی ہیں مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے خلع اور فسخ نکاح کی راہ بتائی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مرد اپنے اس حق کا براہ راست استعمال کرسکتا ہے اور عورتیں اپنا حق بالواسطہ استعمال کرتی ہیں۔''[۱۶]

آگے آپ مرد اور عورت کے حقوق میں اس فرق کے متعلق بھی لکھتے ہیں:

''اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی ذمہ داریوں کی نوعیت جُدا جُدا ہے۔ نکاح کے بعد مرد پر جتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، عورتوں پر اتنی ذمہ داریاں نہیں رکھی گئی ہیں۔ مرد پر بیوی اور بچوں کے اخراجات کے علاوہ مہر کی شکل میں ایک رقم بھی واجب ہوتی ہے۔ علیحدگی کا فیصلہ اگر بلا واسطہ عورتوں کے بھی حوالہ کیا جاتا تو عورتیں اپنے اس حق کو استعمال کرتیں جس سے نتیجہ میں عورتوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مگر مہر کی رقم کی فوری ادائیگی اور بچوں کی کفالت اور تربیت کا نظم مرد کو کرنا پڑتا اور مرد بلاوجہ دشواریوں

میں مبتلا ہوتا، اس لیے شریعت نے علیحدگی کا براہ راست اختیار مرد کو دیا تاکہ اپنے حق کو
استعمال کرتے وقت وہ ان اخراجات اور دشواریوں کی فہرست کو بھی سامنے رکھے اور
کمزور اسباب کی بنیاد پر یا بلاسبب بیوی کو علیحدہ نہ کرے'' ۱۷؎

آپ نے ساتھ میں یہ بات بھی واضح کردی کہ اگرچہ شریعت میں طلاق دینے کی اجازت ہے مگر اُسے ''ابغض المباحات'' قرار دیا گیا ہے اور یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ جب نباہ کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو سوچ سمجھ کر طلاق دی جائے اور ایک ہی مرتبہ تین طلاق نہ دی جائے۔ اسی طرح آپ نے تعدد ازدواج کے متعلق بھی یہ خیال کہ شریعت نے عورتوں کے احساسات کی رعایت نہیں کی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شریعت نے عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ ہی تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔

اس رسالہ میں ایسے ہی بہت سارے گوشوں پر آپ نے بحث کی ہے اور شریعت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ اس رسالہ کا ہندی، گجراتی، بنگلہ اور انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اور متعدد بار اردو زبان میں اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ اس کے علاوہ اس کو ظفر عبدالرؤف صاحب نے ''مسلم پرسنل لاء زندگی کی شاہراہ'' میں بھی مرتب کیا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی:

یہ رسالہ آپ نے حکومت کے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی مخالفت میں تحریر کی۔ ۱۹۷۴ء میں ایمرجنسی کی وجہ سے پورے ملک پر خوف ودہشت کا عالم تھا۔ حکومت کی پوری توجہ جبری نس بندی کی جانب مرکوز تھی جس سے ملک کا ہر طبقہ متاثر تھا۔ زبان وقلم کے ذریعہ اس کی مخالفت کرنا وقت کا ایک بڑا جہاد تھا۔ جب کہ وقت کی شدید ضرورت تھی کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کی جاتی اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کی جاتی لیکن خوف ودہشت کا عالم طاری ہونے کی بنا پر کوئی ایسی تحریر یا رہنمائی سامنے نہ آسکی جس میں مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہو۔

اس نازک گھڑی اور پُر خطر حالات میں آپ نے افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر پر عمل پیرا ہوئے اور ہر قسم کے پیش آنے والے ممکنہ خطرات سے بے پرواہ ہوکر جرأت وہمت اور حق گوئی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے یہ رسالہ تحریر فرمایا اور اس فرض کفایہ کی ادئیگی سے سبکدوش ہوئے جو ساری امت بالخصوص ہندوستان کے علماء کرام پر اعلائے کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں عائد ہوتا تھا۔ مولانا منت اللہ رحمانی کی بابت حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب کی ستائش و پذیرائی کا مولانا محمد نعیم صاحب استاد جامعہ رحمانی نقوش و تاثرات کے اندر ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں: ''حضرت امیر شریعت نے طبقہ علماء کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے'' مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس رسالہ کی بابت تحریر کرتے ہیں: ''یہ تحریر ایک ذمہ دار اور صاحب بصیرت عالم دین کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کے دینی حیثیت کا اظہار ہے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی پالیسی بھی اور باشعور طبقہ کے لیے لائحہ عمل بھی ساتھ ہی علماء کرام پر تشریح دین اور اعلائے کلمۃ الحق کا جو فرض عائد ہے اس کی ادائیگی بھی۔'' ۱۸

ان حضرات کی رائے سے اس رسالہ کی اہمیت وضرورت واضح ہوجاتی ہے۔ آپ نے اس کے اندر خاندانی منصوبہ بندی کے ان تینوں نُقاط نظر پر بحث کی ہے جو عام طور پر اس کی حمایت میں ظاہر کیے جارہے ہیں۔ (۱) معاشی عدم توازن (۲) اعلیٰ معیار زندگی کو خطرہ (۳) عورتوں کی صحت وتندرستی کو خطرہ۔

پہلا مسئلہ معاشی عدم توازن:

اس سلسلہ میں آپ تحریر کرتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا کہ معاشی عدمِ توازن Economic Imbalance کے اس موہوم خطرہ کو سامنے رکھ کر انسانی فطرت اور سماجی تشکیل Social set up کے تمام فطری تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیا جائے گا اور انسانیت کو برباد کردینے والے ان نتائج وعواقب کو کس طرح عقل انسانی برداشت کرسکے گی۔ یہ فطرت اور اس کے

تقاضوں سے کھلا ہوا انحراف ہے اور انسان کے حق میں ایسا زہر ہے جسے فطرتِ سلیم کبھی گوارا نہیں کر سکتی''

آگے آپ اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''اس پورے نظریہ کی بنیاد دو مقدمات پر ہے۔ پہلا تو یہ کہ انسانی آبادی میں غیر محدود اضافہ ہو رہا ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ معاشی وسائل محدود ہیں۔ جب اسے تسلیم کر لیا جائے گا کہ معاشی وسائل محدود ہیں اور اضافہ غیر محدود تو ظاہر ہے کہ صارفین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کفالت محدود معاشی وسائل نہیں کر سکیں گے لیکن اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ سرے سے یہ خیال ہی درست نہیں کہ وسائل معاش محدود Limited ہیں۔ کائناتِ انسانی کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اول سے ہی انسان آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ عقل انسانی معیشت کے لیے نئے وسائل کا انکشاف بھی کرتی رہی ہے۔ اس کائنات میں لاکھوں مخفی خزانے تھے جنھیں عقل انسانی نے پچھلی صدیوں میں منکشف کر دیا ہے اور آج سے چند صدی پہلے جن چیزوں کا وہم و گمان بھی نہیں تھا آج کا انسان ان سے روز مرہ کی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہوا نظر آتا ہے اس لیے سرے سے یہ تصور ہی صحیح نہیں کہ وسائل معاش محدود ہیں دراصل اس طرح کی بات کہنا انسان کی نااہلی کا اعتراف ہے اور انسان کے عقل کی فاتحانہ صلاحیتوں اور انسان کی جہد و عمل کی قوتوں پر داغ لگانے کے برابر ہے۔'' ۱۹

اس طرح آپ نے معیار زندگی کو لاحق خطرہ کے متعلق لکھا ہے:

''اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ غور کرنے کی ہے کہ ''معیار زندگی'' خود کوئی واضح اور متعین معیار رکھتا ہے یا نہیں کیا اس کے لیے کوئی ایسا پیمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے جو ہر زمانہ میں ہر سوسائٹی اور ہر ملک میں یا کم سے کم ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں اور طبقات

میں برابری کے ساتھ موجود ہو؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ معیار زندگی ایک اضافی Relative حقیقت ہے۔ ہر دور میں اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں، ہر سوسائٹی اپنے لیے نئے معیار وضع کرتی ہے۔ ہر شخص خوب سے خوب تر تلاش میں مشغول ہے، ہر خاندان اپنے موجودہ معیار زندگی کو کمتر اور پست محسوس کر کے بہتر اور بلند تر معیار کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتیں تو متعین ہیں لیکن اپنی زندگی کے لیے خود اپنے بنائے ہوئے پیمانوں، اپنی آرزوؤں کی تکمیل اور اپنے حسین خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے لیے بے چین انسان اپنی تمناؤں کا ایسا شیش محل تیار کرتا ہے جہاں اُسے عیش ونشاط کی چیزیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔'' [۲۰]

چنانچہ آپ اس کی اصلیت کو بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معیار زندگی کو قبلہ مقصود بنا کر انسانی نسل کشی کو جائز قرار دینا ایک تاریخی جرم ہے جسے کسی طرح انسانیت کے لیے فال نیک نہیں کہا جاسکتا۔

تیسرا مسئلہ عورتوں کی صحت وتندرستی کو خطرہ: اس کے متعلق آپ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بلاشبہ یہ بات اہم اور قابل توجہ ہے کہ کسی عورت کی صحت اگر تجربہ کار طبیبوں کی نگاہ میں اس لائق نہیں ہے کہ وہ حمل اور ولادت کے دشوار گزار مرحلوں سے گذر سکے اور اس کی جان کو خطرہ یا کسی بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس عورت کو ایسے جائز طریقوں کے استعمال کی رائے دی جاسکتی ہے جو اس کی صحت جسمانی اور جان بچانے کے لیے ضروری اور مناسب ہوں لیکن ظاہر ہے کہ یہ انفرادی معاملہ ہمہ گیر قومی منصوبہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عورتیں اپنی صحت جسمانی، قوت برداشت اور جسمانی صلاحیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ممکن ہے ایک عورت ایک بچہ کی

بھی ولادت برداشت نہ کر سکے اور یہ تو آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بعض عورتیں متعدد
اولاد کی پیدائش کے بعد بھی تندرست وتوانا باقی رہتی ہیں۔ ایسی حالت میں اس شخصی
ضرورت کو عمومی شکل دینا کس طرح قرین عقل ہوسکتا ہے؟'' [۲۱]

آپ آخر میں یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ سب باتیں خاندانی منصوبہ بندی کے غیر فطری عمل کو سند جواز کے خاطر تنکوں سے سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ [۲۲]

یہ رسالہ بڑی تعداد میں بار بار شائع ہوتا رہا ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ ارکان پارلیامنٹ کو بھی اس کے ہندی اور انگریزی تراجم بھیجے گئے۔ یہ رسالہ بڑا جامع، مفید، اسلام کے صحیح موقف کی وضاحت کرنے والا اور آپ کی ہمت وحوصلہ اور جوانمردی کا بے مثال نمونہ ہے۔

نقوش تاباں:

یہ مولانا منت اللہ رحمانی کے تحریری خطبات کا مجموعہ ہے جسے آپ نے مختلف اجلاس، کنونشن اور کانفرنسوں میں تحریر شکل میں پیش کیا۔ ان تحریری خطبات کی حیثیت علمی، ادبی اور تاریخی دستاویز کی ہے۔ اس مجموعہ کو جامعہ رحمانی کے ایک معروف باصلاحیت اور مولانا رحمانیؒ کے صاحب زادہ گرامی مولانا ولی رحمانی صاحب کے خادم خاص جناب حافظ محمد امتیاز رحمانی نے مرتب کیا ہے۔

مرتب حافظ محمد امتیاز رحمانی آپ کے اس تحریری خطبات کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''یہ خطبات علمی، ادبی اور اصلاحی ہیں، اور بڑے قیمتی ہیں ان سے حضرتؒ کے علم وتحقیق
کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کا انداز فکر وعمل واضح ہوکر سامنے آتا ہے۔'' [۲۳]

نقوش تاباں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ رقم کرتے ہیں:

''یہ سب خطبات قیمتی ہیں ان کی علمی و ادبی اور تاریخی حیثیت ہے اور حضرت امیر

شریعتؒ کے قلم اور ان کے دل دردمند اور فکر ارجمند کی عکاسی کرتے ہیں۔''[۲۴]

مرتب نے اس کتاب میں آپ کے کُل سولہ خطبات کو شامل کیا ہے۔ ان کی فہرست کو ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

(۱) فلسطین...... چند تاریخی حقائق اور ہدایت الٰہی

(۲) خطرات دستک دے رہے ہیں

(۳) مسلم پرسنل لاء......کو سمجھئے اور اس پر عمل کیجیے

(۴) بنیادی دینی تعلیم کا نظم...... ہر کلمہ گو کی اہم ترین ذمہ داری

(۵) عربی زبان وادب...... تحقیق اور ترویج کے مرحلہ میں

(۶) علماء کرام......مقام ومنصب اور ذمہ داریاں

(۷) امارت شرعیہ......خدمت کی جہتیں

(۸) نئی نسل ذمہ داریوں کو قبول کرے

(۹) زندگی کی بنیادی ضرورت...... جہد مسلسل اور تقویٰ

(۱۰) اسلامی حکم کے مطابق فیصلہ...... ہر صاحب ایمان کی اہم ذمہ داری

(۱۱) دارالقضاء کا قیام شرعی ذمہ داری......علماء اسلام کے ہر دور کا فیصلہ

(۱۲) رفاہی خدمت...... بڑی عبادت

(۱۳) قضاء کا محکمہ......مسلمانوں کی زندگی کا لازمی حصہ

(۱۴) مختصر تر سند حدیث

(۱۵) شرمناک لشکر کشی......ایمانی، علمی، تہذیبی اور لسانی رشتوں کے باوجود

(۱۶) حرمین شریفین کا احترام ضروری

یہ کتاب ۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ فروری ۲۰۰۳ء میں جسے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے

سترہویں سالانہ اجلاس کے موقع پر شائع کیا گیا۔

خطبات امیر شریعت:

یہ کتاب مولانا منت اللہ رحمانی کے بیانات اور تقریروں کا مجموعہ ہے ۔جسے زین العابدین صاحب اسسٹنٹ کمشنر نارتھ بہار نے مرتب کیا ہے ۔زین العابدین صاحب نے ان تقریروں کو اخبارات کی قدیم فائلوں سے نقل کر کے بہت ہی احتیاط ذوق اور محنت ولگن کے ساتھ ترتیب دیا ہے ۔ یہ کام کتنا دشوار تھا اور کس احتیاط کے ساتھ آپ نے اس کو مرتب کیا ہے خود آپ لکھتے ہیں:

''تقریر کی خصوصیتوں نے مجھے آمادہ کیا کہ حضرت امیر شریعتؒ کی تقریروں کو مرتب کروں ، یہ جذبہ عرصہ تک سینہ میں محفوظ رہا۔ بظاہر یہ کام آسان تھا لیکن جب میں نے تقریروں کو جمع کیا تو محسوس ہوا کہ رپورٹنگ میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے یوں بھی مختلف قلموں اور ذہنوں کی رپورٹنگ یکساں نہیں ہوسکتی۔ میں نے جن تقریروں کی رپورٹنگ کو قابل اعتماد سمجھا، انھیں اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔قابل اعتماد رپورٹنگ کے لیے میں نے کسی خاص اخبار یا کسی کی ڈائری پر اعتماد نہیں کیا۔ اس نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں ذوق نے میری دستگیری کی ، اور میرے اس ذہن نے رہنمائی کا کام انجام دیا، جو حضرت امیر شریعت کی مجلس میں حاضری کے بعد تیار ہوا تھا۔'' ۲۵

حالاں کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں ہی منظر عام پر آچکا تھا لیکن ضرورت وتقاضہ کے پیش نظر دوبارہ اس کی اشاعت کی گئی ہے۔

اس مجموعہ کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ولی رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

''والد ماجدؒ کے یہ خطبات قیمتی اور اہم ہیں، یہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا حصہ ہیں، اور اجتماعی زندگی کی جدوجہد کے بعض بڑے اہم گوشے ان سے واضح ہوتے ہیں، یہ کتاب

موجودہ ہندوستان کے حالات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے، اور مسلمانان ہند کی اُلجھی ہوئی اجتماعی زندگی کو سلجھانے میں معاون بن سکتی ہے۔ اس کے بین السطور میں مسائل کا حل بھی ہے، جینے کا طریقہ بھی ہے، اور ملت کی اجتماعی زندگی کے لیے حیات بخش پیغام بھی۔ اس درس زندگی میں اس احتیاط و برداشت کی تلقین نہیں ہے جس سے احساس شکست پیدا ہو اور جو بزدلی، خوف اور بے چارگی کی راہ ہموار کردے اور نہ بے جا جوش اور جذبات کا سبق ہے، جو نتیجہ کے اعتبار سے مفید نہیں ہوا کرتا، یہ خطبات ''امت وسط'' کے لیے متوازن اور مناسب پیغام حیات ہیں ان پر عمل کیا جائے، تو شاہراہ حیات کھل سکتی ہے اور بند دروازے وا ہوسکتے ہیں۔''۲۶

اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مرتب نے ''زندگی کا سفر'' کے عنوان سے مولانا رحمانی کی مختصر مگر جامع سوانح کو بھی شامل کردیا ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہوجاتی ہے۔ زین العابدین صاحب کو مولانا رحمانی کو قریب سے دیکھنے کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ اکثر سفر و حضر میں مولانا رحمانی کے ساتھ رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کی زندگی کا پورا احاطہ اس مختصر سے عنوان کے اندر کردیا ہے۔

اس مجموعہ میں مولانا رحمانی کی جن بیش قیمت تقریروں کو شامل کیا گیا ہے ان کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

(۱) اسلامی اوقاف پر محصول

(۲) مسلمان اور کانگریس

(۳) حضرت امیر شریعت کا پہلا فرمان

(۴) امارت شرعیہ کی دعوت اور نظام کار

(۵) اسلام اور اجتماعیت

(۲۶) اختلاف کے برے اثرات

(۲۷) مسلمان ہونے کی پہچان

(۲۸) قربانی کی اصل

(۲۹) ریاستی قومی یکجہتی کانسل

(۳۰) مسلم یونیورسٹی میں معاندانہ کاروائی

(۳۱) ایک اجتماعی مصیبت

(۳۲) مسلم یونیورسٹی کی عمارتیں نہیں کردار عزیز ہے

اس مجموعہ میں ۱۹۳۷ء سے جون ۱۹۷۰ء تک کے بتیس قابل ذکر تقریریں شامل ہیں جن کے مطالعہ سے مولانا کے اصلاحی مشن، ان کی ملی اور قومی خدمات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ آنے والی نسل ان تقریروں کی مدد سے ہی ملت کے نشیب و فراز اور اس کی دفاعی کوششوں سے روشناس ہوسکتی ہے۔

اس مجموعہ کی دوسری اشاعت ''خطبات امیر شریعت'' کے نام سے فروری ۲۰۰۳ء میں ہوئی۔ یہ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قومی و ملی اور تحریکی کاموں میں مشغولیت کی کثرت اور عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں وہ سب آپ کا ایک کارنامہ ہے۔ آپ نے تقریباً ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ گراں قدر خدمات انجام دیں۔

آپ نے حالات وضروریات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر جن فکر انگیز موضوعات پر کتابیں لکھیں ان میں مخالف گروپ کے لیے نہ صرف مسکت جواب ہے بلکہ اسلام کے احکام کی ایسی واضح ترجمانی ہے جس سے قلب وضمیر اور فکر وشعور کو بھی تازگی ملتی ہے۔ آپ نے اپنے مقالات ومضامین اور بے شمار بامقصد تقریروں سے اسلام کی جہاں صحیح ترجمانی کی، ملت کے خوابیدہ لوگوں اور نوجوانوں کو خواب غفلت سے جگایا وہیں اسلام کے خلاف حکومت کی ریشہ دوانیوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں کا دنداں شکن

جواب بھی دیا ہے۔

بے شک آپ کی یہ قلمی تحریریں اور خطبات ایک قیمتی دستاویز اور نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فتاویٰ نویسی — چند مثالیں:

مولانا رحمانی کو اللہ نے فقہ اسلامی میں خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔فقہ آپ کا خاص موضوع تھا اس کے اندر آپ کو کافی دلچسپی رہی۔یہی وجہ تھی کہ تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور خانقاہ رحمانی میں آنے والے استفتاء کا جواب پوری محنت اور شرح صدر کے ساتھ لکھتے رہے۔چنانچہ آپ کی تحریروں کا بہت بڑا حصہ فتووں کی شکل میں آج بھی جامعہ رحمانی خانقاہ اور امارت شرعیہ میں موجود ہیں۔

حالاں کہ افتاء کا کام علمی کاموں میں مشکل اور اہم ترین کام ہے۔اس کے اندر تفقہ اور عمیق علم درکار ہوتے ہیں جب تک فقہ سے مکمل اور غیر معمولی مناسبت نہ ہو اس کو انجام دینا مشکل ترین مرحلہ ہے۔اللہ نے آپ کو اس کے اندر بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔آپ بڑے سے بڑے مسئلہ کا جواب بے تکلف قلم بند فرما دیتے۔آپ نے سینکڑوں اہم اور مشکل فتاوے تحریر کیے جو آج بھی محفوظ ہیں جو فقہ میں آپ کی مہارت اور تفقہ کی روشن دلیل ہے۔

مولانا رحمانی کی نگاہ فقہ واصول فقہ پر گہری تھی اس لیے جدید مسائل کے حل کی راہ بھی آپ کے سامنے روشن وصاف تھی۔اس کے متعلق آپ خود لکھتے ہیں:

> ”ان حالات کی بنیاد پر میرے نزدیک صحیح راہ یہ ہے کہ ایک طرف مقاصد شریعت اور روح احکام پر پوری نگاہ رکھی جائے تو دوسری طرف اصول وکلیات اور اشباہ و نظائر کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کا حل نکالا جائے اور زمانے کے تغیر کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کیا جائے۔یہی وہ راہ ہے جسے صحابہ کرام اور اکابر علماء نے ہر دور میں

اختیار کیا۔'' ۲۷

کار افتاء کی اہمیت کے پیش نظر ہی آپ نے اپنے دور امارت میں جہاں قضاء کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا وہیں دار الافتاء کو بھی وسعت دی اور اس کی اہمیت اور نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دار الافتاء کو براہ راست اپنی نگرانی میں خانقاہ مونگیر کے اندر ہی رکھا۔ آپ خود سے جواب تحریر فرماتے، کبھی لکھواتے اور کبھی جامعہ رحمانی کے اساتذہ کے حوالہ کر کے جواب پر غور فرماتے اور پھر اصلاح و رہنمائی کے بعد جواب ارسال فرماتے۔ آپ نے اس کے اندر اتنی وسعت پیدا کر دی اور ایسا متحرک کر دیا کہ ملک اور بیرون ملک میں امارت شرعیہ کے فتاویٰ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

یہاں پر مولانا منت اللہ رحمانی کے چند اہم اور قابل ذکر فتاوے جو جدید مسائل کے متعلق ہیں کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ جدید مسائل سے متعلق آپ کی ذہانت وحذاقت نیز آپ کی فتاویٰ نویسی اور فقہی بصیرت کا اندازہ ہو سکے، یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شائع شدہ استفسارات اور جوابات من وعن نقل کیے جا رہے ہیں:

(ا) بجلی کے جھٹکے کے ساتھ ذبیحہ

آج کل برطانیہ میں ذبح کرنے کا عام رواج یہ ہو رہا ہے کہ جانور کو ایک بجلی کا جھٹکا لگایا جاتا ہے جس سے دو تین منٹ کے لیے بے ہوش ہو جاتا ہے اور اسی دوران اسے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ ذبح کرنے کے وقت جانور سے اس طرح خون نکلتا ہے جیسا کہ اُسے بغیر بجلی کے جھٹکا لگائے ذبح کیا جائے۔

یہاں کے بعض لوگوں کا (مسلمان) کا خیال ہے کہ اگر ایسے جانور کو بجلی کے جھٹکے کے بعد اسلامی طریقہ پر ذبح بھی کیا جائے تو بھی اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہوگا۔ ان لوگوں کو بعض علماء کی رائے حاصل ہے۔

کچھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ اگر بجلی کے جھٹکے کے بعد اسے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بجلی کا جھٹکا صرف اس لیے لگایا جاتا ہے کہ جانور تھوڑی

دیر بے ہوش رہے اور اسی وقت اسے ذبح کیا جائے تو اُسے تکلیف نہ ہوگی۔ ان لوگوں کو بھی بعض علماء کی رائے حاصل ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ اگر بجلی کے جھٹکے کی وجہ سے بے ہوش جانور کو پانچ چھ منٹ چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر وہ اپنی پہلی حالت میں آنے لگتا ہے اور اٹھ بیٹھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بجلی کی وجہ سے اس کی موت واقع نہیں ہوتی ہے اس لیے آپ سے گذارش ہے کہ اس کا تفصیلی جواب ارسال فرمائیں۔ تاکہ اس کے مطابق قدم اٹھایا جاسکے۔

اس سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

''میں سفر میں تھا سفر میں ہی یہ سوال نظر سے گذرا۔ میرے ذہن نے یہ فیصلہ کیا کہ بجلی کے جھٹکے کی حیثیت اسی انجکشن سی ہے جو آپریشن سے پہلے عضو کو بے حس کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے جس سے چیڑ پھاڑ کی تکلیف کم سے کم محسوس ہوتی ہے اور ذبح سے پہلے اور ذبح کے وقت بھی ایسا نظم کرنا جس سے جانور کو کم سے کم تکلیف پہنچے مستحسن ہے، اس لیے سفر ہی سے جواب دیا کہ اگر بجلی کے جھٹکے سے جانور کی موت واقع نہیں ہوتی۔ خون میں کمی نہیں آتی صرف بطلان حس ہوتا ہے اور اسی غرض سے بجلی کا جھٹکا دیا جاتا ہے کہ جانور کو تکلیف کم سے کمتر ہو اور پھر جھٹکے کے بعد اسلامی طریقہ پر جانور کو ذبح کیا جائے تو گوشت حلال ہوگا۔ یہ طریقۂ ذبح کم سے کم ایذارسانی کا باعث مستحسن ہے۔ مکان واپس آکر میں نے انگلستان سے آیا ہوا سوال مولانا محمد یحیٰی صاحب مفتی امارت شریعہ کی خدمت میں پیش کیا۔ مفتی صاحب نے غور وفکر کے بعد وہی بات کہی جو میں جواب میں کہہ چکا تھا اور پھر از راہ کرم مدلل طریقہ پر جواب قلم بند فرمایا جو حسب ذیل ہے:

الجواب:

''شریعت نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا طریقہ اور اوزار بھی بتا دیا ہے کہ چھری کو تیز کرلو اور مذبوح کو جتنا کم تکلیف دے کر ذبح کرسکتے ہو وہ طریقہ اختیار کرو۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے............(احادیث نقل میں حذف کردی گئیں) انہیں احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جس طریقہ کو اختیار کرنے میں مذبوح کو بے فائدہ زیادہ تکلیف دینا لازم آئے مکروہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے مکروہ کی چند شکلیں لکھ کر یہ قاعدہ بتایا ہے۔

والحاصل ان مافیه زیادة ایلام لایحتاج الیه فی الذکاة مکروه۔

(خلاصہ یہ ہے کہ جو کام ایسا ہے کہ اس سے مذبوح کو زیادہ تکلیف ہو اور اس کی کوئی ضرورت ذبح کرنے میں نہیں وہ مکروہ ہے۔)

ان احادیث اور فقہاء کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا ہے اس کو جتنا کم سے کم تکلیف دے کر ذبح کر سکتے ہوں ایسا طریقہ استعمال کرنا مستحب و مستحسن ہے بشرطیکہ اس طریقہ سے خون کے نکلنے میں کوئی کمی واقع نہیں ہو اور نہ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنا پڑے۔

احادیث سے مثبت طریقہ سے اور ہدایہ سے منفی طریقہ سے یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔ پھر ہدایہ کی عبارت سے کس طرح بطور مفہوم مخالف کے اس پر استدلال کیا گیا کہ کم سے کم تکلیف دینا جانور کو مستحب و مستحسن ہے۔ اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا عدم اعتبار صرف نصوص شرعیہ (کتاب اللہ اور سنت رسول) میں ہے۔ فقہ اور عام بول چال میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذبیح کو تکلیف کم سے کم تر دے کر ذبح کرنا امر مستحسن و مستحب ہے اور حضورﷺ اور فقہاء کے قول سے یہی ثابت ہے تو اگر بجلی کے جھٹکے سے تھوڑی دیر کے لیے جانور کا احساس ختم کر دیا جائے تا کہ ذبح بھی جلد ہو اور جانور کو تکلیف بھی کم پہونچے اور بجلی کے جھٹکے کے بعد جانور سے خون نکلنے میں کوئی کمی نہیں ہوتی تو ایسا کرنا اگر اسی نیت سے ہو کہ جانور کو تکلیف نہ پہونچے تو یہ فعل مستحسن بھی ہوگا اور جائز بھی۔ اور اگر یہ نیت نہیں ہے تو مستحسن نہ ہوگا مگر اس کے جائز اور حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ ایسے طریقہ پر جو جانور ذبح کیا جائے گا اس کا گوشت بغیر

کسی کراہت کے جائز ہے۔

مفتی صاحب نے سوال و جواب دونوں کے دونوں، دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، اور ندوہ کے مفتی صاحبان کے پاس بھیجے ان حضرات نے بھی اپنی اپنی رائے لکھ کر بھیج دی، تینوں جگہوں کے مفتی صاحبان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ذبح تو بہر حال حلال ہے لیکن جھٹکے کا فعل مستحسن نہیں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شیخ الحدیث جامعہ رحمانی مونگیر اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب استاد جامعہ رحمانی مونگیر کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن اب تک مفتی صاحب اور عاجز کو بھی مذکورہ بالا بجلی کے جھٹکے کے قبیح ہونے پر اطمینان نہیں ہے بلکہ اس کی استحسان ہی طرف جھکاؤ ہے۔ نیز تحقیق اور علماء سے استفادہ جاری ہے۔

مسلم نعش پر عمل جراحی کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش عملِ جراحی کے لیے میڈیکل کالج میں بھیج دی جاتی ہے۔ اب اس کے متعلق سوال یہ ہے:

(۱) مسلم نعش پر شرعاً کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لیے مسلم نعش پر عمل جراحی جائز ہوگا؟

الجواب:

مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے۔ مثلاً کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو تمام فتاوی میں یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے۔ **حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها من الایسر و یخرج ولدها۔**

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے جب کہ مرنے والے کی پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہواور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ متحرک بچہ ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

وفی التجنیس من علامة النوازل امراة حامل ماتت واضطرب فی بطنها شئی وکان رائیهم ، انه ولد حیٌّ شق بطنها۔

مطلب یہ ہے کہ ہر دوصورت میں بچہ زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ نعش کو چاک کرنا جائز ہے۔ نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا روپیہ نگل جائے اور مرجائے۔

ولو بلغ مال غیره ومات هل یشق قولان والاولی نعم (قوله والاولی نعم) لانه وان کان حرمة الا دمی اعلی من صیانة المال لکنه ازال احترامه بتعدّیه کما فی الفتح ومفاده انه لوسقط فی جوفه بلا تعد لایشق اتفاقاً.

وفی البیری عن تلخیص الکبری لو بلغ عشرة دراهم ومات یشق وافادالبیری عدم الخلاف فی الدراهم والدنانیو۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالتِ ضرورت عمل جراحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لیے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اس لیے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دوضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہوتو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ ازالہ کیا جائے گا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لیے چیرا جانا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

لوکان أحدهما اعظم ضررا من الآخرفان الاشد یزال بالاخف

اس کے بعد اس کی مثالوں میں بہت سی مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں

ذکر کیا گیا ہے۔

ومنها جواز شق بطن المیته لاخراج الولد اذاکانت ترجی حیاته ، وقد امربه ابو حنیفةؒ فعاش الولد کام فی الملتقط۔

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چوں کہ سینکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچنے کے لیے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو۔ اور سینکڑوں جان بچنے کے لیے چند نعشوں پر علم جراحی جائز نہ ہو۔

ھذا ماعندی فان اصبت فمن الله و ان اخطئت فمنی ومن الشیطان۔

علماء کرام کے لیے قابل غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سینکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب ہوگا؟ یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے اعظم اور اشدّ ضرر ہے یا نہیں۔

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سینکڑوں جانوں کی ہلاکت اعظم اور اشد ضرر ہے۔

لہٰذا الاشباہ والنظائر کی تصریح کی بناء پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈکل کالج میں نعش پر جو عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حدِ جواز کے اندر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(حضرت مولانا) منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر

الجواب صحیح:

علم جراحی مسلمانوں کے لیے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے کہ الضرر یزال اور الضروریات تبیح المحظورات۔ پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے۔ چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح والمجیب نجیح:

خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیت کریمہ **ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا**

اولی الالباب ،اور آیت قتال کے ارشارے بھی اس طرف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مولانا مفتی) احقر نظام الدین دارالعلوم دیوبند،

لفظ ''ڈائیورس'' سے طلاق:

سائل لکھتا ہے:

میری شادی کچھ عرصہ قبل ایک خاتون کے ساتھ ہوئی تھی ،مگر شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی ہمارے تعلقات ناخوش گوار ہوگئے اور الجھاؤ پیدا ہونے لگا۔ اور نباہ مشکل ہوگئی ،آخر مجبور ہوکر میں نے اپنی بیوی کو ڈائیورس دے دیا، اور اس طرح میں نے ڈائیورس دیا، ڈائیورس دیا ،ڈائیورس دیا ، میں نے گواہوں کے سامنے یکم مئی ۱۹۸۸ء کو طلاق نامہ میں اس طرح لکھا ڈائیورس ، ڈائیورس ، ڈائیورس ، میں نے اپنی بیوی ، بی بی عابدہ نسرین بن ڈاکٹر محی الدین کو دیا۔ آج تاریخ یکم مئی ۱۹۸۸ء کو باہم ناخوش گوار تعلقات کی وجہ سے......

اب واضح فرمائیں کہ اس کی روشنی میں میری بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئی ،اور وہ میری بیوی رہی یا نہیں ۔ نیز میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تمہارا مہر اکیس ہزار روپے ہے وہ کسی ایسے آدمی کو بھیج کر منگوالو جسے میں بھی جانتا ہوں۔ یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ منگوالو، عدت کا خرچ تیرہ سو روپے ماہوار دوں گا۔ اور میرا بچہ جب تک تمہارے پاس رہے گا اس کا بھی خرچ دو سو روپے کے حساب سے دوں گا۔ فقط

سائل منظور عالم

الجواب:

آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے انگریزی کا لفظ Divorce تین دفعہ استعمال کیا ہے۔ لفظ طلاق اگر بیوی کے لیے آپ تین مرتبہ استعمال کرتے تو بلاشبہ طلاق مغلظہ واقع ہوتی ......

اب یہ طے کرلینا ہے کہ انگریزی کا لفظ Divorce طلاق کے معنی میں ہے یا نہیں۔ شریعت میں حل عقد النکاح کا نام طلاق ہے۔ یعنی نکاح کے گرہ کو کھول دینا۔ دی اسٹنیڈر انگلش اردو ڈکشنری مصنفہ عبدالحق میں ہے:

Divorce کے معنی ہیں خلع، طلاق، قانونی فسخ نکاح، خلع طلاق یا خلع کی ڈگری دینا طلاق کے ذریعہ بیوی یا شوہر کو علیٰحدہ کرنا (اتحادکو) توڑنا، جدا کرنا، افتراق کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ Divorce طلاق کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کے تمام معنی میں بیوی سے جدائی، علیٰحدگی اور وہی رشتۂ نکاح توڑ دینے کے معنی مراد ہیں۔

آکسفورڈ ڈکشنری Oxford Dictionary میں اس کے معنی اس طرح لکھے ہیں "Legal dissolution of marriage Opposed to judicial Sepration of married pair" یعنی عدالت کے ذریعہ حاصل کی گئی علیٰحدگی کے سوا قانونی طور پر شادی شدہ جوڑے کی تنسیخ نکاح۔

مشہور مقنن جسٹس فیض بدرالدین طیب جی بارایٹ لا، کی کتاب 'محمڈن لا' Mohammadan Law میں ایک عنوان ہے۔

Dissolution of marriage by Talaq or Divorce یعنی طلاق یا ڈائیورس کے ذریعہ فسخ نکاح، اس عنوان کے تحت طیب جی نے دفعہ ۱۱۹ میں لکھا ہے:

طلاق وہ فسخ نکاح ہے جو شوہر کی طرف سے واقع ہو اس اظہار کے ساتھ کہ نکاح ختم کردیا گیا یا یہ کہ اب اس کے اور بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق نہیں رہے گا۔ دوسرے مشہور مقنن جسٹس ملا Mulla نے بھی اپنی کتاب Divorce سے متعلق دو دفعات قائم کی ہیں۔

دفعہ ۳۰۸ Divorce by Talaq طلاق کے ذریعہ ڈائیورس

دفعہ ۳۰۹ Contigent Divorce مشروط طلاق جس طرح آکسفورڈ ڈکشنری

سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ Divorce کے معنی مطلق طلاق کے ہیں۔ جسٹس طیب جی کی تشریح نے بھی واضح کردیا کہ Divorce اس طلاق کا نام ہے جو شوہر کی طرف سے واقع ہو۔ جسٹس ملا جی نے بتایا کہ طلاق اور Divorce ایک ہی چیز ہے۔

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیوی کے لیے لفظ ڈائیورس استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسا لفظ طلاق استعمال کرنا ہے۔ ڈائیورس انگریزی زبان میں طلاق ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ وہ طلاق کی کوئی قسم ہو۔

صورت مسئولہ میں شوہر نے بیوی کے لیے (Divorce) ڈائیورس، تین مرتبہ استعمال کیا ہے جس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ نیز شوہر نے جو بیوی کے پاس طلاق نامہ بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ تمہارا مہر اکیس ہزار روپے ہے وہ لے لو اپنے کسی آدمی کو بھیج کر جس سے میری واقفیت بھی ہو۔ یا بذریعہ بینک ڈرافٹ منگوالو، اپنی تین ماہ عدت کا خرچہ بحساب تیرہ سو روپے ماہوار لے لو اور میرا بچہ جب تک تمہارے پاس رہے گا اس کا خرچ بھی دو سو روپے ماہوار کے حساب سے دوں گا۔ اس تحریر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شوہر نے بیوی کے لیے لفظ ڈائیورس (Divorce) تین دفعہ استعمال کرکے رشتۂ ازدواج کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر شوہر کے عقد میں دوبارہ نہیں آسکتی۔ [۲۸]

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

منت اللہ رحمانی (حضرت مولانا)

۲۵ رمحرم ۱۴۱۰ء

قانونِ اسلامی کی تدوین:

اسلامی قانون کی تدوین آپ کی ایسی عظیم الشان خدمت ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں سنہرے حروف سے یاد کی جائے گی۔ مسلم پرسنل لاء سے متعلق اسلامی قوانین کی ضرورت قانون دانوں کو پڑتی

رہتی ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ عائلی قوانین کا ایسا کوئی مستند مجموعہ پہلے سے موجود نہیں تھا جو موجودہ زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی کرتا ہو اور اس پر مستند علماء کا اتفاق بھی ہو۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ وہ مستند علماء، وکلاء اور قانون دانوں کے مشورے سے ایک ایسا مجموعہ تیار کرائے جس کو عدالتوں میں بطور سند پیش کیا جاسکے کیوں کہ بدلتے ہوئے جدید حالات و مسائل اور پھر وکلاء اور ججوں کی اسلامی قانون سے واقفیت میں تدریجاً کمی کے باعث قانون اسلامی کی دفعہ وار ترتیب، تہذیب اور تقدیم ایک اشد ضرورت تھی۔

اسی کے پیش نظر مولانا رحمانی کی ہی تحریک پر بورڈ نے یہ تجویز منظور کی کہ مسلم پرسنل لاء سے متعلق اسلامی قانون کو واضح انداز پر دفعہ وار مرتب کیا جائے تاکہ قانون دانوں کو اسلامی قانون سے صحیح واقفیت ہو اور ججوں کو فیصلہ دیتے وقت اس کتاب سے رہنمائی مل سکے اور عدالتوں میں یہ مرجع (Refrence Book) کے طور پر تسلیم کی جائے۔ بورڈ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ یہ علمی خدمت آپ (مولانا منت اللہ رحمانی) ہی انجام دیں چنانچہ تقاضے کے تحت آپ نے خانقاہ رحمانی میں اس کام کے لیے معتبر اور مستند علماء کو تعاون دینا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے خاکہ مرتب کیا، مضامین کی فہرست تیار کی، مسائل کا انتخاب فرمایا اور ان مسائل کے فقہی حیثیت اور دلائل پر بحثیں کیں اور مسائل کے اخذ و قبول میں غور و فکر فرمایا اور پھر احتیاط کے ساتھ ان ساری بحثوں اور فقہی عبارتوں کو سامنے رکھ کر آپ نے ان مسائل کو دفعہ وار مرتب کیا، نیز تصویب و توثیق کے لیے مختلف علماء کرام جن کی فقہ اسلامی پر گہری نظر تھی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح تلاش و جستجو، احتیاط و انتخاب، بحث و تحقیق کے مرحلوں سے گزر کر یہ کتاب (اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء) کے مسودہ کو آخری شکل ۱۹۹۰ء میں دی گئی۔ بلاشبہ یہ آپ کا علمی اور اسلامی تاریخ میں نام لیا جانے والا بڑا کارنامہ ہے۔

حوالے وحواشی

۱۔ مولانا منت اللہ رحمانی، کتابت حدیث، ص ۱۵، مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی، جولائی ۱۹۵۸ء

۲۔ ایضاً، ص ۱۶

۳۔ ایضاً، ص ۳

۴۔ ایضاً، ص ۴

۵۔ مولانا منت اللہ رحمانی، مذہب، اخلاق اور قانون، ص ۲۶، دارالاشاعت، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، اگست ۱۹۷۵ء

۶۔ مولانا منت اللہ رحمانی، قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل، ص ۴۶، دارالاشاعت، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۷۲ء

۷۔ مولانا منت اللہ رحمانی، حج کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی اثرات، ص ۱، مجلس استقبالیہ حج سمینار مدراس، فروری ۱۹۸۹ء

۸۔ مولانا منت اللہ رحمانی، یونیفارم سول کوڈ، ص ۲۱، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۸۹ء

۹۔ ایضاً، ص ۲۲-۲۱

۱۰۔ مولانا منت اللہ رحمانی، نسبت اور ذکر وشغل، ص ۴، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، ۱۳۹۱ھ

۱۱۔ ظفر عبدالرؤف رحمانی، مسلم پرسنل لا زندگی کی شاہراہ، ص ۱۵۲، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۱۲۔ مولانا منت اللہ رحمانی، متبنّٰی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ، ص ۳، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۷۴ء

۱۳۔ زین العابدین، خطبات امیر شریعت، ص ۱۴۵، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۱۴۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی، حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات، ص ۸۱، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، ۲۰۰۳ء

۱۵۔ مولانا منت اللہ رحمانی، مکاتیب گیلانی، ص ۲۱، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، ۱۹۷۲ء

۱۶ مولانا منت اللہ رحمانی ، مسلم پرسنل لاء بحث ونظر کے چند گوشے، ص ۲۵، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، جنوری ۱۹۷۹ء

۱۷ ایضاً، ص ۲۶

۱۸ مولانا منت اللہ رحمانی، خاندانی منصوبہ بندی، ص ۴، شائع کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جنوری ۱۹۷۶ء

۱۹ ایضاً، ص ۱۰

۲۰ ایضاً، ص ۲۵

۲۱ ایضاً، ص ۲۵

۲۲ ایضاً، ص ۲۶

۲۳ حافظ محمد امتیاز رحمانی، نقوش تاباں، ص ۱۱، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

۲۴ ایضاً، ص ۵

۲۵ زین العابدین، خطبات امیر شریعت، ص ۲۸

۲۶ ایضاً، ص ۹

۲۷ مولانا منت اللہ رحمانی، مسلم پرسنل لاء، طبع سوم، ص ۲۱، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر، ۱۹۸۵ء

۲۸ نقل از رجسٹر، بحوالہ امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ص ۱۷۹-۱۷۰، شائع کردہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

مراجع ومصادر

مراجع ومصادر

القرآن

اردو

(۲) ابو سلمان، ڈاکٹر: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ، اشتیاق پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۱ء

(۳) اصلاحی، صدر الدین: یکساں سول کوڈ اور مسلمان، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، جون ۱۹۷۳ء

(۴) اعجازی، اصغر حسین: مسلم پرسنل لاء اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، شائع کردہ مسلم پرسنل لاء بورڈ

(۵) اقبال، ڈاکٹر علامہ: کلیات اقبال، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع سوم، اپریل ۱۹۹۴ء

(۶) الحسنی، سید محمد: سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری، لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس، اپریل ۱۹۶۴ء

(۷) پھلواروی، محمد شفیع: تربیت قضاء کے دو ہفتے، دارالاشاعت، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۸۵ء

(۸) پیرزادہ، شمس: مسلم پرسنل لاء اور یکساں سول کوڈ، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، نومبر ۱۹۷۲ء

(۹) خان، شمس تبریز: مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۹ء

(۱۰) رحمانی، مولانا نیاز احمد: لازمی نکاح رجسٹریشن کشمیر سے بنگال تک، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

(۱۱) رحمانی، ابوظفر: امیر شریعت رابع، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، ۱۹۵۹ء

(۱۲) رحمانی، حافظ محمد امتیاز: نقوش تاباں، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

(۱۳) رحمانی، ظفر عبد الرؤف: مسلم پرسنل لاء زندگی کی شاہراہ، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

(۱۴) رحمانی، مولانا منت اللہ: خاندانی منصوبہ بندی، آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جنوری ۱۹۷۶ء

(۱۵) رحمانی، مولانا منت اللہ: اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۲۰۰۲ء

(۱۶) رحمانی، مولانا منت اللہ: نسبت اور ذکر وشغل، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی، مونگیر، ۱۳۹۱ھ

(۱۷) رحمانی، مولانا منت اللہ: حج کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی اثرات، مجلس استقبالیہ، حج سمینار مدراس، فروری، ۱۹۸۹ء

(۱۸) رحمانی، مولانا منت اللہ: مسلم پرسنل لاء، طبع سوم، ۱۹۸۵ء

(۱۹) رحمانی، مولانا منت اللہ: کتابت حدیث، مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی، جولائی، ۱۹۵۸ء

(۲۰) رحمانی، مولانا منت اللہ: مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ نئے مرحلے میں، سکریٹری آفس، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مونگیر، نومبر ۱۹۷۳ء

(۲۱) رحمانی، مولانا منت اللہ: مسلم پرسنل لاء بحث ونظر کے چند گوشے، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی مونگیر، جنوری ۱۹۷۹ء

(۲۲) رحمانی، مولانا منت اللہ: قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل، دارالاشاعت، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۷۲ء

(۲۳) رحمانی، مولانا منت اللہ: مکاتیب گیلانی، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، ۱۹۷۲ء

(۲۴) رحمانی، مولانا منت اللہ: مذہب اخلاق اور قانون، دارالاشاعت، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، اگست ۱۹۷۵ء

(۲۵) رحمانی، مولانا منت اللہ: متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۷۴ء

(۲۶) رحمانی، مولانا منت اللہ: یونیفارم سول کوڈ، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ۱۹۸۹ء

(۲۷) رضوی، سید محبوب: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد۲، نامی پریس، بلی ماران، دہلی، ۱۹۷۸ء

(۲۸) زین العابدین: خطبات امیر شریعت، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، فروری ۲۰۰۳ء

(۲۹) غلام مرسلین: مولانا عبدالحی فرنگی محلی حیات وخدمات، مرکز دراسات ایشیائے غربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۵ء

(۳۰) قادری، سید معین الدین: مسلم پرسنل لاء کا ایک تجزیاتی مطالعہ، قرآن وسیرت سوسائٹی

(۳۱) قاسمی، مولانا مفتی عطاء الرحمٰن: حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات، دارالاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، جنوری ۲۰۰۲ء

(۳۲) قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام: الفسخ والتفریق

(۳۳) قاسمی، اسرار الحق: مسلم پرسنل لاء اور ہندوستانی مسلمان، کتابستان، بیگوسرائے، بہار

(۳۴) قاسمی، ڈاکٹر محمد سعود عالم، مرتب: مولانا ابوالحسن علی ندوی افکار وآثار، الہدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر، ۲۰۰۰ء

(۳۵) محمد طیب، قاری: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دفتر اہتمام، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۶۵ء

(۳۶) محمد طیب، قاری: دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، دارالکتاب دیوبند ۱۹۹۸ء

(۳۷) منصورپوری، محمد سلمان: تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، مرکز نشر وتحقیق، لال باغ، مرادآباد، ۱۴۲۱ھ

(۳۸) منیار، عثمان: مسلم پرسنل لاء اور ملت کی بیداری، حافظ پبلی کیشنز، ممبئی، نومبر ۱۹۸۵ء

(۳۹) میرٹھی، نور احمد: شخصیات میرٹھ، ادارہ فکر نو، کراچی، ۲۰۰۳ء

(۴۰) ندوی، ابوالحسن علی: تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء

(۴۱) ندوی، محمد شہاب الدین: سپریم کورٹ کا فیصلہ حقائق وواقعات کی روشنی میں، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور، فروری ۱۹۸۶ء

(۴۲) ندوی، ابوالحسن علی: کاروان زندگی، جلد۴، مکتبہ اسلام محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ،

(۴۳) آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خدمات اور سرگرمیاں، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ،

(۴۴) امارت شرعیہ تاریخ وخدمات کی روشنی میں، شائع کردہ: دارالاشاعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

(۴۵) امارت شرعیہ تاریخ وخدمات کی روشنی میں شائع کردہ: دارالاشاعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف، پٹنہ، جون، ۱۹۹۸ء

(۴۶) امیر شریعت رابع حیات وخدمات، شائع کردہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

(۴۷) روداد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، شائع کردہ: مجلس استقبالیہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن، ممبئی ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء

(۴۸) مطلقہ عورت کا نان نفقہ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، شائع کردہ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء

انگریزی

(49) Faridi, DR.F.R: **(With the assistance of Dr. M.N. Siddiqi)**

(50) Muslim Personal Law Ed.2nd, Markazi Maktaba Islami Delhi, 1985

(51) Rosanthal, Erwin I.J: Political Thought in Medieval Islam

University Press, Cambridge, 1962

عربی

(۵۲) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: **الجامع الصحیح**، ج ۲، مطبع کتب خانہ رشیدیہ دہلی،

(۵۳) الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع الترمذی، جلد۲، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی

(۵۴) التبریزی، شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ: مشکوۃ المصابیح، جلد اول، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

(۵۵) السرخسی، شمس الدین: مبسوط، جلد ۱۶، مطبعۃ السعادۃ، مصر، طبع اول

اخبار و رسائل

(۵۶) سہ ماہی بحث ونظر، (خصوصی شمارہ) قاسمی، مجاہدالاسلام، اپریل ۱۹۹۱ء

(۵۷) ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، اپریل ۱۹۹۱ء

(۵۸) ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین، دہلی، جلد ۱۰۹، ۱۹۹۱ء

(۵۹) ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین دہلی، شمارہ ۶، جون ۱۹۹۲ء

(۶۰) ماہنامہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، مئی، جون ۱۹۹۱ء